اَللّٰهُ يَجْتَبِىٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ

اللہ جس کو چاہے چن لیتا ہے اور جو رجوع کرے اسکو رسائی دیتا ہے

جذب القلوب

(اردو)

تاریخ مدینہ

مصنف
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم
حضرت سید حکیم عرفان علی

ناشر

زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور Ph: 042 - 7352022

نام کتاب .... **تاریخ مدینہ**

مصنف .... شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم .... علامہ سید حکیم عرفان علی

تصحیح .... علامہ شمس الدین چشتی

کمپوزنگ .... عبدالسلام/قمرالزمان راجگل پارک لاہور

مطبع .... اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

ناشر .... اکبر بک سیلرز اُردو بازار لاہور

قیمت .... -/250 روپے

ترتیب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی وَعَلٰی اَکْمَلِ عِبَادِ اللّٰہِ مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ زُبْدَۃِ اَرْبَابِ الْکَرَمِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَرَضِیَ عَنْہُمْ وَاَرْضٰی ہ

رباعی

ہستی سے ہے تیری رنگ و بو سب کے لئے

طاعت میں ہے تیری آبرو سب کے لئے

ہیں تیرے سوا سارے سہارے کمزور

سب اپنے لیے ہیں اور تو سب کے لئے

حالیؔ

بندۂ ناچیز حکیم عرفان علی حنفی بن حاجی محمد امجد علی بریلوی عرض کرتا ہے کہ کسی کتاب کے ترجمہ کرنے میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں اس کو وہی سمجھتا ہے جس کو اس کا اتفاق پیش آیا ہو۔ بہت سے مواقع ایسے نظر آتے ہیں کہ قلم کی روانی کو روک دیتے ہیں۔ ایسے اہم کام کے لیے احباب اور بزرگوں نے مجھ جیسے عدیم الفرصت نااہل کو مجبور کیا اور وہ بھی ایسے وقت کہ دل و دماغ ضعیف ہو چکے ہوں اپنے مشاغل اور بیماروں کی خدمت سے تھوڑی سی فرصت ملنی بھی دشوار ہو تاہم اپنے بزرگوں کا حکم منظور ہی کرنا پڑا اور ایسے دشوار کام کو اپنے سر لے لیا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری مدد فرمائے آمین۔

تعالیٰ اللہ ذات مصطفےٰ ﷺ کا حسن لاثانی

کہ یکجا جمع ہیں جس میں تمام اوصاف امکانی

دعائے یونسی خُلقِ خلیلی ، صبر ایوبی
جلال موسوی ، زہد مسیحی ، حسن کنعانی
بہار آئی ہوئی آراستہ پھر بزمِ امکانی
ہوا گلزار عالم پھر جو اب باغ رضوانی
کہاں کا دشتِ ایمن، طور کیا، برق تجلی کیا
یہ سب کچھ تھی جمال مصطفےٰ کی پرتو افشانی
محمدؐ وہ کتاب کون کا طغرائے پیشانی
محمدؐ وہ حریم قدس کا شمع شبستانی
وہ فاتح جس کا پرچم اطلس زنگاری گردوں
وہ امی جس کے آگے عقل کل ہے طفل بستانی
وہ شاہِ بوریا مسند سکھایا جس نے دنیا کو
یہ انداز جہانگیری یہ آئین جہاں بانی
خدا جانے خود اس سرکار کا کیا مرتبہ ہو گا
غلام بارگہ جس کے کہیں مَا اَعْظَمَ شَانِیْ

تیرہ سو سال سے زیادہ زمانہ گزرا کہ اللہ جل شانہٗ نے ظلمت کدہ عالم کو منور کر دینے والا وہ پیغمبر عربیؐ دنیا میں بھیجا کہ جس کے ہاتھ میں سیادت رسل کا جھنڈا اور سر اقدس پر خاتم الانبیاء کا تاج تھا اس سے پہلے کہ وہ عالم قدس کا بادشاہ سریر آرائے بزم ناسوت ہو اس کی آمد آمد کے طبل و دہل سے دشت وجبل گونج رہے تھے۔ وہ کمالات و محاسن کا آفتاب فاران کی چوٹی سے طلوع ہوا اور اپنی آتشیں شریعت سے سرد قلوب کو گرما گیا۔ قحط کی سوکھی ہوئی زمین اس کے قدموں کی برکت سے سرسبز وشاداب ہو گئی وہ مٹی کی مورتوں پر جان فدا کرنے والے اور اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے پتھر کی صورتوں کو خدا سمجھنے والے دفعتاً محبوب خدا کی مقناطیسی کشش کی طرف دوڑے اور ایسے موحد بنے کہ شرک کا وجود ہی ان کو شاق گزرنے لگا۔

اللہ اللہ ایک ایسا وقت بھی تھا کہ جب حضور ﷺ نے توحید کا اعلان کیا تو بچے سے لے کر بوڑھے تک غصہ اور دشمنی کی نظر سے آپ کی جانب دیکھتے تھے یا ایک وہ وقت آیا کہ زن و مرد امیر و غریب جوان اور بوڑھے آپ کی ہر ہر ادا پر جانیں نثار کرنے کو آمادہ نظر آنے لگے۔ اب کیا تھا آپ کی رسالت و وحدانیت خداوندی کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجنے لگا آپ کی حیات طیبہ اور آپ کے مسکن کے حالات بہت سے لوگوں نے اپنے اپنے زمانے میں لکھے اور بڑے بڑے علماء نے اپنی امکانی کوشش بھر قلمیں اٹھائیں لیکن آپ کے اوصاف کا حصہ ظاہر کرنا بشری طاقت سے باہر تھا۔ تاہم ایک کتاب جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب فارسی زبان میں میری نظر سے گزری نہایت خوب ہے سچے حالات اور پاکیزہ خیالات اس کے اندر موجود ہیں اور کیوں نہ ہوں تصنیف بھی تو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ میں نے اس کا ترجمہ ۱۹۳۲ء میں اس لیے شروع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا ذریعہ نجات اسی کو بنا دے۔ اب یہ ترجمہ راحت القلوب کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ خاکسار۔

عرفان علی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عبد الحق بن سیف الدین ترک دہلوی بخاری بعد حمد وصلوٰۃ کے فرماتے ہیں کہ ہر زمانے میں علمائے سیر وتواریخ نے اس بلدۂ ابرار کی خبر میں بڑی بڑی کتابیں اور دفتر لکھے ہیں۔ منجملہ مختلف تالیفات کے مشہور تر اور میرے نزدیک عمدہ ترین تاریخ وفاء الوفا باخبار دار المصطفےٰ ہے اس کے مؤلف یکتا علمائے اعلام عالم مدینہ خیر الانام نور الدین علی بن شریف عفیف الدین بن عبداللہ بن احمد الحسینی السمہودی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ میری دعا ہے کہ خدائے پاک جنت میں ان کا جائے قرار فرمائیں۔ آمین۔ ۲۹ ذی قعدہ ۹۱۱ھ جمعرات کے دن صبح کے وقت ان کا انتقال ہوا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے نزدیک بقیع میں دفن کئے گئے۔ کتاب وفاء الوفا ایک ایسی کتاب ہے جس میں مدینہ منورہ کے جملہ حالات، لڑائیاں نیز باقی حوادثات اور احادیث وآثار، متعدد روایتیں اور مختلف اقوال جمع کردیے ہیں گویا دریا کو کوزے میں بند کردیا ہے لیکن اصل کتاب ایک خاص قضیہ کے سبب سے مسجد شریف میں جل گئی اور اس کا خلاصہ ایک دوسری کتاب میں جس کا نام اکتفار الوفا ہے (اس سے پہلے کہ اس کی قسمیں تمام ہوں) ۸۸۶ھ میں مختصر کرکے جمع کیا گیا اس کے بعد کتاب وفاء الوفا کا مئی ۸۹۳ھ میں ایک دوسرا مختصر انتخاب کیا گیا اس کا نام خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفےٰ رکھا گیا۔ اور یہی خلاصہ اس زمانے میں لوگوں کے پاس محفوظ اور مشہور ہے۔ اور مجھے یہ منظور ہے کہ کتاب وفاء الوفا کی نقل کروں اس لیے گذارش ہے کہ اگر کتاب خلاصۃ الوفا کی بعض روایات میں کچھ مخالفت ظاہر ہو اور دور نہ ہو تو آپ لوگوں کو باور کرا دینا چاہتا ہوں کہ سید سمہودی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک دوسرا رسالہ بھی ہے جس میں خصوصیت کے ساتھ واقعات آتش زدگی اور مسجد شریف کے گر جانے کے بعد جبکہ لوگوں

نے اس عمارت شریف کی تجدید میں تاخیر کی ہے اس کو شرح تحریر فرمایا ہے۔ نیز مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام کو بالتفصیل کامل طور پر تحقیق کیا ہے چنانچہ اس رسالہ کو بھی اس کے مناسب موقع پر اس کتاب میں نقل کیا گیا ہے۔ اور اتفاقاً بعض تواریخ اور دوسری کتابوں سے بھی انتخاب کرلیا ہے تاہم یہ بات یادرکھنے کے قابل ہے کہ اس کی رفتار اس کے اشارہ کے بغیر پوری نہ کجی جائے گی الا ماشاء اللہ تعالیٰ۔

اس کتاب کے مسودہ کی ابتدا ۹۹۸ ہجری میں مدینہ منورہ کے اندر ہوئی اور اختتام ۱۰۰۱ھ میں دہلی میں ہوا۔ اس کتاب کا اصل نام جذب القلوب الی دیار المحبوب ہے جو شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے اور مجھے یہ کتاب دل سے مرغوب ہے۔ اس کو سترہ ابواب میں تقسیم فرمایا ہے۔

اوّل: میں نام اس شہر عظیم الشان زاد اللہ تعظیماً وتشریفاً کے۔

دوسرا: اس کے فضائل ومحامد جن کا ذکر احادیث اور آثار سے ثابت ہے۔

تیسرا: وہ خبریں جو زمانہ قدیم سے اس جگہ کرامت نشان کی بابت ہیں۔

چوتھا: ان اسباب کا بیان جنھوں نے حضور ﷺ کو اس شہر میں تشریف لے جانے پر آمادہ کیا تھا۔

پانچواں: سید المرسلین خاتم النبیین کا مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمانا۔

چھٹا: عمار مسجد شریف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت اور وہاں کے تمام مقامات شریفہ کے حالات۔

ساتواں: ان تغیرات اور زیادتوں کا بیان جو مسجد شریف میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئیں۔

آٹھواں: فضائل مسجد شریف اور روضہ منیف آنحضرت ﷺ کا ذکر۔

نواں: عمارت میں مسجد قبا کا اور تمام مساجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان۔

دسواں: ان آثار متبرکہ کا ذکر جو بشرف حضور فائض النور کے مشہور ہیں۔

گیارھواں: بعضے ان مقام شریفہ کا بیان جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع اور مشہور ہیں۔

بارھواں: بقیع کے مقبرہ شریفہ اور اس کے قبور کے فضائل کا ذکر۔
تیرھواں: جبل اُحد کے فضائل اور وہاں کے شہداء رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر۔
چودھواں: حضرت سید الانام کی زیارت کے فضائل اور اس کا ثبوت کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔
پندرھواں: حضور ﷺ کی قبر شریف کی زیارت واجب اور مستحب ہے اور آپ کا توسل نیز آنجناب جنت مآب سے مدد چاہنا۔
سولھواں: حضرت سید الانام کی زیارت کے آداب اور اس مقام عالی میں ٹھہرنا پھر وہاں سے اپنے وطن کو لوٹنے کا ذکر
سترھواں: درود کے آداب وفضائل اور اس کے متعلق۔

باب اوّل

مدینہ منورہ کے مختلف نام اور اس کے لقب اللہ تعالیٰ اس کی شرافت اور تعظیم میں اضافہ فرمائے

ناموں کی کثرت ہی ظاہر کر رہی ہے کہ اس شہر شریف کی کتنی عظمت ہے اسماء الٰہی عزشانہٗ اور القاب حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جس کے نام زیادہ ہیں اس کی رفعت وعظمت بھی زیادہ ہے۔ خاص کر ایسے وقت میں کہ ایک نام مشتق ہو۔ ایک ماخذ شریف سے اور اس بات کی خبر دیتا ہو کہ اس سے ایک صفت عظیم پیدا ہوتی ہے۔ روئے زمین کا کوئی شہر ایسا نہیں ہے کہ جس کے نام اس درجہ کثرت کو پہنچے ہوں جیسے کہ مدینہ پاک کے نام ہیں۔ بعض علماء نے کوشش کر کے تقریباً ایک ۱۰۰ سو اور بعض نے کم وزیادہ اس حد سے جمع کیے ہیں۔ لیکن اس کتاب میں صرف وہ نام لکھے جائیں گے جن کی دلالت اس مکان کی شرافت اور کرامت پر اظہر من الشمس ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت کو شامل حال کرتے ہوئے میں عرض کرتا ہوں کہ جو نام سید کائنات آنحضرت ﷺ کا پسندیدہ اور محبوب ہے وہ طابَۃ اور طَیِّبَۃ اور طَیِّبَۃ تشدید کے ساتھ اور طَابِیہ ہے بلکہ تمام مشتقات اس مادہ سے ملاحظہ تعظیم اور انتہائے ادب کا خصوصیت کو چاہتا ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ اس مقام پر کسی دلالت کا پایا جانا جواز پر وسعت اور عمومیت کی گنجائش رکھتا ہو۔ واللہ اعلم اور ان ناموں کا بولنا اس کی طہارت کے سبب سے ہے۔ اس لیے کہ

شرک کی نجاست سے یہ سرزمین پاک ہے اور طبائع سلیمہ کے موافق ہے نیز اس کی آب وہوا نہایت پاکیزہ ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس جگہ شریف کے رہنے والے اس کی مٹی اور اس کے درودیوار سے ایسی عمدہ خوشبو پاتے ہیں جس کی مثال میں دنیا کی کوئی خوشبو پیش نہیں کرسکتے۔ یہاں کے ساکنان کے سوا اور صادقان ومحبانِ مشتاق کے شامۂ ذوق میں بھی تھوڑی خوشبو پہنچتی ہے۔ چنانچہ ابی عبداللہ عطار نے کہا ہے۔

شعر

بطیب رسول اللّٰہ طاب نسیمہا

فما المسک والکافور والصندل الرطب

ترجمہ شعر: بوجہ خوشبو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوشبو دار ہوگئی ہوا اس کی پس نہیں ہے۔

ایسی خوشبو مشک اور کافور اور صندل رطب میں۔ شیخ ایک صاف باطن اور اہل دل علماء میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مدینہ پاک کی مٹی میں ایک خاص خوشبو ہے۔ جو مشک وعنبر میں نہیں پائی جاتی اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لیے کہ جہاں پر حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سانسوں کی ہوا پہنچی ہو وہاں مشک وعنبر کی کیا حقیقت ہے۔

بیت

دراں زمیں کہ نسیمے وزد ز طرۂ دوست

چہ جائے دم زدنِ نافہائے تاتاریست

مترجم

جہاں کہیں تری زلفوں کی لے پہنچ جائے

وہاں پہ جائیں عبث نافہائے تاتاری

اور نیز تمام دنیا کی خوشبوئیں خاص کر گل سرخ جو مشہور ومعروف ہے اور اس کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ نسبت کرتے ہیں اس شہر پاک کی مخصوص خوشبو کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔

بیت

زنسیم جاں فزایت تن مردہ زندہ گردد
زکدام باغے ای گل کہ چنیں خوش است بویت

ترجمہ

ہوتا ہے مردہ زندہ خوشبو سے تیری اے گل
وہ باغ کون سا ہے آیا ہے تو جہاں سے

حدیث میں آیا ہے:

ان اللہ امرنی ان اسمی المدینۃ طابہ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں مدینہ طیبہ کا نام طابہ رکھوں۔

وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ مدینہ کا نام توریت میں طابہ وطیبہ اور طیبہ ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص مدینہ پاک کی زمین کو عدم طیب سے نسبت کرے اور اس کی ہوا کو نا خوش کہے وہ واجب التعزیر ہے اس کو قید کیا جائے۔ یہاں تک کہ توبہ صحیح کر لے۔ زمانہ سعادت نشان نبوت سے پہلے مدینہ شریف کو یثرب واثرب بروزن مسجد کہتے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کے حکم سے اس کا نام طابہ اور طیبہ رکھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ یثرب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک اولاد کا نام ہے جب ان کی اولاد متفرق شہروں میں آباد ہوئی تو یثرب نے اس سرزمین میں قیام کیا۔ علمائے تاریخ کا اس میں اختلاف ہے کہ یثرب خاص مدینہ پاک کا نام ہے یا اس طرف کا جو اُحد پہاڑ کی غربی جانب میں واقع ہے جس میں کثرت سے کھجور کے درخت اور چشمے تھے۔ اکثر علماء نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور نیز اثارب کا لفظ بصیغہ جمع بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

ابن زبالہ جو مؤرخین مدینہ کے پیشوا مانے جاتے ہیں اور منجملہ اصحاب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ہیں نیز دوسرے حضرات نے بھی علماء سے روایت کیا ہے کہ مدینہ منورہ کو یثرب نہ کہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ میں ایک حدیث آئی ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ یثرب

کہے تو اس کو لازم ہے کہ اس کی تلافی اور تدارک میں دس مرتبہ مدینہ کہے اور امام احمد اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے کہ اگر کوئی شخص مدینہ کو یثرب کہے تو چاہیے کہ جناب باری تعالیٰ میں استغفار کرے اس کا نام طابہ ہے۔ انہی روایات کے مثل دوسری بھی آئی ہیں لفظ یثرب سے کراہت کی وجہ اس کا مشتق ہونا ثرب کی وجہ سے ہے جس کے معنی فساد کے ہیں یا تثریب سے جس کے معنی مواخذہ اور عذاب کے ہیں ان سب باتوں کے علاوہ یثرب ایک کافر کا نام بھی ہے۔ لہٰذا اس کے نام پر اس مقام شریف کا نام رکھنا جس کی عزت غبار شرک اور کفر سے پاک و بری ہو۔ کسی طرح مناسب نہیں ہے اور جو کہ قرآن مجید میں آیا ہے

یا اهل یثرب لا مقام لکم

بعضے منافقوں کی زبان سے ہے کہ مدینہ منورہ کا نام اس نام سے رکھ کر داو نفاق دیتے تھے۔ اور بعض احادیث میں بھی مدینہ منورہ کا نام یثرب آیا ہے۔ اس کے لیے علماء کہتے ہیں کہ یہ ممانعت سے پیشتر کا ہے واللہ اعلم۔

منجملہ اور ناموں کے اس بقعہ شریفہ کا نام ارض اللہ اور ارض الہجرت بھی ہے اور آیہ کریمہ

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا

ان دونوں ناموں کے درست ہونے کی دلیل ہے۔

اَكَّالَةُ الْبُلْدَانِ وَاَكَّالَةُ القرىٰ بھی اس بات کی گواہ ہے کہ تمام شہروں پر اس کو غلبہ ہے اور اس کے احکام بھی تمام اطراف عالم پر غالب ہیں نیز غنیمتیں اور خزانے جو یہاں آتے ہیں اس کے القاب سے ہے اور بعض علماء نے اس معنی کو غلبہ فضیلت اور عظمت رتبہ پر محمول کیا ہے۔ یعنی تمام فضیلتیں اس کی عظمت کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ جیسا کہ مکہ مکرمہ کو ام القریٰ کہتے ہیں یہ نام تمام شہروں کے مقابلے میں باعتبار اس کی اصلیت کے ہے۔ لوگوں نے کہا ہے کہ اکالۃ القریٰ کی بہ نسبت ام القریٰ زیادہ اچھا ہے اس لیے کہ اگر اس کو ماں کہا جائے تو چونکہ اس کے ساکنان کو کبھی اضمحلال نہیں ہے۔ اس لیے ماں ہونے کا حق

ادا ہو جاتا ہے۔ اور اس کا ایک نام ایمان بھی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری ہے:
وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ۔
شان میں انصار اور تعریف میں محبان عالی اقدار کے نازل ہوئی ہے۔ یہ شہر مکرم مظہر اور مظہر ہے ایمان کے احکام کا اور یہی ایمان کا سرچشمہ ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایمان کا فرشتہ جو ایمان والوں کے دلوں پر ایمان القا اور الہام کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں مدینہ کا رہنے والا ہوں اور ہرگز اس شہر سے باہر نہ جاؤں گا۔ جب اس بات کو حیا کے فرشتہ نے سنا تو کہنے لگا کہ میں بھی تیرے ساتھ ہوں اور کبھی تجھ سے جدا نہ ہوں گا۔ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ حیا اور ایمان یہ دونوں صفتیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر پاک میں مجتمع اور ایک دوسرے کے لیے لازم ہو گئی ہیں۔
اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ
بازہ وبئہ و برائی اور بھلائی کے معنوں میں ہے۔ یہ بھی اسم صفتی اسی مکان نیک علامت کے ہیں اس واسطے کہ یہ جگہ خزانہ ہے نیکیوں کا اور معدن ہے بھلائی کا
لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ
میں خداوند عالم نے اس کی قسم کھائی ہے۔ اس سے بھی بقول بعض مفسرین کے مدینہ ہی مراد ہے۔ اس وجہ سے کہ حضور سید المرسلین ﷺ تا حیات یہیں اقامت فرما رہے اور بعد ممات دینوی بھی اسی جگہ فردکش ہیں۔ اس لیے اس شہر پاک کو یہ بزرگی اور لباس شرافت عطا ہوا ہے۔ لیکن اکثر علماء کے بقول اس آیت شریف کے مکہ معظمہ مراد ہے۔ اور چونکہ یہ مکہ مکرمہ ہی میں نازل ہوئی ہے اس لیے اس قول کو ترجیح ہے واللہ اعلم بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے القاب شریف سے ہے۔ اور اس نام کے رکھنے کی وجہ اس نسبت کریم کے ساتھ کمال درجہ کی واضح اور ظاہر ہے جیسا کہ مکہ مکرمہ کو بیت اللہ کہتے ہیں اسی طرح اس شہر پاک کو بیت رسول اللہ ﷺ کہنا جائز ہے۔

بیت

زہے سعادت آں بندۂ کہ کرد نزول
گہے بہ بیت خدا وگہے بہ بیت رسول

جابرہ وجبارہ بھی اس مقام عزت انتظام کے ناموں میں سے ہے۔ اور حدیث

للمدینۃ عشرۃ اسماء

چند روایات سے اوّل کے دو ناموں پر دلالت کرتی ہے اور تیسرا نام جبارہ ہے جس کو کتاب النواحی کے مصنف نے توریت سے نقل کیا ہے۔ اس کا نام جبر رکھنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ شکستہ دلان غریب کو مالدار اور بے کسوں اور فقیروں کو سہارا دینا اس کا کام ہے اور اس کے علاوہ معذوروں کو شکستہ کرنا۔ سرکشوں کو اطاعت پر مجبور کرنا۔ دوسرے شہروں پر اس لیے جبر وقہر کرنا کہ اسلام لاؤ۔

مسلمان بن جاؤ۔ ایک اللہ کے تابعدار رہو اور مجبورہ بھی اس کا نام وارد ہوا ہے اس لیے کہ سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سکونت کے لیے حیات وممات میں حکم الٰہی سے مجبور ہے۔ اور جزیرۃ العرب بھی بقول بعضے محدثین کے حدیث اخرجو المشرکین من جزیرت العرب سے مدینہ منورہ مراد ہے۔ اگرچہ بقول دیگر حضرات اس آیت سے تمام ملک حجاز مراد ہے اور محبہ وحبیبہ ومحبوبہ اس کے مرغوب ومخصوص ناموں میں سے ہیں حدیث میں ہے

اللھم حبیب علینا المدینۃ کحبنا مکۃ

ترجمہ حدیث: اے اللہ محبوب کردے تو ہماری طرف مدینہ کو مثل محبت مکہ کے۔

یہ حدیث اس بات کی تائید کرتی ہے کہ حرم وحرم رسول اللہ ﷺ بوجہ شرافت نسبت کے بھی اس کے القاب سے ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں آیا ہے

المدینۃ حرم (مدینہ حرم ہے)

طبرانی کی حدیث میں ہے کہ

حرم ابراھیم مکہ وحرمی المدینۃ

"یعنی حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور میرا حرم مدینہ ہے۔"

حرم مدینہ کہاں تک ہے اس کی حد قائم کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اس کا ذکر اپنی جگہ پر کیا گیا ہے اور ممکن ہے ان اوراق میں بھی اس کا ذکر کیا جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ حسنہ بھی اسی کا نام ہے حسن حسی اس وجہ سے ہے کہ باغات چشمے، کنوئیں اور بلند وبالا پہاڑ، کشادہ فضائیں۔ عمارتوں کے قبے اور مشاہد ومزارات اس میں شامل ہیں نیز نور نے اس کا احاطہ کرلیا ہے۔ اور رونق وحضور معہ جمیع اماکن کے اور گرداگرد اس بقعہ شریف کا نہایت ہی کامل السرور ہے۔ حسن باطنی بوجہ وجود حضرت خاتم النبیین ﷺ کی ذات اقدس کے جو شاہد ومشہود پروردگار عالم کا ہے اور مقصود تمام نیکیوں کا اور وجود آل واصحاب اور آپ کے متبعین کا کہ جامع تمام برکات اور جمیع کرامات کے ہیں۔ یہ سب خوبیاں اسی مدینہ پاک کی سرزمین کو حاصل ہیں۔

عَرَفَ مَنْ ذَاقَ وَوَجَدَ مَنْ عَرَفَ

ترجمہ: پہچان لیا جس نے چکھا اور پایا جس نے پہچانا۔

مصرع

ذوق ایں راشناسی بخدا تانچشی

شعر

ومن مذهبی حب الدیار لاهلها

وللناس فیما یعشقون مذاهب"

(ترجمہ شعر) میرا مذہب ہے کہ محبت مکان اس کے ساکنان کی وجہ سے ہے اور واسطے ان لوگوں کے جو عشق رکھتے ہیں۔ مختلف مذہب ہیں۔

خدا کی قسم قطع نظر باطنی لذتوں اور حضور قلب کے کہ نتیجہ ہے سچی محبت اور حسن اعتقاد کا اصل حسن وزیبائی جو قلبی آنکھوں سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ اسی شہر پاک میں ہے کسی دوسرے شہر میں تو دیکھی نہ سنی البتہ بعض دوسری جگہوں میں جو نورانیت نظر آتی ہے وہ اسی مقام کی حسن وزیبائی ہے اسی جگہ کے چمکارے اور آثار وبرکات اس میں سایہ فگن ہیں۔

جیسا کہ شہر دہلی اور اسی جیسے بعض دوسرے مقام۔ اسی درگاہ کے خادم وخاکسار وہاں بھی سوئے ہوئے ہیں۔

بیت

ہر کجا نوریست تاباں باکمال
ظاہر است از آفتاب ایں جمال

خیرہ وخیرہ بھی اسی بزرگ مقام کا نام ہے کہ جامع ہے دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کو۔ حدیث میں آیا ہے۔

اَلْمَدِیْنَۃُ خَیْرٌ لَّھُمْ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ

ترجمہ: مدینہ بہتر ہے ان کے لیے کاش کہ جانتے ہوتے۔

حضرت سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہروں کے فتح کرنے سے اور لوگوں کے منتقل ہونے سے وسعت رزق کی طلب میں خبر دی ہے اور یہ اس بات کا ثبوت دے رہی ہے کہ اس شہر پاک کے یہ دونوں نام بھی ہیں:

دار الابرار الاخیار ودار الاخیار ودارا لایمان والسنۃ ودار الاسلام ودار الفتح ودار الھجرۃ وقبۃ الاسلام

سب کے سب القاب اس مقام شریف کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو تر و تازہ و پاک رکھیں۔ شافیہ بھی اسی کا نام ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ خاک مدینہ ہر مرض کے لیے شفا ہے۔ یہاں تک کہ جذام اور برص کے لیے بھی مدینہ منورہ کے پھلوں سے بھی شفا طلب کرنا حدیث صحیح سے ثابت ہے اور بعض علماء متقدمین کے بقول کتاب اسماء مدینہ اور اس کے حواشی سے بخار کے مریض کے بھی صحت یاب ہونے کے بارے میں حدیث آئی ہے اور امراض قلب اور گناہ کی بیماری سے بھی شفایاب ہونا لازم ہے۔ نیز اس مکان شریف میں وارد ہونا انجام محمود ہے۔ عاصمہ بھی اسی کا نام ہے جو ایذائے مشرکین سے مہاجرین کے محفوظ رہنے کی وجہ سے ہے۔ یہی نہیں بلکہ تمام ساکنان اور قاصدان اس مقام رحمت آئین کا جملہ آفات اور خطرات دنیا و دین سے محفوظ رہنے کی وجہ سے بھی یہ

نام ہے اور اگر نام معصومہ رکھا جائے جس کے معنی محفوظ کے ہیں تو یہ اس وجہ سے ہوگا کہ یہ بیشے سرکش و جبار لوگوں سے ابتدا میں لشکر موسیٰ علیہ السلام اور داؤد علیٰ نبینا علیہ السلام محفوظ رہا اور آخر میں بوجہ برکت نبی الرحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دجال اور طاعون سے اور ہر مکروہ و منحوس سے محفوظ رہے گا اس نام کو جائز رکھتے ہیں یا لفظ عاصمہ کو معصوم کے معنی میں لے لیں تو جائز ہے۔ غلبہ یہ اس کے پرانے ناموں میں سے ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی یہی نام لیا جاتا تھا۔ چنانچہ یثرب اور غلبہ و تسلط اور قہر لازم ورود اور نزول میں اس عظمت والی زمین کے آیا ہے۔ جو شخص اس میں داخل ہوتا ہے آخر کار صفت غلبہ اور علامت شہرت سے موصوف ہو جاتا ہے۔ یہود عمالقہ پر غالب ہوئے اور اوس و خزرج یہود پر۔ اور اسی طرح سے مہاجرین اوس و خزرج پر اور عجمی مہاجرین پر۔ الا ماشاء اللہ فاضحہ بھی ایک نام ہے اس لیے کہ بد اعتقاد اور بدکار لوگ اس میں پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔ آخر کار ذلت و رسوائی کے ساتھ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے غضب سے بچائیں۔ مومنہ بھی اس مکان شریف کا نام ہے۔ بوجہ اس بات کے کہ اس میں اہل ایمان کی سکونت ہے اور یہیں سے ایمان کے احکام نکلے ہیں۔ اور اسلام کے شعائر کا مرکز بھی یہی ہے اور جس طرح نفع اور برکت والفت مومن کی علامات میں سے ہے اسی طرح مدینہ پاک میں بھی یہ اوصاف ظاہر ہیں۔ اور اگر اس کلمہ کو اپنے حقیقی معنوں پر رکھیں تو احتمال رکھتا ہے کہ یہ شہر پاک بھی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہو اور آپ کی تصدیق کا محل بنا ہو۔ جس طرح سے کنکریوں کا حضور ﷺ کے دست اقدس میں تسبیح کرنا اور جمادات کا آنحضرت ﷺ سے گویا ہونا اس معنی کی صحت پر احساس کر سکتے ہیں۔ حدیث صحیح میں اُحد پہاڑ کی بابت واقع ہوا ہے جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ اس مدعا پر واضح دلیل ہے کہ سرزمین مدینہ بھی ایمان لے آئی۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ تربتھا المومنۃ

فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے خاک مدینہ

مومن ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ توریت میں اس کا نام مومنہ ہے۔ مبارکہ بھی اسی شہر کا لقب ہے اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ حضور سرورِ کائنات ﷺ نے مدینہ اور اس کی تمام چیزوں کے لیے یہاں تک کہ مد وصاع کے واسطے بھی دعا کر کے فرمایا ہے کہ اے خدا اُس کی برکت زیادہ کر جیسی کہ مکہ میں خیر و برکت کی ہے اور اس دعا کا ظہور و مشاہدہ کرنا برکات کا اس شہر شریف میں ظاہر امور سے ہے۔ اس میں شک اور تردد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مجبورہ جو مشتق ہے حبر سے بحاء مہملہ مفتوحہ بمعنی سرور اور حرتے کے ساتھ نعمت کے معنی میں۔ اسی شہر مقدس کا نام ہے مجبار اُس زمین کو کہتے ہیں جو سبزیات کو جلد اُگائے اور بہت نفع والی ہو۔ اس بات کا وجود سرزمین مدینہ میں معائنہ اور مشاہدہ کیا گیا ہے۔ محروسہ و محفوظہ اور محفوفہ ان ناموں کی وجہ تسمیہ بعض اسماء مذکورہ کے معنے سے ظاہر ہو گئی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مدینہ پاک کی گلیوں کے دونوں سروں پر فرشتے بیٹھے ہوئے اُس کی پاسبانی کرتے ہیں۔ مرحومہ و مرزوقہ پہلا نام توریت سے نقل کیا ہے اور اس کے ساتھ وجہ تسمیہ ظاہر ہے کہ مکان اور ٹھکانہ رحمۃ للعالمین ﷺ کا اور جائے نزول ارحم الراحمین کی ہے اور رحمت عام و خاص یعنی اہل عالم پر رزق حسیہ جسمانیہ اور معنویہ و روحانیہ کا پہنچنا ہے لیکن یہ بات خاص کر معتکفان باب توکل کے لیے پے در پے ہے۔ مسکینہ۔ اس کی وجہ تسمیہ خلاصہ سے مومنہ کے نام میں ظاہر ہو جائے گی۔ حدیث میں حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے آیا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے مدینہ کو خطاب فرمایا

یَا طَیْبَۃَ یَا طَابَۃَ یَا مسکینۃ لا تقبلی الکنوز

ترجمہ حدیث: پروردگار عالم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کو خطاب کیا کہ اے زمینِ پاک اور اے بقعہ مطہر اور اے مکان مسکین خزانوں کو قبول مت کر اور اپنی مسکینیت کے ساتھ موافقت کر۔ لیکن حقیقت میں یہ خطاب اس کے باشندگان سے ہے تاکہ مسکینیت اور غربت کی صفت سے کہ اس کی اصل خشوع و خضوع ہے موصوف رہیں اور اہل دنیا و اصحاب ثروت جو اس صفت پر نہیں ہیں رغبت نہ کریں۔

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ اَعْنِيْ فِيْ اَهْلِ بَلْدَةِ حَبِيْبِكَ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

مسلمہ حق مومنہ کے اس کے اسمائے شریف سے ہے۔ ایمان اور اسلام نام ایک ہے۔ لیکن کچھ تھوڑا سا فرق ہے ایمان میں رعایت معنی تصدیق قلبی کے ہیں جو امور باطنہ سے ہے۔ اور اسلام میں اقرار وانقیاد کی جانب کا لحاظ ہے جو کہ احکام ظاہری ہیں لیکن ان دونوں ناموں میں امان وسلامت ہے۔ مطیبہ مقدسہ قریب قریب پہلے ناموں کے معنی میں ہے۔ طیب اور پاکی نیز طہارت وصفائی اور نزاکت اس شہر شریف کے لوازم ذاتیہ سے ہے۔ مقر قرار سے ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ

اللھم اجعل لنا بھا قرارا ورزقا حسناً

(ترجمہ) اے اللہ تو کر دے ہمارے لیے اس شہر میں قرار اور رزق عمدہ۔

مکینہ بھی مدینہ منورہ کا نام ہے باعتبار اس عزت اور درجہ کے جو اس کو دربار خداوندی میں حاصل ہے۔ ناجیہ نجات سے یا ناجاہ سے مشتق ہے یعنی خوش کیا اس کو۔ یا نجوہ سے کہ بلند زمین کو کہتے ہیں اور تمام معنوں کی وجہیں مدینہ پاک میں ظاہر اور واضح ہیں۔ المدینہ۔ اس مقام شریف کے مشہور ناموں اور بلدۂ عظیم کے معروف اعلام میں سے ہے لغت میں مدینہ ایسے مقام کا نام ہے جو مکانات اور کثرت عمارات میں قریہ کی حد سے تجاوز کر گیا ہو۔ اور شہر کے درجہ کو پہنچا ہو جو تمام گاؤں سے بڑا ہے۔ شہر مدینہ اور بلدیہ درمیانی ہیں اور بعضوں نے شہر اور مدینہ کو ایک درجہ میں رکھا ہے۔ لیکن یہ تحقیق علم لغت کی ہے۔ اور اب مدینہ نام مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو گیا ہے۔ چنانچہ

اگر مطلقاً مدینہ ذکر کرتے ہیں تو یہی شہر معظم مراد ہوتا ہے۔ اہل عرب اپنے محاورہ میں اس کو الف لام کے ساتھ المدینہ بولتے ہیں۔ اور اس قسم کے فرق لغت عرب میں بہت ہیں جیسا کہ نجم ہر ستارہ کو کہتے ہیں۔ لیکن النجم الف لام کے ساتھ چند مخصوص ستاروں

کا نام ہے کہ اس کو ثریا کہتے ہیں۔ اگر کسی شخص کی نسبت دوسرے مدنیوں کی طرف ہو تو اسے مدینی کہتے ہیں۔ اور اگر نسبت مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو تو مدنی بولتے ہیں۔ کلام الٰہی میں مدینہ کا نام اسی نام سے چند جگہ آیا ہے اور توریت میں بھی یہی نام آیا ہے۔ سیّد البلدان حدیث شریف میں امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت آئی ہے یا طیبۃ یا سیّد البلدان مدینہ کے فضائل کا بیان جس جگہ ہے وہاں پر یہ معنی واضح ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

باب دوم

اس شہر عظیمہ شریفہ کے اوصاف اور فضائل

جو احادیث اور آثار سے ثابت ہیں زاد اللہ تشریفاً و تعظیماً

واضح ہو کہ اجماع اُمت اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ افضل مقامات اور بزرگ ترین شہروں میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ہیں۔ زاد اللہ تشریفاً و تعظیماً۔ لیکن ان دونوں شہروں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت اور ترجیح دینے میں علماء کا اختلاف ہے بعد اجماع تمام علماء رحمۃ اللہ علیہم نے اس مقام کو فضیلت دی ہے جو اعضائے شریفہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو موضع قبر شریف سے ملائے ہوئے ہے تمام اجزائے زمین کے افضل ہے۔ یہاں تک کہ خانہ کعبہ سے بھی اور بعض علماء نے یہاں تک کہا ہے کہ تمام سمٰوات حتےٰ کہ عرش سے بھی اور کہتے ہیں اگرچہ کتب قوم میں صریح ذکر آسمانوں اور عرش اعظم کا نہیں آیا ہے۔ لیکن یہ بات اس قبیل سے ہے کہ جس شخص کے سامنے کہی جائے اس پر توقف اور انکار کی راہ مسدود ہو جائے۔ آسمان و زمین آپ کی تشریف آوری ہی کی وجہ سے معزز ہیں۔ بلکہ اگر تمام اجزائے زمین کو تمام آسمانوں پر اس لیے ترجیح دی جائے کہ حضور سردار دو عالم ﷺ کی قبر شریف کی جگہ اجزائے زمین سے ہے تو گنجائش ہے اور آخر اس کلام کا فضیلت دینے میں آسمانوں اور زمینوں کے خلاف واقع ہوا ہے وہ امام نودی کے کلام کا تقاضا ہے وہ یہ کہ جمہور علماء زمین پر آسمانوں کو فضیلت دیتے ہیں اور بعضے زمین کو آسمان پر اس لیے فضیلت دیتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوات والسلام کا مستقر اور جائے مدفن ہے تو آسمان ان کے ارواح مقدسہ کا محل اور مقر ہے۔ لیکن جب یہ ثابت ہے کہ

انبیاعلیہم الصلوٰت والتسلیم اپنی قبور میں زندہ ہیں تو جمہور کے کالم کا جواب نہایت واضح ہے
اس لیے اس صورت میں زمین جس طرح سے جسموں کے لیے جائے قرار ہے محل ارواح
بھی ہے۔ خلاصہ کلام کا یہ ہے کہ جتنی جگہ میں مزار اقدس ہے اس کو چھوڑ کر شہر مکہ کو شہر مدینہ
پر اور شہر مدینہ کو شہر مکہ پر فضیلت دینے میں علماء کا اختلاف ہے۔

مذہب امیر المومنین حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نیز دوسرے صحابہ رضی
اللہ عنہم کی جماعت اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ واکثر علمائے مدینہ، مدینہ کو مکہ پر فضیلت دیتے ہیں
اور بعض دوسرے علماء بھی جو مکہ پر مدینہ کو فضیلت دیتے ہیں وہ کعبہ شریف کو مستثنیٰ قرار
دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ شہر مدینہ شہر مکہ سے افضل ہے۔ لیکن خانہ کعبہ سب سے افضل
ہے بالآخر فیصلہ اس طرح ٹھہرا کہ قبر شریف سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات
مطلقاً اور بالعموم افضل واکرم ہے۔ خواہ شہر مکہ مکرمہ ہو یا خانہ کعبہ شریف اور خانہ کعبہ سوائے
قبر شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہر مدینہ منورہ سے افضل ہے۔ اور باقی مدینہ افضل ہے باقی
مکہ سے یا باقی مکہ افضل ہے باقی مدینہ سے۔ اس میں اختلاف ہے اور جو دلائل مدینہ کی
افضلیت پر بیان کرتے ہیں اس کے محامد اور فضائل کے ذکر میں واضح ہو جائیں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس شہر شریف کی جتنی زیادہ
محبت ہے اتنی کسی شہر کی نہیں ہے۔ اسی میں آپ نے اقامت فرمائی اور یہیں آپ نے
فتوحات عظیمہ حاصل کیں۔ اور یہیں کمالات شریفہ موعودہ کو پہنچے اور یہی جگہ اسلام کی
قوت، دین کے رواج، تمام اول وآخر خیر وبرکات کا سرچشمہ اور جملہ کمالات ظاہر وباطن کا
معدن اور سعادت عظمیٰ اور نعمتِ کبریٰ کا مبداء ہے۔ انہیں وجوہ سے یہ تمام قطعات ارضی
وسماوی سے ممتاز ہے۔ اور ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ مرقد شریف اور قبر پاک
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہیں ہے۔ کوئی نعمت منجملہ نعمت ہائے دنیوی اور اُخروی سے اس کا
مقابلہ اور برابری نہیں کر سکتی۔ اور کوئی عمل بعد فرائض وواجبات کے اس کی زیارت کی
برابری نہیں کر سکتا۔ اگر آپ اس بات کا لحاظ کریں جو متعدد طریقہ سے احادیث صحیحہ میں
آئے ہیں تو ظاہر ہو جائے گا کہ ہر نفس کی پیدائش اس مٹی سے ہے جہاں وہ دفن ہوتا ہے۔

اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ پیدائش نفس پاک حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ منورہ کی مٹی سے ہے۔ اور اس طرح سے اکثر وہ نفوس آل واصحاب اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جو اس شہر میں آرام فرما ہیں یہیں کی مٹی سے تھے اور مدینہ منورہ کے لیے یہ فضیلت وشرافت کافی ہے۔

اس کے برعکس سب سے بڑی دلیل مکہ معظمہ کی فضیلت میں جو لکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ اعمال کا ثواب مکہ کی مسجد میں چند گنا ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے تمام حرم میں۔ جیسا کہ بعض علماء کے اقوال اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور حدیث صحیح میں بھی آیا ہے کہ مسجد نبوی ﷺ میں ادا کی ہوئی ایک نماز برابر ہے ہزار نمازوں کے اور مسجد حرام میں ادا کی ہوئی ایک نماز برابر ہے ایک لاکھ کے۔ لیکن جو لوگ مدینہ کی افضلیت کے قائل ہیں وہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ فضیلت کے اسباب ثواب کی کمی بیشی پر منحصر نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ خاصیت مکہ معظمہ کے ساتھ مخصوص ہو اور طرح طرح کی کرامات وبرکات بوجہ محبت خدا ورسول کے اور نفع پہنچانا اسلام اور اہل اسلام کو مخصوص مدینہ پاک سے ہو۔ اس کلام کی تقویت وتائید میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ جس طرح عرفات میں نماز کا ادا کرنا اس شخص کے لیے جو متوجہ ہے عرفات کی جانب اور منا کے اندر نماز ظہر یوم نحر میں، مسجد حرام کے اندر نماز ادا کرنے سے افضل ہے۔ باوجود اس کے حرم میں ثواب کی زیادتی معلوم ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جو برکت اور فضیلت اتباع آنحضرت ﷺ میں حاصل ہے باوجود اس بات کے کہ خلاصہ زیادتی کا سوائے کثرت عدد وتعدد مقدار کے اقل ہو یا باعتبار کیفیت اور حالت برکت وعظمت افضل ہو اور اگر زیادتی مطلق ثواب افضلیت کے لیے کافی ہوتی تو ثابت تھا ہے کہ افضلیت میں داخل کعبہ کو خارج مسجد حرام پر کسی شخص کو اختلاف نہیں ہے۔ باوجود اس بات کے کہ فرض نماز کے صحیح ہونے میں خانہ کعبہ کے اندر علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جائز نہیں رکھتے۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ اسباب فضیلت کے ثواب کی زیادتی پر منحصر نہیں ہیں اور ایک دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں قبولیت کا سبب اور اس کے غیر متناہی برکات کا فیضان ہو جب کہ حضور ﷺ کی

قبر شریف بہترین مقام اللہ پاک کے برکات اور رحمت و رضوان کا مقام ہے اور یہی دربار خداوندی سے فرشتوں کے نازل ہونے کی جگہ ہے تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس مقام کے قرب کی برکت کی وجہ سے رحمت و آثار فیض اور عنایت و بجت حضرت صمدیت سے ایک خاص حالت اور نور وقبول نصیب ہو جس کی حصولیابی اعمال کے زائد ہونے اور زیادتی طاعت کے باوجود نہ ہو سکے۔ حالانکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بہ صفتِ حیات اس مقام مقدس میں قائم اور موجود ہیں۔ اور اس طرح قائم اور موجود ہیں کہ آپ کو اعمال اور ترقیات دائمی نصیب ہیں۔ اس میں بھی شک نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال تمام بندوں سے باوجود فرض کے اکثر اور ارجح و افضل ہیں جب کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ امداد واستغفار وشفاعت میں اپنی اُمت کے ہیں۔ فیض کا پہنچنا مدینہ منورہ کے قرب وجوار سے اور لوگوں کو نفع پہنچنا ان کی طاعت میں اس زیادتی سے جو کہ مکہ مکرمہ میں حاصل کرتے ہیں یہ کلام امام تقی الدین سبکی کا ہے جو نہایت باریک اور بہت ہی صاف ولطیف ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائیں۔ مکہ معظمہ کی فضیلت میں دوسری دلیل یہ ہے کہ خانہ کعبہ ارکان حج اور تقریبات کے ادا کرنے کی جگہ ہے۔ جیسا کہ حج وعمرہ۔ باوجود ثواب اور فضائل کے جو ان اعمال کے ادا کرنے میں وارد ہوئے ہیں جواب کہتے ہیں کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے مدینہ منورہ میں بھی اعمال حسنہ کرنے سے اجر کا وعدہ فرمایا ہے جو حج وعمرہ کا عوض ہوسکتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کا قصد کرے اس لیے کہ اگر اس میں دو رکعت نماز ادا کرے تو حج کامل کا ثواب پاتا ہے اور اگر مسجد قبا کا ارادہ کرے اور وہاں پہنچ کر اس کے اندر دو رکعت نماز پڑھ لے تو اس کو عمرہ کا ثواب حاصل ہوتا ہے یہ مقام غور ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہر شب وروز میں نماز پڑھنا کئی گنا ثواب کا مستحق بنا دیتا ہے اور حج سال میں بجز ایک بار کے ممکن نہیں۔ مکہ مکرمہ کی فضیلت پر دوسری دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مکہ خیر بلاد اللہ۔ اور دوسری روایت میں احب الارض اللہ بھی ارشاد ہوا ہے۔ جب سید کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات نے مکہ سے کوچ فرمایا تو مقام معلا کے قریب غزورہ یا

برجوں میں سے کسی ایک جگہ پر کھڑے ہو کر مکہ معظمہ سے یہ خطاب کیا کہ اے بزرگ شہر تو میرے نزدیک محبوب ترین شہر ہے۔ اگر تیری قوم مجھ کو باہر نہ کرتی تو میں یہاں سے ہرگز نہ جاتا۔ آپ کا یہ ارشاد گرامی مکہ معظمہ کی افضلیت کو ثابت کر دیتا ہے۔ اور اس شہر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہونے کی کافی دلیل ہے۔ اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی مدینہ منورہ کی فضیلت سے بہت ابتدا میں تھا اور وحی سماوی سے اس کی جو فضیلت ظاہر ہوئی ہے وہ اس واقعہ کے بعد کی ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ عرصہ دراز تک آپ نے مدینہ منورہ میں اقامت فرمائی اور یہیں سے دین کا ظہور اور فروغ ہوا اور بڑے بڑے اُمور و برکات نیز فتوحات اور اسلام کی فلاح اور بہت سی نیکیوں کا ظہور بھی اسی جگہ سے ہوا ہے۔ اسی لیے یہ مقام تمام شہروں اور جملہ مقامات سے افضل واکمل ہے اور اسی لیے دربار صراحت سے مدینہ منورہ میں برکت اور چند گنا زائد ثواب کی خبر دی گئی ہے اور حضور ﷺ نے مدینہ منورہ کی دوستی کے لیے دعا فرمائی۔ چنانچہ وہ احادیث جن میں اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے انشاء اللہ تعالیٰ صحیفہ ظہور پر نقش قبول کریں گی۔ آپ نے فرمایا

اللھم حبب الینا المدینۃ کحبنا مکۃ او اشد

ترجمہ: "اے اللہ ہمارے لیے مدینہ کو اتنا ہی محبوب کر دے جتنا کہ مکہ کو کیا تھا بلکہ اس سے بھی زائد۔

طبرانی نے معجم کبیر میں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرماتے تھے المدینۃ خیر من المکۃ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بطریق توبیخ وانکار کے عبداللہ بن عباس مخزومی سے کہا تم کہتے ہو کہ مکہ افضل ہے مدینہ سے۔

انہوں نے جواب دیا کہ ہاں مکہ حرم ہے خداوند تعالیٰ کا اور اس کی امن کا مقام ہے اور مکہ میں حق سبحانہ تعالیٰ کا گھر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ فرمایا کہ میں حرم خدا اور اس کے گھر کی بابت کچھ

نہیں کہتا۔ میرا تو سوال یہ ہے کہ کیا تم یہ کہتے ہو کہ مکہ افضل ہے مدینہ سے"۔

انہوں نے پھر کہا کہ مکہ حرمِ خداوندی ہے اور اس میں اس کا گھر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سہ بار فرمایا کہ "میں حرمِ خدا اور بیت اللہ کی بابت تو دریافت ہی نہیں کرتا۔" کچھ دیر تک باہم اسی طرح گفتگو ہوتی رہی اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ چلے گئے۔

حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ پر مدینہ کو فضیلت دینے میں کعبہ معظمہ مستثنیٰ ہے۔ مدعا یہ ہے کہ مکہ شہر پر مدینہ شہر افضل ہے۔ سوائے بیت اللہ کے۔ چنانچہ حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو فرماتے تھے

اللھم انک ان اخرجتنی من احب البقاع الی فاسکنی فی احب البقاع الیک

ترجمہ: اے خدا اگر تو مجھ کو اس جگہ سے جو میرے نزدیک محبوب ترین مقامات میں سے ہے باہر لاتا ہے تو میری سکونت ایسی جگہ میں کر جو تیرے نزدیک تمام مقامات میں محبوب ترین ہو۔ چنانچہ اس دعاء کے مستجاب ہو جانے کے بعد یہ مقام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک محبوب ترین مقامات میں سے ہو گیا اور اس وجہ سے فتح مکہ کے بعد بھی آپ نے اس کی طرف عود نہیں فرمایا اور مدینہ منورہ ہی کے قیام پر استقامت کی۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضور ﷺ کا دار ہجرت میں قیام حکم الٰہی کی فرضیت کی وجہ سے ہے نہ کہ باعتبار فضیلت۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف کیسے منتقل ہو سکتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں حکم الٰہی مکہ کو منتقل نہ ہونا اور مدینہ منورہ میں مستقل اقامت فرما رہنا تقاضائے حکمت کے موافق تھا اور یقیناً اس صورت میں دارومدار افضلیت ہی پر رہا۔ اور ثابت ہوا کہ اللہ کے نزدیک بھی یہی جگہ محبوب رہی ہے۔

اذا لحبیب لا یختار لِحَبِیْبِہٖ الا ما ھو احب واکرم عندہٗ۔

ترجمہ: اس وجہ سے کہ محبوب نہیں پسند کرتا ہے اپنے محبوب کے لیے مگر وہ چیز کہ وہ

محبوب اور بہتر ہو اس کے نزدیک۔

بیت

حیف است جائے چوں تو نگاری بچشم من

در دل نشیں کہ منزلِ خاص از برائے تست

مترجم

کیسے کہوں کہ آنکھ میں میری سمایئے

دل آپ کی ہے منزلِ خاص اس میں آیئے

اس جگہ یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ یہ بحث علماء کے نزدیک ہے اور عالم اپنے مذہب اور مسلک پر اس کو لکھتے ہیں۔ لیکن عام لوگوں کو چاہیے کہ نسبت کو لحاظ میں رکھا جائے اور محبت کے مشرب پر قائم رہا جائے۔ ہمیں اس عقیدے پر قائم رہنا چاہیے کہ جناب احدیت عز شانہٗ کی فضیلت کے بعد ساری فضیلت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اور ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ ہر چیز پر ہر وجہ اور ہر جہت سے حضور ﷺ ہی کو فضیلت دے اس میں کچھ لحاظ نہ کرے باقی جتنی چیزیں ہیں ان کی فضیلت نسبتی ہے جتنی نسبت آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہے اتنی ہی اس کی فضیلت ہے۔ مکہ معظمہ ہو خواہ مدینہ منورہ۔ اگر مکہ آپ کا جائے پیدائش ہے تو مدینہ منورہ آپ کا مسکن ہے۔ اس لیے حکم الٰہی کے تابع رہنا چاہیے اور اس کے حبیب ﷺ کی محبت میں کوئی جھگڑا نہ کرنا چاہیے۔ مکہ میں اس کے امر کی سطوت وجلال ہے تو مدینہ میں برکت اس کے دین کے کمال کی۔ ہر جگہ خدا کے امر کا ملاحظہ دیکھ اور ہر جگہ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کرتا رہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

نظم

در ہیچ ذرہ نیست کہ نور محمدی ـــ از طلعتِ وجود اضافی نہ طالع ست

دریائے فیض جودِ الٰہی وجود اوست ـــ انہار کائنات بوی جملہ راجع است

نسر سپہر طائر از انفاس فیض اوست ـــ ایں نکتہ پیش اہل نظر امر واقع است

فردا لوائے حمد بدست محمدؐ است ـــ متبوع اوست وجملہ جہانش متابع است

دیگر نظم

بیاتا در مدینہ نور احمدؐ — بہ بینی از درو دیوار لامع
جمالِ مصطفیٰؐ بے پردہ بینی — چو خورشیدے کہ بے ابر است طالع
بیا ای کور چشم تیرہ باطن — بہ بیں ہر گوشہ صد برہان ساطع
بروق شب سوز انجا لوامع — بدور دیں فروز آنجا سواطع
نجوم اہتدا آنجا فروزاں — شموس اصطفا آنجا طوالع
چو از ناری کجا تو نور بینی — بود ہر کس باصل خویش راجع
چرا با خویش دشمن کشتہ تو — چہ خودرا میزنی برسیف قاطع
ولیکن کے توانی دیدایں نور — چہ نور فطرت گردید ضائع
نصیحت کردمت دیگر تو دانی — فان الدین عند اللہ واقع

(مترجم نظم اوّل)

وہ چپکا کونسا ذرہ بیابانِ دو عالم میں
کہ جو نورِ منور سے محمدؐ کے نہ طالع ہے
فیوضِ جودِ حق کا ایک دریا ہے وجود اُنکا
وجود کون کی ہر نہر جس کی سمت راجع ہے
عقابِ آسماں بھی اُنکے فیضِ دم سے طائر ہے
نظر والوں کی آنکھوں میں یہ نکتہ امرِ واقع ہے
قیامت میں لواء الحمد ہو گا دستِ اقدس میں
کہ وہ متبوع ہے اور عالمِ امکان متابع ہے

نظم دیگر (مترجم)

چلو مدینہ میں نورِ محمدی دیکھو
کہ ذرہ ذرہ سے ہے مثلِ ماہ جلوہ کناں

نگاہ ہو تو نظر آئے تجھ کو بے پردہ
وہ مہر نورِ نبی جو ہے ہر طرف لمعاں

جو کور چشم ہو اور تیرہ دل وہ کیا دیکھے
ہیں گوشہ گوشہ میں ورنہ ہزارہا برہاں

وہ شبہ سوز وہاں بجلیاں چمکتی ہیں
کہ دین جن سے ہے روشن تو کفر ہے سوزاں

ستارے چمکے ہوئے ہیں وہاں ہدایت کے
قمر صفا کے تو مہر اصطفا کے ہیں تاباں

مثل یہ حق ہے کہ ہر شے ہے اصل پر جاتی
وہ نور ناری کو کیجئے دکھائی دیگا کہاں

ہلاک کرتا ہے کیوں اپنے آپ کو منکر
اُلجھ نہ اس سے کہ یہ تیغ تیز ہے بُرّاں

خطا نہیں یہ تری جو نظر نہیں آتا
کہ نورِ چشم خدائیں ہے کفر میں پنہاں

ہمارا فرض نصیحت تھا اب سمجھ نہ سمجھ
خدا گواہ خدا ہی ہے مالکِ ایماں

اب مدینہ کے اوصاف اور فضائل بیان کرتا ہوں جو میرے پیغمبر کا مسکن ہے۔ دل کے کانوں سے سنتا چاہیے اس واسطے کہ حبیب کا ذکر اور ان کے شہر پاک کے تذکرہ سے ذوق ہو۔ علماء کے مذہب کو تو ضرور پڑھو اور سمجھو لیکن اہل محبت کے ذوق اور مشرب کو بھی ہاتھ سے مت جانے دو۔

مصرع

جانب عشق عزیز است فرو مگذارش

مصرع دیگر

از ہر چہ میرود سخن دوست خوشتر است

فاقول وباللہ التوفیق

ترجمہ: پس میں کہتا ہوں اللہ کی توفیق کے ساتھ فصل منجملہ فضائل مدینہ منورہ کے یہ ہے جو اس سے پیشتر حوالہ قلم کیا گیا کہ پروردگار عالم نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے ہجرت کا حکم دیا اور مدینہ منورہ میں قیام کا حکم فرمایا۔ جملہ کمالات ظاہر وباطن جو عالم قوت واستعداد میں امانت رکھے تھے ان سب کو اس شہر شریف میں درجہ فعلیت میں لایا اور اس شہر کو تمام فتوحات کا مبداء اور برکات کے خزانوں کی کنجی گردانا۔ اس کی خاکِ پاک کو آپ کے گوہر عنصر شریف کے لیے صدف بنایا کہ قیامت تک اس زمین کا خطہ آپ کے وجودِ پاک سے مشرف ہو کر فیض بخش ملک وملکوت رہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک قبض ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دفن کی جگہ میں اختلاف کیا کہ کس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دفن کریں تو حضرت علی بن ابی طالب سلام اللہ علیہ نے فرمایا کہ روئے زمین عالم میں پروردگار عالم کے نزدیک کوئی جگہ اس جگہ سے شریف اور بزرگ تر نہیں ہے جس مقام پر آپ کی روح پاک قبض کی گئی ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی یہ سن کر اس کلام کی تائید کرتے ہوئے ایک حدیث سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کی پھر تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا کہ جس جگہ آپ کی روح پاک قبض ہوئی ہے وہیں دفن ہوں۔ جملہ فضائلِ مدینہ سے محبت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تھے اور جب مدینہ کے قریب پہنچتے تو اپنی سواری کو حرکت دے کر اور تیز کر دیتے تھے اور یہ اس لیے تھا کہ آپ وفور شوق سے بے چین ہو جاتے تھے کہ کسی طرح جلد از جلد مدینہ میں داخل ہو جائیں۔ آپ کا قلب مبارک یہاں پہنچ کر سکون پاتا تھا شانہ مبارک سے چادر بھی نہ اُتارتے اور فرماتے تھے کہ یہ ہوائیں طیبہ ہیں۔

ای نفس خورم باد صبا
از یار آمدۂ مرحبا

مترجم

مرحبا پیاری نسیم مشک بو
پہلوئے محبوب سے آئی ہے تو

جو گرد اور غبار آپ کے چہرۂ انور پر پڑ جاتا اس کو صاف نہ فرماتے۔ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی شخص اپنے چہرہ اور سر کو گرد و غبار کی وجہ سے چھپاتا تو آپ منع فرماتے اور کہتے کہ خاک مدینہ میں شفا ہے جیسا کہ اس کے نام شافیہ سے ظاہر ہے۔ جناب علی مرتضےٰ سلام اللہ علیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ شیاطین شہر مدینہ میں اپنی عبادت سے مایوس ہو گئے ہیں۔ آپ دریافت کریں گے کہ شیاطین کی عبادت کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگوں کو برائی کی طرف برانگیختہ کرتے ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس جزیرہ کو (ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس قریہ کو) شرک کی نجاست سے پاک کیا ہے۔ اگر نجوم ان کو گمراہ نہ کرے۔

عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نجوم کا گمراہ کرنا کس طرح ہے آپ نے فرمایا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے حکم سے بارش بھیجتے ہیں۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ قمر فلاں منزل میں آیا تھا جس کی وجہ سے بارش ہوئی یہ ہے نجوم کی گمراہی۔

اور منجملہ اس کے دیگر اوصاف کے ایک یہ بھی ہے کہ سرور انبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی امت کو اس شہر پاک کی اقامت پر ترغیب اور تحریص دی ہے اور اس شہر پاک میں موت کو پسند فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ

من صبر علیٰ ذاها کنت له شهیدا وشفیعاً یوم القیمة

ترجمہ: جو شخص مدینہ میں انتقال کرے اس کے لیے میں قیامت کے دن شفیع ہوں گا۔

ابن ماجہ وعبدالحق نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اوران لفظوں سے روایت کیا ہے۔

من استطاع ان یموت بالمدینه فلیمت فمن مات بالمدینة کنت له شفیعاو شهیدا۔

ترجمہ: جو شخص مدینہ میں مرنے کی طاقت رکھتا ہے تو اس کو چاہیے کہ اسی جگہ مرے وہ شرف شفاعت اور میری شہادت با سعادت سے مشرف ہوگا۔

دوسری حدیث شریف میں آیا ہے کہ میری امت میں سے جو لوگ سب سے پہلے ہماری شفاعت کے شرف کو حاصل کریں گے وہ اہل مدینہ ہیں اس کے بعد اہل مکہ پھر اہل طائف ثم اهل مكة ثم اهل الطائف منجملہ اس کے اوصاف کے یہ بھی ہے کہ سرورانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرماتے تھے کہ آپ کا سفر آخرت اسی شہر کرم میں ہوا اور اسی طرح سے آپ کے اصحاب وتبعین رضی اللہ عنہم بھی۔ حدیث میں ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے

اللهم لا تجعل منا دیا بمکة۔

ترجمہ: اے خدا میری موت مکہ میں مت کر اور میری روح سوائے مدینہ کے مت نکال۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ روئے زمین پر مدینہ منورہ کے سوا کوئی قطعہ زمین ایسا نہیں ہے کہ جس میں میں اپنی قبر کو پسند کروں۔ نقل ہے کہ اکثر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دعا کیا کرتے تھے کہ

اللهم ارزقنی شهادة فی سبیك واجعل موتی فی بلد رسولك

ترجمہ: اے خدا اپنی راہ میں مجھے شہادت نصیب کر اور میری موت اپنے رسول کے شہر میں کر۔

کہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے سوائے ایک مرتبہ کے حج ادا نہیں کیا۔ جب فرض حج ادا کر چکے تو دوبارہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ اس لیے نہیں گئے کہ شاید مدینہ پاک کے علاوہ دوسری جگہ موت آجائے۔ مدت العمر مدینہ میں رہے اور وہیں دفن ہوئے اور

منجملہ اوصاف مدینہ کے یہ بھی ہے کہ حدیث صحیح میں متعدد طریق سی وارد ہے

المدينة تنفي خبث الرجال كما ينفي الكير خبث الحديد

ترجمہ: مدینہ میل اور پلید کے دور کرنے میں لوہاروں کی بھٹی کی خاصیت رکھتا ہے۔ جو لوہے سے میل کو دور کرتی ہے۔

اور صحیح بخاری شریف میں آیا ہے

انها طيبة تنفي الذنوب كما ينفي الكير خبث الفضة

ترجمہ: مدینہ پاک ہے اور گناہوں کی نجاست کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح سے ساروں کی بھٹی چاندی کے میل کو صاف کرتی ہے۔

مراد نفی اہل شر وفساد کی اس شہر پاک کے میدان سے ہے اور بعض علماء کے بقول یہ خاصیت مذکورہ ہر زمانہ میں ظاہر ہے۔

روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے آنحضرت ﷺ سے مدینہ کی سکونت اختیار کرنے پر بیعت کی اتفاق سے دوسرے دن اس کو بخار ہو گیا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بیعت کے فسخ کرنے کے لیے کہا اور وطن اصلی کو واپس جانے کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے اسی معاملے میں یہ حدیث فرمائی تھی کہ جس طرح چاندی سے میل کو دور کرنے میں سنار کی بھٹی کار آمد ہے اسی طرح مدینہ بھی اپنے اندر بے دین کو نہیں رہنے دیتا۔

نقل ہے کہ عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جب مدینہ میں داخل ہوئے تو اپنے ساتھیوں سے کہتے تھے

نخشى ان نكون ممن نفته المدينة۔

ترجمہ: خوف کرتا ہوں میں کہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤں جن لوگوں کو مدینہ نکال دیتا ہے۔

اور یہ خاصیت عظیم اس روز ظاہر ہو گی کہ جب اخیر زمانے میں دجال ظہور کرے گا اور مدینہ منورہ میں نہ آسکے گا۔ لیکن جو لوگ بدترین لوگوں میں سے اس میں ہوں گے اس

کی تابعداری کی وجہ سے باہر نکل جائیں گے۔ اور اس باعزت مقام شریف کا میدان شر اور غبارِ کدورت سے مطلقاً صاف ہو جائے گا جیسا کہ ان اوّل احادیث سے جو اس باب میں آئی ہیں معلوم ہوتا ہے۔ اور مدینہ کی طہارت اس طرح بھی برقرار رہتی ہے کہ مشرکین نیز دوسرے اہلِ ادیان جو دین اسلام کے مخالف ہیں یعنی یہود ونصاریٰ اور ان کے مثل دوسرے لوگ اور وہ لوگ بھی جو گناہوں کی نجاست سے ملوث ہیں۔ اگرچہ ان کا وجود ہمیشہ اور اخیر وقت تک مدینہ منورہ میں ہی رہے۔ لیکن عین ممکن ہے کہ ان کی نفی مرنے کے بعد ہو جائے وہ اس طرح سے کہ فرشتے ان کے اجسام ظلمانی کو اس زمین مقدسہ سے منتقل کر دیں۔ چنانچہ بعضے علماء اسی طرح فرماتے ہیں اور حکایاتِ صالحین بھی اس بارے میں منقول ہیں واللہ اعلم بصحتہٖ اور بعضوں نے اس حدیث کے مضمون کو اس طرح سے بھی بیان کیا ہے کہ نفوس کے تزکیہ کے واسطے مدینہ منورہ کی اقامت اور اس کی سختیوں کو برداشت کرنا ایسا ہے جس طرح سنار چاندی کو گھریہ میں رکھ کر گردش دے تو اس کا میل صاف ہو جائے۔ چنانچہ اس مقدس شہر کی سکونت سے تمام کدورت نفسانیہ اور شہوات ردیہ جاتی رہتی ہیں۔ گناہوں کی کدورت اس لیے باقی نہیں رہ سکتی کہ یہاں سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کی وجہ سے پے در پے برکات نازل ہوتی رہتی ہیں۔ آیت

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ

ترجمہ: نیکیاں بے شک مٹا دیتی ہیں برائیوں کو۔

صفتِ تزکیہ اور تطہیر جو بیان کی گئیں اس شہر مقدس کے لوازمات میں سے ہیں۔ منجملہ جمیع اوصاف کے ایک یہ بھی ہے کہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے حق میں اکثر دعائے خیر وبرکت فرماتے رہتے تھے۔ آپ فرماتے:

اللھم بارک لنا فی مدینتنا وبارک لنا فی صاعنا وبارک لنا فی مدنا اللھم ان ابراھیم عبدک وخلیلک نبیک وانی عبدک ونبیک وانہ دعاک لمکۃ وانا ادعوک للمدینۃ بمثل مادعاک لمکۃ ومثلہ معہ

ترجمہ: اے اللہ برکت دے ہمارے لیے ہمارے مدینہ میں اور برکت دے

ہمارے لیے ہمارے صاع میں اور برکت دے ہمارے لیے ہمارے مُد میں
اے اللہ بے شک ابراہیم تیرے بندے اور تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے اور
میں تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی۔
تجھ سے مکہ کے لئے۔ اور میں دعا کرتا ہوں تجھ سے مدینہ کے واسطے اُس
مقدار میں کہ تجھ سے دعا کی تھی مکہ کے لیے اس کے مثل اُس کے ساتھ۔

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ کے ہمراہ آپ مدینہ سے نکلے اور بحرۂ سقیا کہ مقام سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ کا تھا پہنچے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی طلب فرمایا اور وضو کیا اور رو بقبلہ کھڑے ہو کر فرمایا اے میرے خدا ابراہیم تیرا بندہ ہے اور تیرا خلیل ہے۔ انہوں نے تجھ سے دعا کی تھی اہل مکہ کی بابت کہ یہاں خیر و برکت کر دے اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا رسول ہوں۔ اہل مدینہ کی شان میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے رب برکت دے دوان کے مُد اور صاع میں جیسی کہ برکت دی تم نے اہل مکہ کو لیکن اہل مدینہ کو اہل مکہ کے مقابلہ پر دوہری برکت عطا فرما۔ اس بارے میں اور بہت سی حدیثیں بھی ہیں جس جگہ مُد اور صاع میں برکت کے لیے دعا کی ہے۔ اس سے دینوی خیر و برکت مراد ہے اور جس جگہ مطلق واقع ہوئی ہے وہ دونوں جہان کی نعمت کو شامل ہے۔ برکات ظاہر و باطن کے آثار اس شہر مقدس میں معائنہ اور مشاہدہ ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے دعا کی کہ وبائی امراض اور وبائی بخار اس شہر سے نکل کر جحفہ کی آبادی میں چلے جائیں۔ یہ آبادی مشرکین اور سرکشوں کی تھی۔ آپ کی دعا سے پہلے مدینہ وبائی امراض اور بخار کا جولاں گاہ تھا۔ نقل ہے کہ ابتدائے تشریف آوری میں آپ کے اصحاب معالی نصاب بخار کے عارضہ میں مبتلا ہوئے۔ چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اُن کے دو غلام بلال رضی اللہ عنہ اور عامر اسی عارضہ میں مبتلا ایک مکان میں پڑے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کی اجازت سے ان کی تیمارداری کو تشریف لائیں اور اپنے والد بزرگوار کو دیکھا کہ مکان کے ایک گوشے میں ہیں اور سخت بخار چڑھا ہوا ہے فرماتے ہیں

شعر

کل امر مصبح فی اھلہ
والموت ادنی من اشراک نعلہ

ترجمہ: ہر مرد صبح کرنے والا ہے اپنے اہل میں۔ حالانکہ موت قریب تر ہے اس کے جوتی کے تسمہ سے۔

اور دوسرے گوشہ میں بلال و عامر کو دیکھا یہ دونوں حضرات کفار قریش پر لعنت بھیج رہے تھے۔ اور مکہ اور اس کے مقامات کو یاد کر کے اشعار پڑھ رہے تھے اور سرزمین مدینہ اور اس کی شدت کی شکایت کر رہے تھے تھے۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے بخار اور وبائی امراض جحفہ کو چلے جائیں چنانچہ اس بات کا صادر ہونا آنحضرت ﷺ کے معجزات عظیمہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں جو شخص مدینہ میں داخل ہونے کا قصد کرتا اور چاہتا کہ مدینہ کی وبا سے محفوظ رہے تو اس پر لازم تھا کہ جب مقام ثنیۃ الوداع (ایک مقام کا نام ہے) پر پہنچے تو دس مرتبہ گدھے کی آواز نکالے تب آگے بڑھے اور اس مقام کا نام ثنیۃ الوداع اسی سبب سے پڑ گیا تھا۔ مشہور تھا کہ اگر کوئی شخص اس جگہ پہنچ کر گدھے کی آواز نہ نکالتا تو لوگ کہتے کہ اس نے اپنی حیات کو رخصت کر دیا یعنی اپنے کو ہلاک کیا۔ لیکن بہ زمانہ سعادت نشان ہجرت حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک عرب شاعر نے جس کا نام عروہ بن الورد تھا مدینے میں داخلے کا ارادہ کیا اور اس مقام پر پہنچا جہاں اُس سخت بد اور عادت شنیعہ پر عمل لازمی تھا۔ تو اس نے انکار کر دیا اور یہ شعر پڑھا۔

لعمری لئن عشرت من خشیۃ الردی
نھاق الحمیر اننی لجزوع

ترجمہ: قسم ہے مجھے میری عمر کی گدھے کی آواز نکال کر زندہ رہنے سے مرجانا بہتر ہے"۔

اور وہ بغیر آواز نکالے مدینہ میں داخل ہو گیا اور کوئی آفت جو عوام کے وہم میں تھی

اس کو نہ پہنچی۔ اس کے بعد سے یہ عادت بد بھی متروک ہو گئی ثنیۃ الوداع کا ذکر کتب حدیث میں بہت جگہ آیا ہے۔ لیکن اس کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ ایک تو یہی ہے جس کو اوپر بیان کیا گیا ہے اور دوسری یہ ہے کہ اس کو ثنیۃ الوداع اس لیے کہتے تھے کہ اہل مدینہ اپنے مہمان کو وہاں تک رخصت کرنے کے لیے جاتے تھے۔

مدینہ منورہ کا ایک وصف اور سنئے۔ وہ یہ ہے کہ یہ شہر مقدس دجال کے وجود اور نجاست سے محفوظ رہے گا۔ صحیحین (بخاری و مسلم) کی روایت سے یہ ثابت ہے کہ اُس زمانے میں مدینہ منورہ کی ہر گلی پر فرشتوں کی ایک جماعت مقرر ہو گی کہ اس کی حفاظت کرے اور دجال کے داخلے کو روک دے۔ دوسری حدیث میں یہ آیا ہے کہ روئے زمین پر کوئی شہر ایسا نہیں ہے جہاں دجال نہ جا سکے سوائے مکہ اور مدینہ کے۔ مسلم کی احادیث میں آیا ہے کہ دجال کا خروج مشرق کی جانب سے ہو گا اس کے بعد وہ مدینہ کا ارادہ کرے گا۔ جبل احد کی پشت پر پڑاؤ ڈالے گا لیکن ملائکہ اُس کے چہرہ کو شام کی طرف پھیر دیں گے اور وہ خود شام میں ہلاک ہو گا۔ صحیحین میں آیا ہے کہ مدینہ کے بہترین اشخاص میں سے ایک صاحب دجال کے سامنے آئیں گے اور کہیں گے کہ میں گواہی دیتا ہوں تو وہی دجال ہے جس کے خروج کی خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ یہ ایک طویل حدیث ہے۔ ابو حاتم معمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا لوگ کہتے ہیں کہ یہ خضر علیہ السلام ہوں گے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث صحیح میں روایت کیا ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ نے یوم الخلاص کا تذکرہ کیا اور حضور ﷺ کی زبان مبارک پر بار بار اس کا ذکر آیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ یوم الخلاص کیا ہے فرمایا جس دن دجال آئے گا۔ اور جبل اُحد پر چڑھ کر نگاہ کرے گا اور اپنے ساتھیوں سے کہے گا کہ تم جانتے ہو یہ سفید محل جو دکھلائی دیتا ہے کیا ہے پھر خود ہی جواب دے گا کہ یہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہے۔ اس کے بعد مدینہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے گا۔ لیکن مدینہ مطہرہ کے ہر راستہ پر ایک فرشتہ پائے گا جو اس راستہ کی حفاظت کر رہا ہو گا اس وقت دجال وادی کے ان اطراف میں جس طرف شہر کا پانی جاتا ہے خیمہ گاڑے گا تب مدینہ میں تین

مرتبہ زلزلہ آئے گا اس میں جو لوگ کافر' فاسق اور منافق ہوں گے وہ دجال کی طرف چلے جائیں گے اور مدینہ ان خبیث ونجس لوگوں سے پاک ہو جائے گا۔ یہی دن یوم الخلاص ہو گا اس کے منجملہ اوصاف کے یہ بھی ہے کہ حکیم مطلق نے اس شہر کی مٹی اور پھلوں میں شفا کی خاصیت رکھی ہے بہت سی حدیثوں میں آیا ہے کہ مدینہ کے غبار میں شفا اور بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جذام اور برص کو آرام ہو جاتا ہے لیکن بعض اخبار میں یہ ہے کہ بعض مخصوص جگہ کی مٹی جنہیں صعیب اور وادیٔ بطحان کہتے ہیں ان امراض کے لیے خصوصیت رکھتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے بعض اصحاب سے حکما فرمایا تھا کہ بخار کے مرض کا علاج اس پاک مٹی سے کرو۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں یکے بعد دیگرے یہ بات منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے۔ دوا کے لیے اس مٹی کو لے جانے کے لیے بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ جو لوگ حرم کی مٹی کو لے جانے کے لیے منع کرتے ہیں وہ بھی اس خاص مٹی کو اس عموم سے تخصیص کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اور اکثر علماء اس علاج کو مجرب کہتے ہیں۔ شیخ مجد الدین فیروز آبادی فرماتے ہیں کہ میں نے خود تجربہ کیا ہے میرا ایک غلام ایک سال متواتر بخار کے مرض میں گرفتار رہا۔ میں نے اس جگہ کی تھوڑی سی مٹی لی اور پانی میں ڈال کر غلام کو دے دی۔ ایک ہی دن میں صحت یاب ہو گیا۔ راقم الحروف بھی اس علاج کے تجربہ اور مشاہدہ سے مشرف ہوا ہے جس زمانہ میں مدینہ پاک کا قیام میرے لیے باعثِ شرف ہوا تھا میرے پیروں پر ایسا ورم ہوا کہ اطبا نے اس کو بالاتفاق ہلاکت اور فنا کی علامت تجویز کیا۔ میں نے اس پاک مٹی سے اپنا علاج کیا اور تھوڑے ہی دنوں میں سہولت اور آسانی کے ساتھ آرام ہو گیا۔ اس شہر پاک کے پھلوں سے شفا ہونا صحیحین میں آیا ہے کہ جو شخص سات عدد عجوہ کھجوریں نہار منہ کھائے اس پر زہر اور جادو اثر نہ کرے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کھجوروں کو دوران سر کے لیے (جو بہت سخت مشہور ہے) حکم فرمایا کرتی تھیں۔ عجوہ ایک قسم کا پھل ہے۔ اہل مدینہ اس سے واقف ہیں لیکن بعض کہتے ہیں کہ عجوہ کی اصلیت اس درخت سے ہے جس کو آنحضرت سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے لگایا۔ اور تمر کی قسمیں مدینہ میں اس درجہ ہیں کہ ان کا شمار کرنا دشوار

ہے۔ تاریخ کبیر میں سید علیہ الرحمۃ نے ایک سو اتالیس شمار کی ہیں۔ منجملہ تمر کی قسموں کے ایک صیحانی کھجور ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ ایک روز حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی مرتضےٰ سلام اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے مدینہ کے بعض باغوں میں تشریف لے گئے یکایک درخت میں سے آواز آئی

هذا محمد سيد الانبياء وهذا على سيد الاولياء ابو الائمة الطاهرين۔

ترجمہ: یہ محمد ﷺ ہیں سردار نبیوں کے اور یہ علی رضی اللہ عنہ ہیں سردار اولیاؤں کے۔ باپ ائمہ

طاہرین کے۔ اس کے بعد دوسرے درخت کے پاس گزر ہوا آواز آئی

هذا محمد رسول الله وهذا على سيف الله

ترجمہ: یہ محمد ﷺ ہیں رسول اللہ کے اور یہ علی رضی اللہ عنہ سیف اللہ ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو صیحانی کہتے ہیں کیونکہ صیحہ لغت میں بمعنی آواز کے ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

كان احب التمر الى رسول الله صلى الله عليه وسلم العجوة

ترجمہ: فرمایا کہ تمر کی تمام قسموں میں محبوب ترین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عجوہ تھا اور ہم نے تسلیم کر لیا کہ یہ خاصیت مذکور اس کھجور میں بوجہ محبت آنحضرت ﷺ کے تھی۔ دلیل کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تمام اقسام کھجور میں عجوہ کو خصوصیت دینا اور خاص سات ہی عدد کو مخصوص کر دینا منجملہ اسرار کے ہے کہ شارع علیہ السلام کے سوا اس کی حکمت کوئی نہیں جان سکتا ہم کو اسی پر ایمان لانا چاہیے اور یہی اعتقاد رکھنا چاہیے اور جو بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ تاثیر وہاں کی ایک خاص زمین کی مخصوص کیفیت ہوائی کے سبب سے ہے۔ یا محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ خاصیت تھی یا امور کثیر الوقوع سے ہے۔ ہمیشہ کے لیے خاص کھجور میں یہ خاصیت نہ تھی۔ جس کا وجود اب اس زمانے میں نہیں ہے۔ یہ تمام احتمالات تکلفات واہیہ ہیں جو عقل کی کمی سے پیدا ہوتے ہیں۔ تعجب تو اس مومن پر ہے کہ اس کو یہ حدیث

پہنچی ہو اور اس طرح کی خبر سنی ہو کہ آنحضرت ﷺ نے اس قسم کو جملہ اقسام تمر سے دوست رکھا ہے اور رغبت سے تناول فرمایا ہے۔ پھر اس کی خاصیت کے سلسلے میں اہل طبیعت کی من گھڑت تاویلوں میں یقین کرلے۔ یہ بات اس شخص کی بے نصیبی کو یاد دلاتی ہے۔ نعوذ باللہ منہ

بیت

چولب بکوزہ نبی کوزۂ نبات شود
زکوزہ قطرہ چکد چشمہ حیات شود

منجملہ جمیع اوصاف کے جو اس شہر مقدس کو حاصل ہیں ایک مسجد شریف ہے جو انبیاء کی آخری مساجد میں ہے۔ اور دوسری مسجد قبا ہے جو ابتدائی مسجد ہے اور اس کی بنیاد دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے پہلے رکھی گئی ہے۔ اور حضور ﷺ کی مسجد شریف میں قبر شریف اور منبر شریف کے درمیان جتنی جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ جو اپنے مرتبہ میں بہشت عالی مقام کا حکم رکھتا ہے۔ اور جبلِ اُحد جنت کے پہاڑوں میں سے ہے جو حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبوب ہے۔ اور بقیع کا مقبرہ کہ آپ کی آل کرام رضی اللہ عنہم اور صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کا جائے قیام ہے۔ اور مشہد سید الشہداء اور بقیہ مشاہد نیز دوسرے مقامات شریف اور مکانات متبرکہ جن میں سے ہر ایک کی فضیلت اور بزرگی میں اخبار واحادیث وارد ہوئے ہیں یہیں ہیں۔ چنانچہ ان اوراق کے صفحات ان کی سرخی سے شرف پائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام شہر شمشیر سے فتح ہوئے ہیں اور مدینہ شریف قرآن سے فتح ہوا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے ذکر میں یہ بات واضح ہو جائے گی۔ منجملہ اس خطے کے اوصاف کے یہ بھی ہے کہ مدینہ سے بلاوجہ شرعی نکلنے پر وعید آئی ہے۔ اسی وجہ سے صحابہ رضوان اللہ علیہم فریضہ حج ادا کرنے کے بعد بہت جلد مدینہ کو واپس آتے تھے۔ مکہ معظمہ میں ضرورت سے زیادہ قیام نہیں کرتے تھے۔ اور ساکنان مدینہ کی یہ عادت باسعادت اب تک اسی روش پر ہے جس سے اس کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

بیت

صبر از درت محال بود اہل شوق را
ورزانکہ در بہشت بریں رفتہ جا کنند

منجملہ اس کے اوصاف کے ایک یہ ہے کہ اس حرم کی تحریم مثل مکہ ہے چنانچہ اس کے ذکر میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ اور اس کے حدود کے بیان کر۔ تحریم کے حکم مرتب ہونے میں علما اختلاف رکھتے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کی تحریم کے معنے محض تعظیم اور تکریم کے ہیں۔ بغیر احکام حرم کے ثبوت کے مثل شکار کا حرام ہونا۔ درخت کا کاٹنا۔ جزاء کا لازم ہونا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب ہے کہ مدینہ کی حرمت اور احکام کا مرتب ہونا حرم مکہ کے مثل ہے۔ بلاتفاوت کے اور ساتھ ہی اس مسئلہ کی تحقیق فقہ کی کتب میں خلاصہ کر کے لکھی ہے اور خاص کر سید: یہ الرحمۃ نے اس سلسلے میں اتحاد وجہ کی کوشش کر کے اچھی تقریر کی ہے۔ واللہ اعلم۔ از انجملہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی ہے کہ لوگوں کو اس شہر بزرگ کے باشندوں کی تعظیم کرنا چاہیے۔ اس مدعا کا ثبوت اُس وعید سے چلتا ہے جو اہل مدینہ کے ڈرانے اور دھمکانے پر آئے ہیں وہ بھی معلوم ہو جائیں گی۔ اور دیگر احادیث بھی جو اس بارے میں لکھی جائیں گی۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم المدینۃ مہاجری۔

ترجمہ: مدینہ میری ہجرت کا مقام ہے۔

وفیھا مضجعی

ترجمہ: اور اس میں میری خواب گاہ ہے۔ (کنایتاً اپنے مزار مبارک کی خبر دی ہے)

وفیھا مبعثی ترجمہ اور مدینہ میں ہے بعثت میری۔

اور اسی مقام پر ستر ہزار رحمت کے فرشتے ہیں جن سے قبر شریف ڈھکی رہتی ہے۔ اور آپ یہیں سے اُٹھیں گے۔

حقیق علی اُمتی حفظ جیرانی۔ ترجمہ: میری امت پر لازم ہے کہ میرے

ہمسایہ کی حفاظت اور حرمت کریں اور ان کے حقوق کی رعایت کرنے میں ذرہ برابر فروگذاشت نہ کریں۔

اور اگر اہلِ مدینہ سے اپنے مزاج کے خلاف کوئی بات پائیں تو اس پر مواخذہ نہ کریں۔ جہاں تک ہو سکے معاف کر دیں۔

ما اجتنبوا الکبائر ۔ترجمہ: جب تک اہل مدینہ کبیرہ کے مرتکب نہ ہوں اس وقت تک شریعت مطہرہ کا جو کچھ حق ہو حق اللہ و حق العباد میں قائم کریں۔ من حفظهم کنت له شهیداً او شفیعاً یوم القیامة ترجمہ: جو شخص ان کی حرمت کی حفاظت کرے گا میں قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں گا۔ ومن لم یحفظهم سقی من طینة الخبال ۔ترجمہ: اور جو شخص اہل مدینہ کی حرمت کے حقوق کو نگاہ میں نہ رکھے گا اس کو طینتِ خبال پلایا جائے گا۔ یہ ایک حوض ہے دوزخ میں جس میں دوزخیوں کا خون اور پیپ جمع ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے پناہ میں رکھیں منجملہ اس کے اوصاف کے یہ ہے۔ حدیث صحیح مسلم میں آیا ہے لا یرید احد اهل المدینة بسوءٍ الا اذابه الله فی النار کما ذوب الرصاص او ذوب الملح فی الماءِ ترجمہ: جو شخص کہ اہل مدینہ سے بدی کا ارادہ کرے گا اور ان کو ایذا پہنچانے کی غرض سے کسی مقام پر کھڑا ہو گا وہ شہنشاہ جبار کے عذاب میں گرفتار ہو گا۔ اور آگ میں مانند رانگ کے اور نمک کے پانی میں پگھل جائے گا۔ بعضوں نے اس کو آخرت کے عذاب سے خاص کیا ہے لیکن حدیث کے ظاہر الفاظ نیز احوال کے مشاہدات اس کے خلاف گواہی دیتے ہیں۔ اس لیے کہ عذاب آخرت مستحق قرار پا جانے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کی قضاء وقدر اس طرح پر جاری ہے کہ جو شخص اہل مدینہ سے لڑائی کرے یا ان کی ایذا پر کمر باندھے وہ تھوڑے ہی دنوں میں اس گناہ کے وبال اور عذاب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں جلوہ افروز تھے۔ آپ نے اپنے دونوں دست مبارک اٹھا کر فرمایا اللهم من ارادنی واهل بلدی بسوءٍ فعجل هلاکه ۔اے اللہ جو شخص میرے اور میرے اہل شہر کے ساتھ بُرائی کا خیال کرے اس کو جلد ہلاک کر۔ چنانچہ بعض لڑائیوں کے

واقعات جو یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ، کے زمانے میں یا ان کے علاوہ ہوئے ہیں اس بات کی تصدیق پر شاہد ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ صحیح حدیث میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فتنہ پرداز سرداروں میں سے ایک سردار مدینہ میں آیا جابر رضی اللہ عنہ اس وقت مدینہ میں تھے اور آپ کی بینائی کبرسنی کی وجہ سے جاتی رہی تھی۔ ان سے کہا کہ مصلحتِ وقت اس میں ہے کہ اس ظالم کے مقابلے سے تھوڑے دنوں کے لیے کنارہ کشی اختیار کی جائے تاکہ اس فتنہ کی آفت اور اس ابتلا کے خوف سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ آپ اپنے دونوں صاحبزادوں کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر مدینہ منورہ سے باہر جا رہے تھے۔ ضعف پیری اور بینائی کے نہ ہونے کی وجہ سے یکا یک زمین پر گر پڑے اس وقت آپ نے کہا ہلاکت ہو اس شخص کی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈرایا۔ آپ کے ایک لڑکے نے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈرانا کس طرح ہے۔ حالانکہ حضور ﷺ اس دار فانی سے دار بقا کو تشریف لے جا چکے ہیں۔ اس پر جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ جس شخص نے اہل مدینہ کو ڈرایا بیشک گویا اس نے مجھ کو ڈرایا۔ نسائی کی روایتوں میں آیا ہے

مَنْ اَخَافَ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ ظَالِمًا اَخَافَهُ اللّٰهُ وَكَانَتْ عَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

ترجمہ: جو شخص اہل مدینہ کو ڈرائے اس کو اللہ ظلما ڈراتا ہے۔ اور اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اس کا کوئی عمل فرض یا نفل مقبول نہیں ہے۔ نیز اس باب میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ سید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امیر مشار الیہ جس سے جابر رضی اللہ عنہ بھاگے تھے بشر ابن ارطاۃ تھا۔ اس لیے کہ قرطبی ابن عبدالبر سے روایت لاتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے دو حکموں کے فیصلہ کرنے کے بعد بشر ابن ارطاۃ کو ایک بڑی فوج کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا تاکہ شہر کے باشندوں سے ان کی خلافت پر عہد بیعت لیں۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس وقت امیر المومنین علی

سلام اللہ علیہ کی جانب سے مدینہ میں عامل تھے۔ خوب فرار کی وجہ سے جناب ولایت مآب مرتضوی سلام اللہ علیہ سے جا ملے۔ بشر مدینہ میں آیا اور کہا کہ اگر امیر المومنین کا عہد اور ان کا حکم نہ مانو گے تو اس شہر میں ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا اور سب کو تیغ سیاست سے ہلاک کر دوں گا۔ اس کے بعد تمام اہل مدینہ منورہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے طلب کیا اور ایک قاصد بنی سلمہ میں بھیجا کہ اگر تم جابر ابن عبداللہ کو حاضر نہ کرو گے تو میرے ذمہ اور امان میں نہیں ہو۔ جابر رضی اللہ عنہٗ نے جب یہ خبر سنی تو ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں آئے اور ان سے صورت حال بیان کی۔ اور بشر کی مجلس میں حاضر ہونے کی بابت مشورہ کیا اور کہا کہ یہ بیت ضلالت ہے اس میں فلاح کی امید نہیں ہے لیکن ترک بیعت میں امان بھی نہیں ہے ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت جابر کو چار و ناچار بیعت کی اجازت دے دی۔ اکثر اہل مدینہ بھاگ کر حرہ بنی سلیم میں جا چھپے۔ علماء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے یہ لعنت جو اہل مدینہ پر ظالم و فساد کا ارادہ کرنے والوں پر وارد ہوئی ہے لعنت کفار اور اہلِ شرک کے مثل نہیں ہے جس میں رحمت الٰہی اور نعمت غیر متناہی سے مطلقاً ناامیدی پائی جاتی ہے یا جنت میں داخلہ سے محرومی کے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ بلکہ اس لعنت کا مآل دربار جل جلالہٗ میں رحمتِ خاص حاصل کرنے سے دور رہنا ہے۔ اور اوّل اوّل اہل قرب اور اصحاب پاکیزہ کے گروہ کے ساتھ بہشت میں داخل ہونے سے محروم رہتا ہے۔ جن کا دامن عصمت ظلم و فساد کی نجاست سے پاک رہا ہے۔ اس لعنت کا مقصد حقیقت میں لوگوں کو بے ادبی پر ڈرانا دھمکانا ہے کہ اس مقام پاک کا احترام کیوں نہیں کیا اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس شہر میں گناہ صغیرہ کبیرہ کا حکم رکھتا ہے جس طرح بعض علماء حرم مکہ میں گناہ کے دوگنا ہو جانے کے قائل ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

فصل۔ تمام برائیوں میں سب سے بڑی بُرائی وہ ہے جو یزید پلید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قتلِ امام حسین ابن علی سلام اللہ علیہما کے بعد واقع ہوئی ہے۔ یہ واقعہ حرہ کا ہے۔ اس کو حرہ واقم اور حرہ زہرہ کہتے ہیں۔ یہ مدینہ پاک کے اطراف میں ایک میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے۔ جو کچھ قتل و خونریزی' بے حرمتی اور فساد اس شہر پاک کی حرہ

میں واقع ہوئی ہے۔ اس کا ذکر ہی پاکیزہ قلوب کی کدورت اور بخشش کا باعث ہے لیکن چونکہ اس کا واقع ہونا مخبر صادق کے قول کے مصداق ہے۔ آپ نے اس زمانے سے پیشتر ہی خبر دے دی تھی اور اس کا انجام اس شہر کے فضائل وخصائص سے تعلق رکھتا ہے بمقتضائے مضمون حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کہ جو شخص اہلِ مدینہ کو تکلیف پہنچائے گا اور ڈرائے گا تو انجام کار اس کا دنیا وآخرت میں عذاب اور وبال ہے۔ چنانچہ قصہ کے سیاق سے واضح ہو جائے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس مناسبت سے کچھ تذکرہ کیا جائے آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ بعض علماء کا مذہب ہے اور جو بعض حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ مدینہ منورہ انتہائی رونق وجمال اور آبادی کے باوجود تنزلی کی جانب رونما ہو گا اور لوگ اس کی سکونت ترک کر دیں گے وہ وحشی جانوروں کا مسکن ہو جائے گا۔ اس حدیث کا مصداق بھی خوفناک واقعہ ہے۔ لیکن امام نووی کا فرمانا تحقیق اور پسندیدہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حال اخیر زمانہ میں قیامت کے قریب ہو گا اس لیے کہ بعض علامات جو اس حدیث میں آئی ہیں واقعہ حرہ میں ظاہر ہوئیں۔ چنانچہ ابن شیبہ کی روایت میں آیا ہے کہ مقدس شہر چالیس سال تک ویران رہے گا اور وحشی جانوروں کا مسکن ہو جائے گا۔ اس کے بعد دونوں جوان قبیلہ مزینہ سے آئیں گے جب وہ دونوں مدینہ منورہ کو اس حالت میں دیکھیں گے تو ایک دوسرے سے بطریق تعجب کہے گا یہاں کے آدمی کہاں گئے۔ ان کو یہاں سوائے لومڑیوں اور بھوکے جانوروں کے اور کچھ نہ معلوم ہو گا۔ اس حالت کا وقوع اخیر زمانے میں ہو گا۔ اور اس واقعہ کے متعلق خاص کر اخبار وآثار صحیح اشارتاً وصراحتاً آئے ہیں۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ایک دن آئے گا جس میں اہل مدینہ کو مدینہ سے باہر کریں گے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ وہ کون شخص ہو گا جو ان کو باہر کرے گا۔ ابوہریرہ نے کہا کہ ایک مرد مرا۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ میری اُمت کی ہلاکت قریش کے ایک قبیلہ سے ہو گی۔ عرض کیا یارسول اللہ اس وقت میں ہمارے لیے کیا حکم فرماتے ہیں آپ نے فرمایا کہ مخلوق سے گوشہ نشینی۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

سے ایک حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مدینہ میں لڑائی واقع ہوگی۔ اور وہ دین کو ایسا صاف کردے گی جس طرح سے سر کے بالوں کو مونڈ دیتے ہیں۔ اس دن مدینہ سے باہر نکل جاؤ اگرچہ ایک منزل کی مقدار ہو اور پھر دوسری جگہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے اللہ مجھ کو ۶۰ ہجری کے حوادث اور لڑکوں کی حکومت سے محفوظ رکھ اور اس وقت کے آنے سے پہلے مجھے دنیا سے اُٹھالینا یہ اشارہ یزید کے زمانے کی طرف ہے۔ یزید ۶۰ ہجری میں تخت نشین ہوا اور حرہ کا واقعہ بھی اسی کے زمانے میں وقوع پذیر ہوا۔

واقدی کتاب حرہ میں ایوب ابن بشیر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں باہر تشریف لے گئے جب حرۂ زہرہ میں پہنچے تو کھڑے ہو گئے اور آیت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سمجھا شاید حضور ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ اس سفر کا انجام مدعا کے موافق نہ ہوگا۔ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ نے کیا دیکھا جو استرجاع فرمایا۔ آپ نے جواب دیا کہ کوئی ایسا امر جس کا تمہارے اس سفر سے تعلق ہو نہیں ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر کیا چیز ہے ہم بھی جان لیں فرمایا کہ اس حرہ سنگستان میں جو لوگ میری امت کے بہترین ہیں میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد شہید ہوں گے۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جس وقت آپ اس مقام پر پہنچتے تھے تو اپنے دست مبارک سے اشارہ فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس حرہ میں میری امت کے بہترین لوگ شہید ہوں گے رضی اللہ عنہم۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح کی روایت آئی ہے۔ اور کعب احبار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا توریت میں آیا ہے کہ مدینہ منورہ کے شرقی سنگستان میں بہت سے مقتول ہوں گے کہ جن کے چہرے قیامت کے دن چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ اور ابن زبالہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک دن بارش بہت ہوئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دوستوں کے ساتھ مدینہ کے اطراف میں تفریحاً نکلے جب اس مقام پر پہنچے جس کو حرہ واقم کہتے ہیں تو دیکھا

کہ پانی کی رو وادی کی ہر جانب سے رواں تھی۔ کعب احبار بھی آپ کے ہمراہ تھے انہوں نے کہا اے امیر المومنین خدا کی قسم جس طرح یہ پانی بہہ کر آ رہا ہے خون کی رو بھی اس وادی میں اسی طرح رواں ہو گی۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نزدیک آئے اور کہا اے ابو اسحٰق یہ واقعہ کس زمانے میں ہو گا۔ کعب نے کہا اے ابن زبیر بچو اور ڈرو کہ یہ تمہارے ہاتھ سے واقع نہ ہو گا۔ اب اس واقعہ کے باب میں اہلِ تاریخ بطور تفصیل اور اجمال کے تقریر کرتے ہیں۔ اس مقام پر مؤرخ کی عبارت اس نے جس طرح پر تقریر کی ہے مجمل یا مفصل اس کا ترجمہ کیا جائے گا تاکہ اصل معاملے میں کوئی تبدل تغیر نہ واقع ہو واللہ اعلم۔

قرطبی کہتے ہیں کہ مدینہ پاک سے اہل مدینہ کے نکلنے کا سبب جو بعض احادیث میں آیا ہے یہی واقعہ حرہ ہے۔ جس زمانے میں یہ شہر مقدس خوبی اور آبادی میں حسن و کمال کے درجہ کو پہنچا ہوا تھا اس کا یہ حسن و کمال اصحاب مہاجرین و انصار اور علماء تابعین کے وجود کے سبب سے تھا۔ اس وقت حوادث اور فتنے پے در پے اس شہر کی جانب متوجہ ہوئے اس وقت اہلِ مدینہ نے ان آفات کے خوف سے اس قریہ سے جو مقامِ رحمت اور جائے نزولِ برکات ہے۔ سفر کرنا اختیار کیا اور یزید ابن معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلم بن عقبہ مری کو شامیوں کا ایک بڑا لشکر دے کر اہل مدینہ سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان لوگوں کو مدینہ مطہرہ کے حرہ میں نہایت سختی سے قتل کرے اور جتنی شدت کر سکتا ہو کرے۔ تین روز تک حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حرمتی کر کے داد بے دینی دی۔ اسی سبب سے اس کو واقعہ حرہ کہتے ہیں اس واقعہ کا وقوع واقم حرہ میں ہوا۔ یہ جگہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں پر ایک ہزار سات سو آدمیوں کو مہاجرین و انصار اور علماء تابعین کے علاوہ شہید کیا اور عورتوں اور بچوں کے علاوہ عوام میں سے دو ہزار آدمیوں کو مار ڈالا۔ سات سو حافظ قرآن نیز قوم قریش کے ستانوے افراد کو ظلم کی تلوار سے ذبح کر ڈالا۔ فسق و فساد اور زنا کو مباح کر دیا۔ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ایک ہزار عورتوں نے اولاد زنا کی جنی تھی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں گھوڑوں کو جولانی دیتے تھے اور غضب کی بات سنئے کہ روضہ شریف و منبر شریف کی درمیانی جگہ میں جس کی بابت صحیح

حدیث میں آیا ہے کہ یہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یہاں پر ان کے گھوڑے لید اور پیشاب کرتے تھے۔ اور مسلم بن عقبہ مریؔ تمام لوگوں کو یزید پلید کی بیعت اور اس کی غلامی کے عہد پر اس طرح آمادہ کرنا چاہتا تھا کہ اگر چاہے تو بیچ ڈالے اور چاہے تو آزاد کر دے خواہ وہ اللہ جل جلالہٗ کی طاعت کی جانب بلائے یا گناہ پر جبر و اکراہ کرے۔ جب یزید پلید کے نزدیک عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے حکم قرآن و حدیث کے موافق بیعت کا ذکر کیا تو فوراً ان کی گردن ماردی۔ قرطبی کہتے ہیں کہ اہل اخبار کا بیان یوں ہے کہ مدینہ منورہ اُس زمانے میں مطلقاً آدمیوں سے خالی تھا اور اس شہر پاک کے میوے اور پھل وحوش اور چوپایوں کی غذا ہوتے تھے۔ کتے اور دوسرے جانوروں نے مسجد شریف میں رہنا شروع کر دیا تھا۔ مخبر صادق نے جس طرح پر یہ خبر دی تھی اس کا اسی طرح ظہور ہوا۔ یہاں تک تو قرطبی کے کلام کا ترجمہ تھا۔ اب طبرانی کا بیان سنئے۔ طبرانی حدیث کے علمائے عظام میں سے ہیں۔ یہ ایک بڑی حدیث میں عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے دار فانی سے دار آخرت کو سفر کیا تو عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے یزید پلید کی اطاعت سے اعراض کر کے اس کے بیعت سے انکار کر دیا اور اس کی دشنام دہی پر زبان کھولی جب یزید کو اس حالت کی خبر پہنچی تو اس نے ایک شخص کو ان کی گرفتاری کے لیے روانہ کرتے ہوئے اسے قسم دی کہ ان کو گردن میں طوق ڈالے بغیر ہمارے سامنے نہ لانا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے دوستوں نے کہا کہ اگر یزید کی قسم پوری کرنے کے لیے اپنی گردن میں چاندی کا طوق بنوا کر ڈال لیں اور اوپر سے کپڑے پہن لیں تو بے شک یزید کے ساتھ آپ کی صلح امن اور سلامتی کے قریب ہوگی۔ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خداوند تعالیٰ اس کو اس قسم میں ہرگز سچا نہ کرے گا۔ میں کبھی غیر خدا کے سامنے نرم نہیں ہوتا ہوں بالکل اسی طرح جس طرح سے سخت پتھر دانتوں کے نیچے نرم نہیں ہوتا۔ اس کے بعد عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے خلافت کا دعویٰ کر دیا۔ اور لوگوں کو اپنی اطاعت کی طرف بلایا۔ یزید پلید ابن معاویہ نے مسلم بن عقبہ مریؔ کو اہل شام کی ایک فوج کے ساتھ ساکنانِ مدینہ سے جنگ کے لیے بھیجا اور حکم دیا کہ مدینہ کو فتح کر لینے کے بعد

مکہ کی جانب متوجہ ہو جانا اور عبداللہ بن زبیر کو بھی ختم کر دینا۔ جب مسلم بن عقبہ مدینہ میں آیا تو بقیہ اصحاب رضی اللہ عنہم نے جو اس وقت مدینہ طیبہ میں موجود تھے شہر کو خالی کر دیا۔ مسلم بن عقبہ مدینہ طیبہ کے باشندگان کو قتل کرنے میں حد سے تجاوز کر گیا اور فساد برپا کر کے مکہ معظمہ کی جانب متوجہ ہوا۔ نصف راستہ میں بیمار ہوا اور مر گیا اپنے بعد حصین بن نمیر کو اپنا جانشین بنا گیا دوسری طرف یزید بھی ابن زبیر کے محاصرہ نیز منجنیق کے استعمال اور آگ لگا دینے کی وصیت کر کے مر گیا۔ جب حصین بن نمیر کو یزید کی موت کی اطلاع پہنچی تو بھاگ گیا اور یہ لڑائی اختتام کو نہ پہنچ سکی۔ یہ کلام طبرانی کا تھا۔

اور ابن جوزی کہتے ہیں کہ جب ۶۲ھ شروع ہوا تو یزید پلید بن معاویہ نے عثمان ابن محمد ابی سفیان کو جو اس کا چچازاد بھائی تھا مدینہ منورہ روانہ کیا تاکہ باشندگان مدینہ کو یزید کی بیعت پر دعوت دیں۔ عثمان ابن محمد نے اہل مدینہ سے ایک جماعت کو یزید کی جانب روانہ کیا اس کے بعد جب یہ جماعت یزید کے پاس سے مدینہ طیبہ واپس آئی تو اس نے یزید پلید کی دشنام طرازی پر زبان کھولی اور اس کی بے دینی، شراب نوشی، ممنوعات کے ارتکاب اور کتوں سے کھیلنے کا ذکر کیا اور ساتھ ہی اس کی دوسری بُری باتیں بھی لوگوں سے بیان کیں اس کی بیعت سے علیحدگی بھی اختیار کر لی اور بقیہ اہل مدینہ کو اس کے قصد بیعت واطاعت سے روکا۔ منذر ایک شخص تھے جن کا تعلق اس جماعت سے تھا۔ انہوں نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ مجھ کو یزید نے ایک لاکھ درہم دیے ہیں اور میرے ساتھ احسان بھی کیے ہیں لیکن میں سچائی کو ہاتھ سے نہ جانے دوں گا۔ یزید شراب نوش اور تارک صوم وصلوٰۃ ہے۔ یزید کی بیعت توڑ دینے کے بعد اہل مدینہ نے قرار بیعت عبداللہ ابن حنظلہ غسیل پر دیا اور عثمان بن محمد کو جو یزید شقی کی طرف سے مدینہ کا عامل تھا نکال کر اس شہر پاک کے میدان کو اغیار کی نجاست سے پاک کیا۔ عبداللہ بن حنظلہ کہتے تھے کہ میں اس وقت تک یزید کی بیعت سے باہر نہ ہوں گا اور اس پر خروج بھی نہ کروں گا جب تک کہ ہم کو آسمان سے پتھر برسنے کا خوف نہ ہو۔

اور ابن جوزی ابوالحسن مدائنی سے جو ثقہ راوی ہیں نقل کرتے ہیں کہ اہل مدینہ یزید

کی علامات فسق و فساد کے ظاہر ہو جانے کے بعد منبر پر چڑھ کر اس کی بیعت سے منکر ہو گئے۔ عبداللہ بن ابی عمرو بن حفص مخزومی نے اپنا عمامہ سر سے اُتار کر کہا کہ اگرچہ یزید نے مجھ کو صلہ اور انعام دیا ہے نیز میری جائداد میں بھی اضافہ کر دیا ہے لیکن جو خدا کا دشمن اور دائم الخمر ہے میں نے اس کی بیعت کو اس طرح اپنے سے علیحدہ کر دیا جس طرح اپنی دستار کو۔ دوسرا آدمی اُٹھا پاؤں سے اپنی جوتیاں اُتار کر اسی طرح یزید کی بیعت توڑ دی۔ یہاں تک کہ عماموں اور جوتیوں سے مجلس بھر گئی۔ اس کے بعد عبداللہ بن مطیع کو قریش پر اور عبداللہ بن حنظلہ کو انصار پر والی بنا دیا۔ اور جس قدر بنی اُمیہ تھے سب کو مروان کے مکان میں محصور کر دیا۔ مروان نے اور جو جماعت اس کے ہمراہ تھی فریادرسی اور استعانت کے لیے یزید پلید سے لشکر طلب کیا۔ یزید نے مسلم بن عقبہ کو اہل مدینہ کے ساتھ جنگ کے لیے روانہ کر دیا۔ مسلم بن عقبہ ایک بوڑھا معمر تھا۔ ضعف حالی کے باوجود اس نے جرأت اور بہادری سے اہلِ مدینہ کے باشندوں پر ہمت باندھی اور ان کے قتل کا بیڑہ اُٹھایا۔ ایک منادی نے یزید کے حکم کو بآواز بلند سنایا کہ جو شخص حجاز کی لڑائی میں قدم رکھنا چاہے وہ سرکار کے دفترِ خاص سے اسباب سفر اور اسلحہ جنگ حاصل کر لے۔ اس کے علاوہ سو دینار بھی انعام کے طور پر دیے جائیں گے۔ جس وقت لوگوں نے یہ اعلان سنا بارہ ہزار آدمی آمادہ ہو گئے اور یہ قتل و فساد کے لیے روانہ کر دیے گئے۔ ابن مرجانہ کو حکم بھیجا کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے لڑنے کے لیے جائیں۔ ابن مرجانہ نے اس حکم کی اطاعت میں توقف سے کام لیا اور کہا خدا کی قسم میں ایک فاسق کے لیے فرزند پیغمبر کے قتل اور جنگ بیت اللہ کو پسند نہ کروں گا۔ ایسی صورت میں مسلم ابن عقبہ کو بھیجا اور اس کو وصیت کر دی کہ اگر تجھے کوئی حادثہ پیش آ جائے تو حصین بن نمیر کو اپنا جانشین بنا دینا اور مزید حکم دیا کہ جن لوگوں کے لیے میں تجھے بھیجتا ہوں ان کو تین مرتبہ مقصد کی طرف بلانا۔ اگر وہ قبول کر لیں تو چھوڑ دینا ورنہ ان سے جنگ کرنا۔ اس کے بعد جب ان پر غالب آ جانا تو تین دن تک حرم مدینہ منورہ کو حلال بنا دینا اور یہاں سے جتنا مال اور ہتھیار حاصل ہو فوج میں تقسیم کر دینا۔ تین دن کے بعد پھر کسی قسم کا ظلم نہ کرنا۔ لیکن علی ابن حسین سلام اللہ علیہما سے کچھ نہ کہنا اس لیے کہ وہ اس

جماعت کے اتفاق میں شامل نہیں ہیں۔ یہ خبر جب اہل مدینہ کو ملی تو باشندگان مدینہ بھی اہل فساد کی مدافعت پر تیار ہو گئے اور بنی امیہ کی جو جماعت محصور تھی اس سے کہا کہ ہم سے عہد کرو کہ ہم لوگ مکروفساد نہ کریں گے۔ اگر عہد نہ کیا تو اسی وقت تم سب کو تلوار سیاست سے ہلاک کر دیا جائے گا۔ بنی امیہ نے دفع الوقتی کے لیے اقرار کر لیا اور اہل مدینہ کے ہمراہ ظاہری طور پر مسلم بن عقبہ کے مقابلہ کے لیے باہر آ گئے۔ مروان بن الحکم نے اپنے لڑکے عبدالملک کو خفیہ طور پر مسلم بن عقبہ کے پاس بھیجا اور کہلا دیا کہ حرم کے اطراف سے آ کر بر دست تین دن تک جنگ کو موقوف رکھنا اور ان دنوں میں مشورہ کے لیے اہل مدینہ سے متوجہ ہوا اور ان سے دریافت کیا کہ کیا تدبیر کی جائے اور انہوں نے کیا سوچا ہے سبھوں نے کہا بجز لڑائی کے اور کوئی تدبیر نہیں ہے تاکہ یہ فتنہ وفساد اس خیر البلاد سے رفع کیا جائے۔ مروان نے کہا فتنہ وفساد کا مادہ برانگیختہ کرنا اچھا نہیں ہے اطاعت وفرمانبرداری کے لیے گردنیں جھکا دو اور یزید کی بیعت کر لو۔ اسی میں مصلحت ہے۔ اہل مدینہ کو یہ بات پسند نہ آئی اور وہ لڑائی کے لیے آمادہ ہو گئے۔ عبداللہ بن غسیل سوار ہوئے اور میدان جنگ میں داد شجاعت ومردانگی دی۔ مسلم بن عقبہ کو اس مرض کی وجہ سے جو اس کو تھا ایک تخت پر بٹھلا کر دونوں صفوں کے درمیان میں لائے وہ اپنے لشکر کو ترغیب دیتا تھا۔ عبداللہ بن مطیع نے بھی اپنے سات لڑکوں کے ساتھ جنگ کی اور درجہ شہادت کو پہنچے۔ مسلم ابن عقبہ نے عبداللہ کے سر کو یزید پلید کے پاس بھیج دیا۔ آخرکار یزیدیوں کی فوج کو غلبہ ہوا۔ یزید کے حکم کے بموجب تین دن تک حرم مدینہ مباح رہا۔ لوٹ مار قتل وغارت گری اور عورتوں کے ساتھ بدکاری ان کا پیشہ ہوا۔

واقدی نقل کرتے ہیں کہ باشندگان مدینہ لشکر یزید کے قریب ہونے کے بعد ایک خندق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خندق کی بنیاد پر کھودنے کا مشورہ کیا اور ایک خندق کھودی۔ اس خندق کی کھدائی میں چودہ روز تک مشقت برداشت کی۔ مدینہ منورہ کے گردا گرد ایک خاردار قلعہ کی بنیاد رکھ کر دشمنوں کے آنے کا راستے بند کر دیا۔ اور ہر طرف سے تیر وپتھر برسانے شروع کر دیے۔ یہاں تک کہ دشمن کا حوصلہ پست کر دیا۔ مسلم بن عقبہ ان

کے خوف سے حرہ کے گوشہ میں گھس گیا اور مروان کے پاس آدمی بھیجا تا کہ وہ اپنے تجربہ اور کسی حیلہ سے اس کی مدد کرے۔ مروان بنی حارثہ کے پاس آیا اور بعض لوگوں کو لالچ کے پھندے میں لا کر کہا کہ اگر ایک طرف کا راستہ کھول دو تو میں یہ واقعہ یزید کو لکھ بھیجوں گا۔ وہ تم لوگوں کے ساتھ انعام اور صلۂ عظیمہ کے ساتھ پیش آئے گا۔ مروان کے فریب میں آ کر بنی حارثہ کی ایک جماعت نے ان لوگوں پر راستہ کھول دیا۔ اور مسلم بن عقبہ کی فوج نے شہر میں داخل ہونے کا راستہ پا لیا۔ اہل مدینہ کی جماعتیں جو ہر طرف کھڑی ہوئی تھیں اہل شام کے داخلے کی جگہ پر پہنچ کر جنگ میں مشغول ہو گئیں۔ ابن ابی حثمہ صحیح روایت بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے بعض بزرگ بیان کرتے تھے کہ معاویہ نے جاں کنی کے وقت یزید پلید کو اپنے سامنے بلایا اور کہا کہ مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تجھ کو اہل مدینہ سے ایک سخت دن پیش آئے گا۔ تجھے چاہیے کہ اس دن اس کی تدبیر مسلم ابن عقبہ کے ذریعہ سے کرنا۔ اس لیے کہ میں اپنی رائے میں کسی شخص کو اس سے زیادہ مدبر نہیں دیکھتا ہوں۔ جب باپ کے بعد یزید پلید تختِ امارت پر بیٹھا اور اہل مدینہ سے جنگ کا موقع پیش آیا تو اس وقت اس نے باپ کی وصیت ہی پر عمل کر کے اہل مدینہ کی لڑائی کو اختتام پر پہنچایا۔ واللہ اعلم۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت مسلم ابن عقبہ کے پاس بغرض فریاد آئی اور اپنے لڑکے کے متعلق جو اس کی قید میں تھا بہت گریہ وزاری کی۔ مسلم بن عقبہ نے حکم دیا کہ اس عورت کے لڑکے کو بہت جلد قید خانے سے باہر لایا جائے۔ اور اس کی گردن کاٹ کر اس کا سر اس عورت کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ اس کے بعد کہنے لگا کہ تو اپنی زندگی پر بس نہیں کرتی اور لڑکے کی سفارش میں آئی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے اکثر آدمیوں کو تین دن تک قید خانہ میں رکھا۔ اس طرح کہ پانی اور غذا کی خوشبو بھی اُن کے دماغ تک نہ پہنچتی تھی۔ سعید بن المسیب کو جو تابعینِ کبار میں سے تھے مسلم بن عقبہ کے پاس لائے اور کہا کہ یزید کی بیعت کرو۔ سعید ابن المسیب نے کہا کہ میں نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی سیرت پر بیعت کی۔ مسلم بن عقبہ نے کہا کہ میں ان کی گردن مارنے کا حکم دیتا ہوں۔ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر گواہی دی کہ یہ مجنوں ہیں تو مسلم بن عقبہ ان کے جرم سے درگزرا۔

مسلم بن عقبہ کو مسرف کہتے ہیں۔ اُس اسراف اور تعدی کی وجہ سے جو اس نے قتل و فساد میں برتی ہیں۔

واقدی کتاب الحرہ میں نقل کرتے ہیں کہ یزید پلید مسرف کے پاس آیا اس کو دیکھا کہ فالج کے مرض میں گرفتار بستر ہلاکت پر پڑا ہوا ہے۔ یزید نے کہا کہ اگر تجھ میں یہ ضعف اور مرض نہ ہوتا تو اس لڑائی کا حاکم اور والی تجھ کو بناتا اس لیے کہ میں تجھ سے بڑھ کر مخلص اور ناصح دوسرا آدمی نہیں پاتا ہوں۔ امیر المومنین یعنی میرے والد بزرگوار معاویہ ابن ابی سفیان نے مجھ کو اپنے مرض موت میں یہ وصیت کی تھی کہ اگر تجھے اہل حجاز کی طرف سے کوئی لڑائی پیش آئے تو اس کی تدبیر مسلم بن عقبہ کے ذریعہ سے کرنا۔ مسرف اُٹھ بیٹھا اور کہنے لگا کہ اے امیر المومنین تجھے خدا کی قسم ہے اگر تو میرے سوا کسی کو متولی بنائے اس لیے کہ اس کام میں اہل مدینہ کا دشمن میرے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں نے اس بارے میں ایک خواب دیکھا ہے۔ ایک درخت کو درختان غرقد سے دیکھتا ہوں جو اپنی شاخوں کے ساتھ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقام کے متعلق فریاد کر رہا ہے۔ آگے گیا تو سنتا ہوں وہی درخت کہتا ہے کہ اس کا انجام مسلم بن عقبہ کے ہاتھ سے ہوگا اس دن سے میں نے اہل مدینہ سے جنگ کی فال لی ہے۔ اور اپنے دل کو قاتلانِ عثمان سے انتقام لینے کی تسلی دی ہے۔ یزید پلید نے جو اس کام کے اجراء میں اس کا پختہ ارادہ پایا تو کہا کہ ہوشیار رہ اور بہ برکت خدا اہل مدینہ کی طرف متوجہ ہو تو جن لوگوں کا حریف ہوگا اگر وہ لوگ مدینہ میں داخل ہونے کو میری بیعت اور اطاعت قبول کرنے میں تیرے سد راہ ہوں تو تم تیغ بے دریغ قہر و سیاست سے کام لینا اور ان کے چھوٹے بڑوں میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑنا۔ تین دن تک لوٹ اور غارت کی داد دینا اور اگر یہ لوگ تجھ سے جنگ نہ کریں تو ان سے تم بھی تعرض نہ کرنا۔ ہاں عبداللہ بن زبیر کی مہم پوری کرنے کی طرف متوجہ ہو جانا بیان کرتے ہیں کہ جب یہ مسرف نا عاقبت اندیش متوطین حرم پر نظر ڈالتا تھا تو کہتا تھا کہ ان لوگوں کے مار ڈالنے سے اگر میں دوزخ میں جاؤں تو دنیا میں کوئی شخص مجھ سے بڑھ کر بد بخت نہیں ہے ذکوان سے جو مروان کے غلاموں میں سے ہے روایت ہے کہ مسلم ابن

عقبہ نے اس مرض کے سبب سے جو اس کو تھا ایک دوا استعمال کی اور دوا کھاتے ہی فوراً غذا طلب کی۔ طبیب نے کہا اگر غذا میں دوا کے استعمال کے بعد تھوڑی دیر صبر کرو تو بہتر ہے تا کہ جو دوا کھائی ہے کارگر ہو۔ مسلم بن عقبہ نے کہا اب مجھ کو زندگی کی آرزو نہیں ہے۔ اب تک میں حیات کو اس واسطے محبوب رکھتا تھا کہ سینہ کی سوزش کو قاتلان عثمان کے ساتھ آب شمشیر سے ٹھنڈا کرنا چاہتا تھا۔ اب جب کہ یہ مراد حاصل ہو گئی ہے تو کوئی چیز میرے نزدیک موت سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ اور میں اس پر یقین رکھتا ہوں کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے مجھ کو ان ناپاکوں کے قتل کے سبب سے تمام گناہوں سے پاک کر دیا ہے۔ سید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اس کی یہ بات حماقت، جہالت اور شقاوت سے پیدا ہوئی ہے اس لیے اس جماعت کا قتل موجب جرم اور معصیت ہے اور اس کے وبال اور عذاب سے چھٹکارا پانا نہایت دشوار اور مشکل ہے۔ منجملہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے جن کو بہ طریق ظلم قتل کیا ان میں عبداللہ بن حنظلہ الغسیل بھی تھے جو اپنے سات صاجزادوں کے ساتھ قتل ہوئے تھے۔ اور عبداللہ ابن زید رضی اللہ عنہ بھی وہ شخص ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کرنا بیان کیا ہے۔ اور معقل ابن سنان الاشجعی یہ فتح مکہ معظمہ میں حاضر تھے اور انہی کے ہاتھ میں اپنی قوم کا جھنڈا تھا بیان کرتے ہیں یہی مُسرف شقی اور مروان ابن الحکم مقتولین حرم پر بطور سیر وتفریح چکر لگاتے تھے۔ یہ دونوں جب ان مظلوموں کے سرہانے پہنچے تو عبداللہ ابن الغسیل کو دیکھا کہ کلمے کی اُنگلی آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے پڑے ہیں۔ مروان نے کہا کہ اگر تم نے موت کے بعد اپنی انگلی آسمان کی جانب اٹھائی ہے تو بجھ لو ہم نے اپنی حیات میں اپنی انگلیاں تمہارے ہاتھ کی طرح آسمان کی طرف نہیں اٹھائیں اور خدا کے دربار میں زاری نہیں کی اور بد دعا بھی نہیں کی ہے۔ ایک آدمی نے جب یہ بات سنی تو کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اگر اس جماعت کی حالت واقعی ایسی ہی ہے جیسی کہ تو کہتا ہے تو ہماری رائے میں یہ سب مقتول اہل جنت ہیں اس کو سن کر مروان کہنے لگا کہ یہ لوگ دین کے مخالف تھے۔ اور عہد مسلمانی کو توڑتے تھے۔ نقل ہے کہ جب مروان اس واقعہ کے بعد یزید پلید کے پاس گیا تو یزید نے اس کی سعی کا کامل طور پر شکریہ ادا کیا جو اس نے اس واقعہ

میں کی تھی اور اس کو اپنا مقرب بنایا۔

ابن جوزی اپنی سند کے ساتھ کہ جو سعید ابن المسیب رضی اللہ عنہ سے نقل ہے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ حرہ کی راتوں میں میرے سوا دوسرا کوئی شخص مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ تھا۔ اہل شام جب مسجد میں آتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ دیوانہ بڈھا اس مقام پر کیا کر رہا ہے اور نماز کا کوئی وقت ایسا نہ گزرتا تھا جو میں اذان اور اقامت کی آواز حجرہ شریف سے نہ سنتا ہوں پھر اسی اذان واقامت سے نماز ادا کرتا تھا اور کوئی شخص میرے ساتھ مسجد میں نہ ہوتا تھا۔ (رضی اللہ عنہ) اور اس واقعہ کی منجملہ جمیع خرابیوں میں سے ایک یہ ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کی داڑھی کے تمام بال ندارد ہیں۔ ان سے دریافت کیا کہ آپ کی یہ صورت کیا ہے شاید آپ اپنی داڑھی سے کھیل کرتے ہیں فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اہل شام کا مجھ پر جو ظلم ہوا ہے اس کے آثار ہیں۔ اور اس کا تعلق واقعہ حرہ سے ہے۔ ایک گروہ میرے گھر میں گھس آیا اور تمام اسباب خانہ داری لے گیا اس کے بعد دوسری جماعت آئی جب گھر میں کوئی چیز نہ پائی تو ان لوگوں میں غصہ اور قہر کی آگ شعلہ زن ہوئی کہنے لگے کہ شیخ کو ہلاؤ پھر تو ان لوگوں میں سے ہر ایک نے میری داڑھی کا ایک ایک بال اکھیڑنا شروع کیا اور اب جس حالت پر تم مجھے دیکھ رہے ہو ایسا کر دیا یہ معاملہ عقل سے خارج اور تصور سے باہر ہے۔ اور ان ظالموں کا جو انجام کار ہو گا ان کی دنیا اور آخرت کے تباہ ہونے کی اس میں واضح دلیل ہے۔

بیان کرتے ہیں کہ مُسرف بدکردار نے اہل مدینہ کو یزید پلید کی اطاعت اور غلامی پر مجبور کیا اکثر لوگوں نے چار و ناچار بیعت کا اقرار کیا۔ ان لوگوں میں سے ایک شخص قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے کہا میں طریقہ طاعت میں بیعت کرتا ہوں معصیت میں نہیں۔ مُسرف نے اس بیعت کو نہیں قبول کیا اور قتل کا حکم دے دیا۔ اس مقتول کی ماں نے قسم کھائی کہ اگر میں قدرت پاؤں گی تو اس مُسرف کو زندہ یا مردہ جلا دوں گی۔ اہل مدینہ کے قتل وغارت کے بعد مُسرف نے ارادہ کیا کہ اب عبداللہ ابن زبیر کو تباہ کروں۔ اس مقصد کے لیے مکہ معظمہ کو چلا لیکن دو تین دن کے بعد وہ جس مرض میں جلا تھا اسی میں

مر گیا۔ وہ عورت اپنے چند غلاموں کے ساتھ اس کی قبر پر گئی تا کہ اس کو قبر سے نکال کر اپنی قسم پوری کرے جبقبر کو کھولا تو اس میں ایک اژدھا دیکھا جو مُسرف کی گردن میں لپٹا ہوا تھا اور اس کی ناک کی ہڈی منہ میں لیے چوس رہا تھا۔ سب لوگ اس کی یہ حالت دیکھ کر ڈر گئے۔ اور عورت سے کہا کہ قادر مطلق نے اس کو اس کے اعمال کی سزا دیدی اور تو نے جس بات کا ارادہ کیا تھا اب اس کے انتقام سے درگزر کر اس کے لیے اتنا ہی عذاب کافی ہے۔ عورت نے کہا ہرگز نہیں میں نے خدا سے جس بات کا عہد کیا ہے جب تک اس کو پورا نہ کر لوں گی اس مُسرف کے پاس سے نہ ہٹوں گی پھر اس عورت نے کہا کہ اس کو پیروں کی جانب سے نکالو۔ دیکھا وہاں بھی ایک اژدھا اسی طریقہ پر لپٹا ہوا ہے اُس عورت نے وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کی اور نہایت گریہ وزاری کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دربار خداوندی میں دعا کی کہ اے خدائے قہار تو جانتا ہے کہ مسلم بن عقبہ پر میرا غصہ تیری رضامندی کے لیے ہے مجھ کو موقع اور قدرت دے تا کہ میں اس کو اس گڑھے سے نکال کر جلاؤں۔ اس کے بعد ایک لکڑی لی اور اس سانپ کی دم پر ماری وہ سانپ اس کے سر سے جدا ہو کر باہر چلا گیا۔ عورت نے اپنے غلاموں سے کہا اس کو قبر سے باہر نکال کر جلاؤ۔

واقدی کہتے ہیں کہ اس واقعہ کا ثبوت ہمارے نزدیک اس طرح پہنچا ہے کہ وہ عورت یزید بن عبداللہ بن زمعہ کی ماں تھی۔ جب مُسرف مکہ معظمہ کی جانب متوجہ ہوا تو یہ عورت مُسرف سے دو تین دن کی مسافت پر اپنی قوم کے لشکر کے ساتھ گشت لگا رہی تھی۔ جب مسرف کے مرنے کی خبر سنی تو آئی اور اس کو قبر سے باہر نکال کر دار پر کھینچا۔ ضحاک کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے اس کو دار پر لٹکا ہوا دیکھا تھا وہ ہم سے بیان کرتے تھے کہ لوگ اس کو دار پر بھی سنگسار کرتے تھے۔ لیکن اس روایت میں جلانے کا ذکر نہیں آیا ہے۔ چنانچہ اس کا احتمال ہے کہ اس کو جلانے کا فعل دار پر لٹکانے سے دو تین روز کے بعد عمل میں آیا ہوگا اور جس شخص نے جلانے کی روایت نہیں بیان کی ہے ہوسکتا ہے کہ اس نے مسرف کی لاش کو اوّل حال میں دیکھا ہو جب کہ وہ دار سے نہیں اُتارا گیا تھا واللہ اعلم۔

قرطبی کہتے ہیں کہ اس کی موت واقعہ کے تین روز بعد مدینہ کے راستے میں واقع

ہوئی تھی۔ اس کا پیٹ زرد پانی اور پیپ سے بھر گیا تھا۔ نہایت بُری طرح سے جان نکلی۔
لیکن وہ نہایت بے ذوقی اور قساوت قلبی سے مرنے کے وقت کہتا تھا کہ اے خدا لا الٰہ الا
اللہ کی گواہی دینے کے بعد میرے محبوب ترین عملوں میں سے جو عمل میرے نزدیک ایسا ہے
جو تیرے دربار میں قابل قبول ہو۔ وہ اہل مدینہ کے قتال کے سوا وجود میں نہیں آیا ہے۔
اگر تو مجھ کو اس عمل کے باوجود بھی آتشِ دوزخ میں ڈالے تو دوسرا کوئی شخص مجھ سے بڑھ کر
بد بخت نہ ہوگا۔ اس کے بعد حصین بن نمیر سکونی کو بلایا اور کہا کہ امیر المومنین نے میرے
بعد تجھ کو والی بنانے کو کہہ دیا ہے چنانچہ تو جلد مکہ کی جانب متوجہ ہو اور ابن الزبیر کے کام
میں تاخیر مت کر اور ان کے قتال میں کوتاہی سے کام مت لے۔ منجنیق نصب کر اور اگر ان
کے ساتھی خانہ کعبہ میں پناہ لیں تو ان سے خوف زدہ مت ہو۔ بلکہ اپنے کام کو انجام دو اور
منجنیق کو کام میں لاؤ۔ حصین بن نمیر نے اس کی وصیت کے مطابق مکہ پہنچ کر چونسٹھ دن تک
اس شہر معظم کو محاصرہ کر کے داد جنگ وقتال کی دی منجنیقوں سے کعبہ معظمہ پر پتھر برسائے۔
بیان کرتے ہیں کہ ان لوگوں میں سے ایک شخص نیزہ کے سر پر آگ روشن کیے ہوئے تھا۔
ایک ہوا آئی اور خانہ کعبہ میں آگ لگ گئی۔ اسی اثنا میں یزید پلید کی موت کی خبر پہنچی۔ یزید
ذات الجنب کے مرض میں مبتلا ہو کر مر گیا۔

اہل شام اور بنو امیہ میں پریشانی پیدا ہو گئی۔ سب کے سب خوار و ذلیل ہو کر واپس
ہوئے۔ اور سب نے بھاگنا شروع کر دیا۔ واقعہ حرہ کا وقوع بدھ کے دن ستائیس یا اٹھائیس
ذی الحجہ ۶۳ھ ہجری میں ہوا۔ اور مسلم بن عقبہ کی موت محرم کی چاند رات کو ۶۴ھ ہجری
میں ہوئی اور جنگِ مکہ معظمہ اور منجنیق سے بیت اللہ پر سنگباری ہفتہ کے روز تیسری ربیع الاول
کو ہوئی تھی اور یزید کی موت پہلی ربیع الآخر واقعہ کے بعد جس طرح سید سمہودی نے کتاب
وفا میں ذکر کیا ہے ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل۔ ان نادر واقعات کے منجملہ جو اس شہر مقدس میں واقع ہوتے رہے اور جس کی
حضرت سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی خبر دی تھی۔ ان میں حجاز کی آگ کا ظہور بھی
تھا جو اس شہر کی عظمت اور شان پر اظہر من الشمس ہے۔ اس آگ کے ظاہر ہونے میں

حکمتِ خداوندی صرف خوف دلانا اور شریر لوگوں کو دھمکانا بھی۔ کیونکہ اس جگہ لڑائیاں اور حوادث ظاہر ہو رہے تھے۔ اسی لیے اس جگہ کو خاص کرنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ یہ شہر محلِ رحمت اور مقامِ شفاعت ہے۔ چنانچہ اس آگ کا اس جگہ داخل ہونا لوگوں کو خوف دلانے اور عبرت کے لیے بہت زیادہ دخل رکھتا ہے۔ اس حکمت کے ظاہر ہو جانے اور مقصود کے حاصل ہو جانے کے بعد نزول رحمت نے جو اس دربار کا خاصہ ہے اپنا کام کیا یعنی غضب الٰہی کی آگ کو آبِ رحمت سے ٹھنڈا کر دیا۔ قرطبی کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں شروع جمادی الاولیٰ ۶۵۴ ہجری سے تیسری جمادی الاخریٰ تک زبردست زلزلے آئے جن کی آوازیں ایسی تھیں گویا بادل گرج رہے ہیں۔ تمام مکانات اور دیواریں جنبش میں آ گئیں۔ ایک رات میں متواتر چودہ یا اٹھارہ مرتبہ زلزلہ آتا رہا۔ اس کے تقریباً تین مہینے بعد جب کہ لوگ عشا کی نماز سے فارغ ہو چکے تھے ایک آگ حجاز کی جانب سے ظاہر ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ آگ ایک بہت بڑا قلعہ بند شہر ہے جس میں بڑے بڑے برج دکھائی دیتے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آدمیوں کی ایک بڑی جماعت ہے جو اس کو کھینچے لا رہی ہے جو پہاڑ ان کے درمیان آ جاتا ہے یہ آگ اس کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ اور اکثر پہاڑوں کو رانگ کی طرح پگھلا دیتی ہے اور رعد کے مانند آواز کرتی ہے اور دریا کے مثل موجیں مارتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے اس کے درمیان سے سرخ اور نیلی نہریں نکلتی ہیں لیکن جب آگ مدینہ کے قریب پہنچتی ہے تو ان تمام باتوں کے باوجود ایک ٹھنڈی ہوا اس آگ کی طرف سے مدینہ میں آتی ہے۔ قسطلانی جو اس زمانے میں موجود تھے کہتے ہیں کہ اس آگ کی روشنی تمام اطراف آبادی اور جنگل کو گھیرے ہوئے تھی۔ حرم نبوی اور مدینہ منورہ کے جملہ مکانات کو مثل آفتاب کے روشن کیے ہوئے تھی۔ یہاں تک کہ لوگ راتوں کو اس کی روشنی میں کام کر لیتے تھے۔ ان ایام میں آفتاب و ماہتاب کو گہن لگ گیا تھا اور ان کی روشنی زائل ہو گئی تھی۔ بعض لوگوں نے مکہ معظمہ میں بھی اس آگ کی روشنی کو دیکھا اور تیما و بصرہ میں بھی مشاہدہ کیا۔ حضور ﷺ مخبر صادق نے جس طرح سے خبر دی تھی کہ ایک آگ حجاز کی جانب سے نکلے گی اس کی روشنی میں اونٹوں کی گردنیں بصرے میں دکھلائی

پڑیں گی۔ مؤرخوں نے بیان کیا ہے کہ اس آگ کا طول چار فرسنگ کے مقدار تھا اور چوڑائی چار میل۔ گہرائی آدمی کے ڈیڑھ قد کے برابر۔ اس کی رفتار ریلے کی مانند اور اس کی موجیں مثل دریا کے تھیں۔ اس آگ میں ایک خاص بات یہ تھی کہ اس کی گرمی سے پتھر پگھل جاتے تھے اس سے زیادہ اچنبھے کی بات یہ ظاہر ہوئی کہ ایک بہت بڑی دیوار نمودار ہوئی جس نے مدت دراز تک لوگوں کو چلنے سے روک دیا اور مویشی اور چوپایوں کی رہ گزر بند ہو گئی لیکن یہ دیوار بھی ایک بڑی حکمت پر متضمن تھی وہ یہ کہ دوسری جانب سے مفسد بدو مدینہ میں پہنچ کر ساکنان شہر مقدس کو پریشان کیا کرتے تھے۔ اس دیوار کے وجود نے ان کے داخلے کو روک دیا

بیت

تو چندار کہ در کار خداوند خطاست
زانکہ او ہرچہ کند عین صلاح است وصواب

اس آگ کے عجائبات اور اس کی عظمت تحریر سے باہر اور احاطہ بیان سے خارج ہے۔ جمال مطری جو مدینہ کے مؤرخین میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ اس آگ کی عجیب باتوں میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ یہ پتھروں کو خاک کر دیتی تھی لیکن درختوں کو اس سے کچھ نقصان نہ پہنچتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ امیر عزالدین کے آزاد کردہ غلام مجھ سے کہتے تھے کہ مجھے ایک دوسرے شخص کے ساتھ امیر عزالدین نے (جو ساکن مدینہ تھے) اس آگ کی تحقیقات کے لیے حکم فرمایا۔ ہم دونوں سوار ہو کر اس آگ کے قریب پہنچے۔ کسی قسم کی گرمی ہم کو اس میں محسوس نہ ہوئی حالانکہ یہ پہاڑوں اور قلعوں کو بھسم کر دیتی تھی۔ میں نے ترکش سے ایک تیر نکالا اور اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ تیر کے سب پر تو جل گئے لیکن اس کی لکڑی سلامت رہی۔ جمال مطری اس خبر کو سن کر کہتے ہیں کہ اس حالت کے سننے سے میرے دل میں ایک دوسری بات آتی ہے کہ اس آگ کا درختوں کو نہ جلانا گویا علامت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم بنانے کی جس طرح کہ حرم مدینہ کی شان میں آپ نے فرمایا ہے کہ تمام مخلوقات پر اس کی اطاعت واجب اور کائنات کا اس کے ادب کا

لحاظ رکھنا لازم ہے۔ لیکن قسطلانی کہتے ہیں کہ اس آگ کی شدت حرارت کی وجہ سے کسی
شخص کو اس کے قریب جانے کی مجال نہ تھی۔ اور دو تیر کے فاصلے تک اس کی حرارت کے
شعلے اور ہیبت پہنچتی تھی اور یہی مورخ یعنی قسطلانی کہتے ہیں کہ ایک صاحب جن کی خبریں
وثوق اور اعتماد کے لائق ہیں۔ میں نے ان سے سنا ہے کہ میدان میں ایک بڑا سا پتھر پڑا
تھا جس کا نصف حصہ حرم میں داخل تھا اور باقی آدھا خارج از حرم تھا اس آگ نے خارجی
حصہ کو تو جلا دیا لیکن جب داخلی حصے تک پہنچی تو گل ہو گئی۔ جمال مطری کے بیان اور قسطلانی
کے کلام میں بظاہر اختلاف ہے۔ سید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ قسطلانی کا کلام زیادہ قابل
قبول ہے اس لیے کہ یہ اس زمانہ کے موجودہ اشخاص میں سے ہیں اور اس آگ کے تمام
حالات ان کے چشم دید ہیں اور اس کے جملہ حالات پر علیحدہ ایک مستقل کتاب تصنیف کی
ہے اور جو بات اس بڑے پتھر کے متعلق لکھی ہے حضرت سید کائنات کے ابلغ معجزات میں
سے ہے۔ جو آنحضرت ﷺ کے بعد ظاہر ہوا اور شاہ عبدالحق صاحب فرماتے ہیں کہ یہ
فقیر کہتا ہے (عفا اللہ عنہ) جب کہ اس آگ کا وجود حقیقت میں آیات الٰہی اور معجزات
حضرت رسالت پناہی سے تعلق رکھتا ہے تو اگر مختلف اوقات میں مختلف لوگوں پر مختلف آثار
اور احوال کے ساتھ ظاہر ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس لیے اس اختلاف احوال
میں بھی کمال قدرت خداوندی اور اجلال اعجاز محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی علامت موجود ہے
کہ بعض کو اس قدر گرم کر دے اور بعض کو سرد وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ترجمہ: اللہ
تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ بشیر و نذیر علیہ صلوات اللہ العلیم و خبیر کے مدینہ منورہ کو حرم بنا دینے
کی وجہ سے دونوں کلام آگ کے اثر نہ کرنے میں متفق ہیں۔ اور بیان کرتے ہیں مدینہ
منورہ کے قاضی و امیر نے تمام باشندگان کے ساتھ جمع ہو کر گریہ وزاری شروع کی اور
غلاموں کو آزاد کر کے دادِ سخاوت دی۔ جمعہ اور ہفتہ کی شب میں تمام اہل مدینہ حتیٰ کہ ان
میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے سب نے مل کر حرم شریف میں رات گذاری اور حجرہ
شریف کے گرد برہنہ سر گریہ وزاری کرتے رہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ
علیہ وسلم کی برکت کی وجہ سے اس آگ کا رخ شمال کی جانب پھیر دیا۔ اور باشندگان شہر

پاک کو اپنے کرم کا امیدوار بنایا۔ بڑھتی ہوئی آگ اور اس کے شعلے جنگلوں کو چلے گئے۔ اس آگ کی مدت بقول مؤرخین تین مہینے تھی۔ اور قسطلانی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ اس آگ کی ابتدا چھٹی تاریخ جمادی الاخریٰ جمعہ کے دن سے ہوئی اور ۲۷ رجب اتوار کے دن تک رہی تو اس صورت سے اس کی کل مدت باون روز ہوئی۔ اب ان دونوں کلاموں میں بھی اختلاف پڑ جاتا ہے اس لیے بعض بیان کرتے ہیں کہ یہ آگ کبھی تیز ہو جاتی تھی اور کبھی پست۔ بہت ممکن ہے قسطلانی نے اُس آگ کے غلبہ کے زمانے کو معین کیا ہو اور مؤرخین نے اس کی مدت منقطع ہونے اور کل ہونے کی جس وقت کہ اس کا اثر بھی زمین پر باقی نہ رہا ہو بیان کی ہو۔ اس آگ کے یہ حالات تھے جو اس شہر مقدس میں ظاہر ہوئی تھی۔ اور حضرت سید مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کی وجہ سے کوئی آفت اس کو نہ پہنچی۔ اسی سال اطراف عالم میں بعض نادر واقعات ظاہر ہوئے۔ دجلہ بغداد بہت بڑی طغیانی پر رہا۔ جس نے اس جگہ کے اکثر مکانات غرق کر دیے اور بڑی بڑی عمارتیں منہدم ہو گئیں۔ دوسرے سال کی ابتدا میں اس آگ کے ظاہر ہونے کے بعد جو قیامت کبریٰ آئی وہ تاتاریوں کی یلغار تھی۔ تاتاریوں کے خروج لشکر سے مدینۃ الاسلام بغداد پر جو تباہی آئی اس میں آخری عباسی خلیفہ معتصم باللہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ قتل کر دیے گئے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک مہینہ چند دن ان کافروں کے ظلم کی تلوار اہل اسلام کے قتل میں کھنچی رہی۔ اس کے علاوہ دینی علوم کی کتابوں کو کتب خانوں سے نکال کر گھوڑوں کے پیروں سے روند ڈالا اور مدرسہ مستنصریہ میں بجائے اینٹوں کے کتابیں رکھ کر ناندیں جمائیں (جس میں چوپائے اپنی غذا کھاتے تھے) شہر بغداد اپنے باشندوں سے خالی ہو گیا۔ ان کفار نے آگ جلا کر دارالخلافۃ کے اکثر مکانات و مقامات کو اور محلات برامکہ کو بالکل جلا دیا۔ بغداد میں موت اور فنا وبا کے طور پر نازل ہوئی تھی اسی زمانہ سے خلفائے عباسیہ کے خلافت کی بساط لپیٹ لی گئی

وَلِلّٰهِ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ

ترجمہ: اللہ ہی کے لیے خلق ہے اور امر اسی کے لیے حکم ہے اور اسی طرف

لوٹائے جاؤ گے۔

قدرتِ خداوندی کے ان عجائبات کے منجملہ جو اس سال میں واقع ہوئے یہ ہے کہ اس آگ کے فرو ہو جانے کے بعد کسی خارجہ سبب سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں آگ لگی تا کہ لوگ جان لیں کہ حضرت رب العزت جل جلالہٗ کے افعال کی حقیقت اور اس کی حکمت کا ادراک بشر کی قدرت سے باہر ہے ہم کو بجز تفویض وتسلیم کے چارہ نہیں ہے م کند ہر چہ خواہد برد حکم نیست

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ہ

ترجمہ: نہیں سوال کیا جاتا ہے اس چیز سے کہ کرتا ہے اور وہ سوال کیے جائیں گے جبکہ آگ کسی خارجی سبب کے بغیر عالم غیب سے تھی تو مدینہ مقدسہ کو اس آگ سے محفوظ رکھنا اس کی خاص امتیازی صورت اظہار شرافت پر دلیل ہے جس سے اس کی دوسرے شہروں پر فضیلت اور بزرگی ظاہر ہے۔

تیسرا باب

ہجرتِ مدینہ

اس باب میں مدینہ پاک کے قدیم ساکنان کے زمانے سے حضور سید انام صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تک کی خبروں کا بیان ہے

علماء سیر وتواریخ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کی کشتی سے جو لوگ اترے ان کی مجموعی تعداد اسی (۸۰) تھی ان سب نے بابل کے اطراف میں سکونت اختیار کی۔ ان کی آبادی کا طول دس روز کی دوری اور عرض بارہ میل کی دوری تھا۔ ان سب کی اولاد سے ایک کثیر جماعت ہوگئی۔ یہ سب کے سب یکجا رہنے لگے۔ نمرود بن کنعان حام ان کا بادشاہ مقرر ہوا لیکن جب ان لوگوں کے درمیان مذہب کفر اور سرکشی ظاہر ہوئی۔ ان لوگوں میں اختلاف نے جگہ پکڑی اور ہر ایک نے ایک نیا طریقہ اختیار کیا۔ اور یہ بہتر (۷۲) زبانوں میں منقسم ہوگئے۔ ان میں سے ایک جماعت نے جو سام بن نوح کی اولاد تھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے الہام سے عربی زبان وضع کی۔ اور سرزمین مدینہ پاک پر سکونت اختیار کی۔ جس نے سب سے پہلے اس زمین پر زراعت کی اور کھجور کے درخت لگائے۔ یہی لوگ تھے ان کو عمالقہ اور عمالیق کہتے ہیں۔ اس لفظ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ لوگ عملاق بن ارفخشد بن سام بن نوح کی اولاد سے تھے۔ عمالقہ کو ایک مدت کے بعد اموال اور ملکیت میں وسعتِ عظیم حاصل ہوئی۔ بحرین، عمان اور حجاز سے شام اور مصر تک ان کے قبضہ میں آ گیا۔ شام کے جبابرہ اور مصر کے فراعنہ انہیں کے ذریات سے تعلق رکھتے تھے۔ حجاز میں ان کا بادشاہ ارقم ابن ابی الارقم ہوا ہے۔ ان کی عمریں دراز ہوتی تھیں۔ انہیں زمانہ کی موافقت اور خوش عیشی پوری پوری حاصل تھی۔ کہتے ہیں کہ چار چار سو برس گزر

جاتے تھے جنازہ کی صورت تک نہ دکھلائی پڑتی تھی نہ نوحہ کی آواز سنی جاتی تھی۔ اس سرزمین کے اطراف عمالقہ کے بعد یہود کے قدموں سے پامال ہوئے اور اس قوم کا وطن بنے۔ علماء تاریخ یہودیوں کی اور ان کے متوطن ہونے میں اختلاف رکھتے ہیں۔ زرین جو اکابر علماء حدیث سے تعلق رکھتے ہیں ابوالمنذر شرقی سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی بنیاد کے متعلق میں نے ایک حدیث سلیمان بن عبداللہ بن حنظلہ الغسیل رضی اللہ عنہ سے سنی ہے اور اسی کے موافق حدیث بعض قریش کے ذریعہ عبداللہ بن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے بھی پہنچی ہے۔ دونوں حدیثوں کا مادہ اتفاق مؤرخین کی صورت اختلاف سے زائد ہے۔ میں نے دونوں مضمونوں کو یہاں پر ایک دوسرے کے ساتھ جمع کر دیا ہے اور یہ اس طرح ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام ارکان حج ادا کرنے کے لیے مکہ معظمہ تشریف لائے تو اس سفر میں بنی اسرائیل کی کثیر جماعت بھی آپ کے ہمراہ تھی۔ حج سے لوٹتے وقت ان لوگوں کا گزر مدینہ طیبہ کی زمین پر ہوا اور اس مقام میں وہ تمام آثار و اوصاف موجود دیکھے جو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے وطن میں توریت کی پیش گوئی کے مطابق ہونا چاہیے تھے تو ان میں سے ایک گروہ نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کی ہمراہی ترک کرنے کے متعلق مشورہ کیا اور جدا ہو کر اسی مقام پر مقیم ہو گئے۔ بدووں کی ایک جماعت ان کے ساتھ ہو گئی۔ یہ جماعت حجاز کے اطراف میں سکونت پذیر تھی اس جماعت نے انہیں کا مذہب بھی اختیار کر لیا اس قول کے مطابق جو لوگ پہلے پہل اس جگہ آباد ہوئے وہ یہود ہیں لیکن اصحاب فنِ تاریخ کے نزدیک یہ بات راجح ہے کہ اس مقام پر یہود سے پہلے عمالقہ سکونت رکھتے تھے۔ اور یہود ان کے بعد پہنچے ہیں واللہ اعلم۔

ابن زبالہ عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ جب عمالیق اس شہر میں منتشر ہوئے اور مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، حجاز اور ان کے علاوہ دوسرے شہران کے قبضہ میں آ گئے تو تکبر، سرکشی اور نافرمانی پیدا ہو گئی۔ یہ بُرائیاں سلطنت اور ملک کے لوازمات میں سے ہیں چنانچہ یہ بُرائیاں ان میں بھی آ گئیں۔ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد ملک شام کو فتح کر لیا اور جو کنعانی یہاں موجود تھے انہیں ہلاک کر دیا۔

یہاں سے فارغ ہو کر عمالیق کے قلع قمع کے لیے ایک بڑی فوج ملک حجاز روانہ کر دی اور ان لوگوں کے استیصال کے علاوہ عورتوں اور بچوں کے لیے آپ نے فرمایا کہ ان پر جبر اور زیادتی نہ ہو۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام کے حکم کے مطابق اس قوم کو ان کے بادشاہ ارقم بن الارقم سمیت قتل کر دیا۔ لیکن ان لوگوں میں ارقم کی اولاد میں ایک جوان دیکھا گیا جو نہایت ہی حسین و جمیل تھا۔ اس کی حسین صورت دیکھ کر اس کے قتل میں توقف سے کام لیا۔ یہ انسان کی بشری کمزوری ہے اور اس کے لیے حضرت موسیٰ کے جدید حکم کے متمنی ہوئے۔ یہ لوگ جناب موسیٰ علیہ السلام کی طرف چلے۔ ان لوگوں کے منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہی حضرت موسےٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کا طائر روح بہ فتوح پرواز کر گیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کے فتح کی خبر بنی اسرائیل کے کان میں پہنچی تو فرط خوشی میں ان کے استقبال کو آئے اور کیفیتِ حال دریافت کی۔ ان لوگوں نے کہا کہ بجز اس جوان کے جس کا قتل نبی اللہ کے حکم پر موقوف کر رکھا ہے اور اپنے ساتھ لائے ہیں اس قوم کے کسی فرد کو عورتوں اور بچوں کے سوا زندہ نہیں چھوڑا ہے۔ بنی اسرائیل نے یہ بات سن کر فوج سے کامل علیحدگی اختیار کی۔ انہوں نے کہا کہ یہ گناہ ہے جو تم لوگوں نے اپنے پیغمبر کے حکم کے خلاف راستہ اختیار کیا ہے لہٰذا تم لوگوں کی ہمارے درمیان کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس فوج کے لوگوں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ موجودہ صورت میں ہمارے لیے دوسرا کوئی مقام اس مقام سے بہتر نہیں ہے جس مقام سے ہم لوگ آ رہے ہیں اس لیے وہ لوگ سرزمین حجاز کو واپس چلے گئے اور وہیں مستقلاً بود و باش اختیار کر لی۔ یہ ہے سرزمین حجاز میں عمالقہ کی ہلاکت اور یہود کے مستقلاً سکونت اختیار کر لینے کی تاریخی حقیقت۔

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ صحیح تر وہی بات ہے جو طبری نے کہی ہے کہ سرزمین حجاز میں بنی اسرائیل کی آمد بخت نصر کے زمانہ میں تھی۔ جس وقت بخت نصر نے ملک شام کو برباد کیا اور بیت المقدس کو ویران کر ڈالا اور بعض اصحاب تاریخ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل بخت نصر کے ظلم میں گرفتار ہوئے اور اس قوم میں ذلت نے قبضہ جما لیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور ملک عرب کے سوا سکونت کی کوئی تدبیر

نہ ہوئی۔ ان کے علماء اور احبار اپنی کتاب میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف پڑھتے تھے کہ پیغمبر آخرالزماں ان صفات کے ساتھ عرب کے شہروں میں سے کسی ایک شہر میں کہ اس کو ذات نخل کہتے ہیں ظہور فرمائیں گے۔ چنانچہ شام کی آبادی سے نکلنے کے بعد عرب کی بستیوں میں سے جس بستی میں بھی نعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار پاتے تھے اسی مقام کو اپنا وطن بنا لیتے تھے یہاں تک کہ یثرب کو جمیع صفات مذکورہ سے موصوف پایا۔ اور ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک جماعت یہاں پر مقیم ہو گئی۔ ان کی دوسری جماعتیں اس کے اطراف خیبر وغیرہ میں رہ گئیں۔ جب ان کے بزرگ اس دنیا سے سفر کرتے تو اپنی اولاد کو وصیت کر جاتے تھے کہ جب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آئے تو ان کی اتباع کو لازم اور واجب جاننا اور ان کی بیعت وطاعت سے منہ نہ پھیرنا۔ لیکن طلوع آفتاب نبوت کے بعد شرق بلخی کے مقابلے میں انصار نے سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کی سعادت حاصل کر لی۔ اس کی تفصیل آگے وضاحت سے آئے گی۔ یہود نا عاقبت محمود اپنے حسد اور عداوت کفر کی قید میں گرفتار ہو کر عذاب ابدی میں پھنس گئے۔ ورنہ اس وقت سے پہلے جب یہود وانصار میں لڑائی ہوتی تھی تو یہود کہتے تھے کہ کل جب نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم ظہور فرمائیں گے تو ہم تم کو درست کر دیں گے۔ لیکن سعادت ازلی انصار کی طرف سبقت کر گئی اور معاملہ یہود کی توقع کے خلاف ہوا۔ مصرع

ایں کار دولت است کنوں تا کرا رسد

بیت

سعادت بہ بخشایش داور است

بہ بر کف وبازوئے زور آور است

ابن شیبہ جابر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ جب موسیٰ اور ہارون علیہم السلام ارکان حج ادا کرنے کے بعد ملک شام کی طرف متوجہ ہوئے تو ان کا گزر سرزمین مدینہ پر بھی ہوا۔ آپ نے یہود بے بہبود سے کچھ خوف محسوس کیا اور آپ نے اپنا سامان اقامت یہودیوں کے ساتھ سے علیحدہ کر کے کوہ اُحد پر فروکش ہوئے اسی مدت میں

ہارون علیہ السلام نے دار فانی کو چھوڑ کر دار بقا کو لبیک کہا۔ ہارون علیہ السلام کی وفات کا واقعہ اس طرح ہے کہ جب قاصد اجل دربار سلطانی سے ان کے لیے آیا تو موسیٰ علیٰ نبینا علیہ السلام نے کوہ احد پر ان کے لیے ایک قبر کھودی اور فرمایا کہ اے میرے بھائی تمہاری موت قریب آ گئی ہے اب اس عالم کی طرف متوجہ ہو جاؤ ہارون علیٰ نبینا وعلیہ السلام زندگی کی حالت میں ہی قبر کے اندر اتر کر لیٹ گئے اور اسی مقام پر آپ کی روح پاک قبض کی گئی۔ موسیٰ علیہ السلام آپ کی قبر کو مٹی سے ڈھانک کر رخصت ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

اکثر قبائل یہود کی سکونت مدینہ کے اطراف میں تھی۔ یہ لوگ مسجد قبا کے بالائی حصہ اور اس کے اطراف میں نہایت فارغ البالی اور خوش حالی سے زندگی گزارتے تھے یہاں تک کہ پروردگار عالم کی حکمت اس بات کی متقضی ہوئی اور اوس وخزرج (انصار کے قبائل انہی کی اولاد سے ہیں) ان پر غالب آئے اور انہیں ہلاک کیا۔

فصل۔ اس فصل میں یہود پر انصار کے غلبہ کا بیان ہے۔ یہاں پر اختلافی روایات کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اور ان سے قطع نظر کیا گیا۔ بعد حذف کرنے روایات اور قطع نظر اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یعرب بن قحطان کی اولاد میں سے ایک قوم اور اکثر مورخین کے بقول شالخ بن ارفشد بن سام بن نوح کی اولادوں نے یمن کے ملک میں سکونت اختیار کی یہ علاقہ سبا کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی صفت قرآن مجید میں بھی بیان کی گئی ہے اور جو بلدۂ طیبہ سے موسوم ہوا ہے۔ یہ لوگ یہاں عیش وعشرت کی زندگی گزارتے تھے یہاں ماہ رب سے لے کر زمین شام تک (جیسا کہ کلام الٰہی کا بیان ہے) مواضعات اور بستیوں کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ یہ بستیاں مسلسل باغات وعمارات سے آراستہ تھیں۔ اس راستہ پر چلنے والے کے لیے اسباب سفر اور زادراہ کی فکر یا منزل کے لیے کوئی تدبیر کرنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ یہاں تک کہ جب اس ملک کے کمزور آدمی گھر سے باہر نکلتے اور سروں پر ٹوکریاں رکھ لیتے اور اپنے ہاتھوں کو سوت بٹنے میں مشغول رکھتے تو ایسی حالت میں جب وہ درختوں کے نیچے سے گزرتے تو بغیر میوہ توڑے ہوئے ان کی ٹوکریاں میووں سے بھر جاتی تھیں۔ اس قسم کی آباد اور شاداب زمین جس کی صفت تم نے سنی اپنے طول اور عرض میں دو مہینے کی

راہ کے مقدار میں تھی اس ملک کے رہنے والے سب کے سب ایک مذہب پر متفق ہو کر امن وامان کی زندگی بسر کرتے تھے۔ چونکہ کفرانِ نعمت اور ناحق شناسی ابن آدم کی فطرت میں ہے۔ اس لیے اس نعمت کی قدر نہ کرتے ہوئے انہوں نے خدا سے درخواست کی کہ اس ملک کی آبادی کم ہو جائے تاکہ سواری کے ذریعہ منزل کو قطع اور مسافت کو طے کیا کریں اور زادراہ لے کر سفر میں سیر و تفریح حاصل کریں۔ اس دعاء کی اجابت میں قادر مختار جل جلالہ نے عجلت فرما کر قہر و بلا کی فوجیں ان کے شہر کی طرف بھیج کر جمی جمائی صورت منتشر اور متفرق کر دی۔

لَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ

ترجمہ: بے شک اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔

سیل عرم (بعض مفسرین نے اس کو باران شدید سے تفسیر کی ہے اور بعضوں نے سیل فنا سے) ان کے ملک پر بھیجا۔ بقول لقمان اکبر آبادی اس سیل عرم کا بند طول میں ایک فرسنگ تھا۔ اور ایک روایت میں یہ ہے۔ سبا بن یشجب کے تمام ملک یمن کے نالوں پر بندھا ہوا تھا وہ ٹوٹ گیا۔ بیان کرتے ہیں کہ اس کے ایک پتھر کو پچاس توانا آدمی اس کی جگہ سے حرکت نہ دے سکتے تھے لیکن اس کو ایک ٹڈی اس بند سے کھود کر علیحدہ کر دیتی تھی۔

کہلان بن سبا کی اولاد جو یمن کی رئیس تھیں ان لوگوں میں عمرو بن عامر ماء السماء نامی شخص سب سے بڑا رئیس تھا۔ اور اموال و اولاد کی کثرت میں بھی ان سب پر فوقیت رکھتا تھا۔ اس کی بیوی جس کا نام طریقہ حمیریہ تھا بہت بڑی کاہنہ تھی۔ بند کے واقعہ کے وقوع ہونے سے پہلے بعض ایسی علامات کو جن کا پہچاننا کاہنوں کے ساتھ مخصوص ہے اس نے دریافت کر کے اپنے شوہر کو اس سے آگاہ کر دیا تھا۔ عمرو نے اپنی بیوی کی پیشگوئی کی وجہ سے اس شہر سے نکلنے کا پختہ ارادہ کر لیا لیکن اس کا اپنی اقوام کے درمیان سے بغیر کسی سبب کے نکلنا جو اُن کو معلوم نہ ہو بعید تھا اس لیے اس معاملے میں ایک حیلہ سے کام لیا تاکہ یہ حیلہ اس کی جلاوطنی کا ذریعہ بنے اس کے پاس ایک یتیم تھا جس نے برسوں اس کے سایہ میں پرورش اور تعلیم پائی تھی اس سے خلوت میں بطور صلاح کے کہا کہ جس وقت قبیلہ کے رؤسا میرے پاس

موجود ہوں اس وقت تم مجھ سے سخت کلامی کے ساتھ پیش آنا۔ اور اگر اس وقت میری زبان سے تیری نسبت اہانت آمیز الفاظ نکلیں تو تجھے اس کی اجازت ہوگی کہ حدِ اعتدال سے تجاوز کر جانا کہ مجھ کو جلا وطنی کے لیے لوگوں کے سامنے عذرِ صریح حاصل ہو جائے۔ اس صلاح کے بعد اس نے رؤسائے قبیلہ کی دعوت کر دی۔ اثنائے کلام میں اس صلاح مشورے کے مطابق جو اس نے یتیم کو سکھا رکھا تھا کوئی بات سخت کہہ دی۔ یتیم نے اس کے مقابلے میں اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ استعمال کئے اور ایک طمانچہ بھی اس کے چہرے پر رسید کیا۔ عمرو مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ میں اس ملک میں نہیں رہ سکتا۔ اس لیے کہ جس یتیم کو میں نے برسوں اولاد کی طرح پرورش کیا ہے۔ آج اس نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا تو خدا جانے دوسرے لوگ کیا کریں۔ تمام سامان اور زمین جو اس کی ملکیت میں تھی فروخت کر دی۔ اہل قبیلہ میں جو لوگ اس سے عداوت رکھتے تھے اس کو غنیمت سمجھا اور کل اسباب اور جائیداد کو خرید لیا۔ عمرو اپنے تیرہ لڑکوں کے جو سب کے سب طریفہ حمیریہ کی اولاد تھے اور مع دوسری جماعت اولاد کہلان بن سبا کے باہر نکل آیا اس طرح اس نے عذاب غرق اور ہلاکت سیل عرم سے نجات پائی۔ اس ملک کے بقیہ باشندے طوفانِ نافرمانی میں غرق ہو گئے۔ لیکن ان سب کی نجات کا اصل سبب یہ ہے کہ حضرت سید مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار کا وجود انہیں لوگوں سے مقدر ہو چکا تھا لہٰذا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ کے حکمِ الٰہی نے ان کی بقا اور سلامتی کا تقاضا کیا جب عمرو بن عامر نے سفر کر کے ہر ایک شہر کی صفت اپنی اولاد سے بیان کی تو ہر ایک نے اپنی خواہش اور میلانِ طبیعت کے موافق ایک شہر کو اختیار کیا۔ ان کے بڑے لڑکے نے جن کا نام ثعلبہ بن عمرو ہے (یہی مورث اعلیٰ اوس وخزرج کے ہیں) ملک حجاز کو پسند کیا۔ جب ان کی اولاد کثیر ہوئی تو یثرب کی جانب متوجہ ہوئے اور یہودیوں کے درمیان سکونت اختیار کی اس وقت تک یثرب یہودیوں کا مسکن تھا۔ ان کو یہاں رہتے ہوئے جب ایک زمانہ گزر گیا اور یہودیوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تو اوس وخزرج کو بھی دولت وثروت حاصل ہوگئی اب قریظہ ونضیر نے جو یہود کے قبائل تھے۔ ان کے ساتھ ستم ظریفی شروع کی اور ان کا مال بھی غصب کرنے لگے۔ اس صورت میں ان کا

باہمی عہد اور حلف ٹوٹ گیا۔ بڑھتے بڑھتے یہودیوں کے مظالم ان کے ساتھ اس درجہ کو پہنچ گئے کہ کوئی نئی دلہن اپنے شوہر کے گھر اس وقت تک نہ جا سکتی تھی تاوقتیکہ یہود کا دست تصرف اس کی مہر امانت کو پارہ پارہ نہ کر دے۔ اوس اور خزرج اپنی فریاد ابوجبیلہ کے پاس لے گئے۔ ابوجبیلہ ان کا ہم قوم تھا اس نے زمانہ انتشار میں ملک شام پر قبضہ کر کے ایک سلطنت قائم کر لی تھی ابوجبیلہ نے اوس اور خزرج کی حمایت میں ایک فوج عظیم مدینہ کی طرف روانہ کر دی۔ جس نے اوس وخزرج کی مدد کرتے ہوئے قبائل یہود سے ان کے ظلم کا بدلہ لے لیا۔ اور یہ اپنے استقلال کی وجہ سے مدینہ کی ہر بلندی اور پستی پر قابض ہو گیا۔ یہود کا مال اور جائیداد چھین لیا جب یہود کو جنگ وجدل سے فراغت ہوئی تو ایک دوسرے سے نسبت اُخوت قائم کر کے ایک مدت تک اتفاق کے ساتھ رہتے رہے۔ آخرکار اوس اور خزرج کے درمیان بھی آتشِ جنگ مشتعل ہوئی اور یہ دونوں قبائل ایک سو بیس سال تک آپس میں لڑتے رہے یہاں تک کہ دولتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور اور کلمہ توحید اور اسلام کی سعادت حاصل کرنے کے سبب ان میں محبت اور اُلفت کا تعلق مضبوط اور استوار ہو گیا۔ چنانچہ آیت کریمہ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب کہ تم آپس میں دشمن تھے۔ پس ہم نے الفت پیدا کر دی۔ تمہارے دلوں کے درمیان میں۔

اوس وخزرج کی عداوت کا محبت سے بدل جانا۔ حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے اور مدینہ طیبہ میں انصار کی سکونت کی کیفیت جس طریقہ پر مشہور ہے وہ بھی خبروں میں سے ہے۔ بعض مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ جب تبع ممالک شرقیہ کی تسخیر کو نکلا تو اس کا گزر مدینہ منورہ میں ہوا اپنے لڑکوں میں سے ایک کو اس مقام پر خلیفہ بنا کر خود شام وعراق کی جانب متوجہ ہو گیا۔ اہل مدینہ نے اس کے لڑکے کو دغا اور بدعہدی سے مار ڈالا۔ تبع اپنے لڑکے کا انتقام لینے کی غرض سے پھر مدینہ واپس آیا اور ان لوگوں کو

قتل کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اس معرکے میں خود اس کا گھوڑا مارا گیا اس پر اس نے قسم کھائی کہ جب تک اس شہر کو خراب نہ کرلوں گا قدم آگے نہ اٹھاؤں گا اس وقت یہود کے بعض علماء اس کے سامنے آئے اور کہا کہ یہ شہر حفاظت الٰہی میں محفوظ ہے اس کو کوئی شخص برباد نہیں کرسکتا۔ ہم نے اپنی کتاب میں اس کے اوصاف پڑھے ہیں اور اس کا نام طیبہ ہے۔ یہ پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا دارالہجرت ہے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہوں گے۔ آپ اس کی ویرانی کا خیال تک دل میں نہ لائیں اور اپنے ارادہ سے باز رہیں۔ تبع اس بات کو سن کر اپنے خیال سے باز آیا اور اپنے ہمراہ علماء کی ایک جماعت لے کر یمن کو روانہ ہوا اور علماء یہود کی باتوں سے نصیحت پکڑی۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ تبع نے ایک مکان نبی آخرالزماں کے لیے بنوایا اس کے ساتھ چار علمائے توریت تھے لیکن انہوں نے اس کا ساتھ چھوڑ کر مدینہ منورہ کو اقامت اس آرزو میں اختیار کی کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل کریں۔ تبع نے ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک مکان تعمیر کرا دیا۔ اور ان کی خدمت کے لیے باندیاں مقرر کر دیں۔ نیز مال کثیر دے دیا اور ایک کتاب لکھی جس میں اپنے اسلام کی شہادت کا اظہار کیا۔ اس کتاب میں سے چند ابیات یہ ہیں:

اشعار

شهدت علی احمد انه

رسول من اللّٰہ باری النسم

فلو مد عمری الیٰ عمره

لکنت وزیرا له وابن عم

ترجمہ: (گواہی دیتا ہوں میں اوپر احمد کے کہ بے شک وہ رسول ہیں اللہ کی جانب سے وہ اللہ جو پیدا کرنے والا ہے روحوں کا۔ پس اگر دراز ہو میری عمر ان کے وقت تک تو البتہ ہو جاؤں گا میں ان کا وزیر اور بھائی۔)

اور اس کتاب کو مہر کر کے اس جماعت کے سب سے بڑے عالم کے سپرد کی اور

وصیت کر دی کہ اگر وہ نبی آخر الزماں ﷺ کا زمانہ پاوے تو اس کتاب کو اُن کی خدمت میں پہنچا دے ورنہ اپنی اولاد کو اور وہ اولاد اپنی اولاد کو اسی ہدایت کے ساتھ منتقل کرتی رہے اور ایک مکان خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تعمیر کرایا تا کہ تشریف آوری کے وقت اس میں نزول فرمائیں۔ علمائے یہود میں سے ایک کو اس کا متولی بنا دیا۔ آنحضرت ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں قدم رنجہ فرمایا یہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی عالم کی اولاد میں سے ہیں اور اہل مدینہ میں سے جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی مدد اور اعانت کی وہ انہی علماء کی اولاد میں سے تھے۔ کہتے ہیں کہ وہ کتاب حضور ﷺ کی تشریف آوری کے زمانہ تک حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھی اور انہوں نے یہ کتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی واللہ اعلم۔

باب چہارم

جن ذرائع سے سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس شہر جامع البرکات میں تشریف لائے

حضرت سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات قوانین شرعیہ کی کثرت کے بعد قریش کی شدید جہالت اور عداوت کے پیش نظر تبلیغ رسالت کے لیے سنت الٰہی کے قطعی فیصلہ کے منتظر تھے تاکہ حضرت مسبب الاسباب کوئی سبب پیدا کر دیں۔ اور کسی قوم کو مقرر فرما دیں جو دین کی مددگار اور دشمنوں کو دفع کر دینے والی بنے۔ اور احکام شرعی کو علم خداوندی کے طریقے پر ظاہر کیا جا سکے۔ اسی لیے ان مجمعوں اور میلوں میں جہاں پر اقوام عرب اور ان کے قبیلے جمع ہوتے تھے تبلیغ دین اور اپنی رسالت منوانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے کہ شاید کسی شخص کو قبول کر لینے اور اعانت کی توفیق حاصل ہو تمام عرب قبائل اس سعادت کے حاصل کرنے اور آپ کی حقانیت کو قبول کرنے میں متردد تھے۔ وہ لوگ آپس میں یہ کہتے تھے کہ جو لوگ آپ کے کنبے قبیلے سے ہیں ان کو ہم سے زیادہ حقانیت پر متوجہ ہونا چاہیے تھا۔ جب وہی ان کے حلقہ اطاعت میں نہ آ سکے تو دوسروں کو کیا غرض پڑی ہے۔ اسی اثنا میں قبیلہ بنی عبدالاشہل قریش سے معاہدہ کرنے کی غرض سے مدینہ سے مکہ میں آئے ہوئے تھے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت فرمائی ان میں سے ایک جوان نے جس کا نام ایاس بن معاذ تھا اپنی قوم سے کہا اے ہماری قوم کے لوگو ان سے بیعت کر لو۔ خدا کی قسم یہ عہد اس معاہدہ سے بہتر ہے جو تم قریش سے کرو گے اور یہ کام اس کام سے بہت ہی اچھا ہے جس کے لیے تم آئے ہو۔ اس

نوجوان کے بعد ایک دوسرا آدمی جو اس قوم کا سردار تھا کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ ہرگز نہیں' ہم اس دعوت کو قبول نہ کریں گے۔ دوسروں نے بھی اس خوف سے سکوت اختیار کیا۔ یہ لوگ عہد نامہ قریش اور بیعت اسلام دونوں باتوں پر غور کرتے ہوئے اپنے شہر کو واپس چلے گئے۔ بعد میں ایاس ابن معاذ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس نے حالتِ اسلام میں انتقال کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت مسبب الاسباب جل ذکرہٗ کی مشیت کا تقاضیٰ یہ ہوا کہ مدینہ منورہ سے اوس وخزرج کی جماعت حج کے زمانے میں آئی ہوئی تھی اور آنحضرت ﷺ بھی خدا کے حکم سے اہل عرب کے مجمع اور مجلسوں میں اظہار حق فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اس جماعت پر بھی آپ کا گزر ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم لوگ مدینہ سے آئے ہو ان لوگوں نے عرض کیا ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ بیٹھو تو ہم تم سے ایک بات کہیں' وہ سب کے سب بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پروردگار عالم نے مجھ کو مخلوق میں رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر ایک کتاب بھی نازل کی ہے۔ میری قوم اوامر الٰہی کی تبلیغ سے مانع ہوتی ہے اگر تم لوگ ایمان لاؤ اور دین اسلام کی تائید کرو تو سعادت ابدی کو پہنچ جاؤ گے۔

یہ لوگ اس بات کو سن کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور آپس میں کہا کہ یہ وہی پیغمبر آخر الزماں ہیں جن سے یہود ہم کو ڈرایا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امروز فردا میں آفتابِ رسالت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم طلوع ہو گا اور ہم ان کے سایہ حمایت میں تم کو اس طرح قتل کریں گے جس طرح عاد ارم کو قتل کیا تھا۔ ان پر جلد از جلد ایمان لے آؤ تاکہ دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل ہو۔ چنانچہ اوس خزرج نے بیعت اسلام کی سعادت حاصل کی اور دینِ حق کی امانت وعہد کو قبول کر کے اپنے شہر کو واپس ہوئے۔ تاریخ میں اس بیعت کو بیعت العقبۃ الاولیٰ کہتے ہیں اس لیے یہ بیعت پہلی مرتبہ عقبہ کے نزدیک (جو منیٰ کا ایک پہاڑ ہے) واقع ہوئی ہے اس وقت یہاں پر لوگوں نے ایک مسجد بنائی تھی۔ وہاں کی حاضری اور اس قصہ کو یاد کرنا آج بھی مشتاقوں کو نور اور ایمان بخشتا ہے۔

عقبہ اولیٰ کے لوگ جو کل چھ آدمی ہیں انہی میں اسعد ابن زرارہ و جابر بن عبداللہ شامل ہیں۔ جب یہ جماعت مدینہ منورہ واپس پہنچی اور اپنی قوم کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی خبر پہنچائی تو انصار کا کوئی گھر اور کوئی مجلس ایسی نہ تھی جو آنحضرت ﷺ کے ذکر سے منور اور معطر نہ ہوئی ہو۔

دوسرے سال زمانہ حج میں بارہ شخص آئے ان میں چھ آدمی مذکورہ بالا بھی شامل تھے اور عبادہ بن الصامت اور عویم بن ساعدہ بھی انہیں میں سے ہیں۔ یہ لوگ حاضر ہو کر اسی عقبہ کے قریب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف بیعت سے مشرف ہوئے لیکن اس زمانے میں فرائض اسلام میں سے بجز توحید و نماز کے کوئی چیز واجب نہ ہوئی تھی۔ ان لوگوں کی درخواست پر آنحضرت ﷺ نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو تعلیم قرآن فقہ دین اور اقامت جماعت کے لیے ان کے ہمراہ روانہ فرمایا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جب ان بارہ آدمیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچے اور ایک روایت کے مطابق چالیس آدمیوں کے ساتھ گئے تو اسعد بن زرارہ کی اعانت سے مدینہ منورہ میں جمعہ قائم کیا یہ سب سے پہلا جمعہ تھا جو اس شہر معظم میں ادا کیا گیا۔ اس کے بعد دعوت اسلام اور مسائل شرعیہ کی تبلیغ میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ ایک دن بنی عبدالاشہل کے ایک باغ میں مجمع ہوا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے تلاوت قرآن پاک فرمائی اور احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا یہ خبر سعد بن معاذ تک پہنچی۔ سعد بن معاذ اکابر قوم میں سے تھے اور اسعد بن زرارہؓ کے خالہ زاد بھائی تھے وہ نیزہ ہاتھ میں لیے ہوئے اس باغ کے دروازے پر آ کر کھڑے ہو گئے اور جیسا کہ رؤسا اور بڑے لوگوں کا قاعدہ ہے زجر و توبیخ شروع کی اور کہا کہ اپنے شہر کا اللہ ہوا یہ غریب کس لیے ہمارے مکان کے دروازے پر آیا ہے اور احمقوں کو راہ سے بے راہ کرتا ہے۔ جو باتیں کسی نے آج تک نہیں سنی تھیں یہ کہتا ہے۔ اگر آج کے بعد یہ یہاں دوبارہ آئے گا تو سزا پائے گا سعد بن معاذ کی اس تقریر سے مجمع میں جو امید افزا صورت پیدا ہوئی تھی وہ ٹوٹ گئی۔

دوسرے دن مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اسعد ابن زرارہ کے ہمراہ اسی مقام کے

قریب دعوتِ اسلام اور تلاوت قرآن کے لیے دوبارہ پہنچے یہ خبر سعد بن معاذ کو پہنچائی گئی وہ فوراً آ گئے آج بھی اگرچہ وہ منکر تو تھے لیکن اس درجہ کا غصہ نہ تھا جیسا کہ کل رکھتے تھے اسعد بن زرارہ نے جب ان کو کسی قدر نرم دیکھا تو سامنے آئے اور کہنے لگے کہ اے میرے خالہ زاد بھائی پہلے سن لو کہ یہ آدمی کیا کہتا ہے اگر بُری بات کہتا ہو یا گمراہی کی راہ پر بلاتا ہو تو آپ کوئی اس سے بہتر چیز پیش کیجیے اور راہ راست دکھلائیے۔ اگر یہ اچھی بات کہتے ہیں اور ہدایت پر ہیں تو کس لیے ان کو بُرا کہتے ہو اور ان کے وجود کو غنیمت کیوں نہیں سمجھتے۔ سعد بن معاذ نے کہا کہ اچھا کہیں کیا کہتے ہیں۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے یہ سورۃ تلاوت کی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

ترجمہ: قسم ہے اس کتاب واضح کی، ہم نے رکھا اس کو قرآن عربی زبان کا۔ شاید تم بوجھو اور یہ بڑی کتاب ہمارے پاس ہے اونچا اور محکم۔ کیا پھیر دیں گے ہم تمہاری طرف سے یہ سمجھوتی موڑ کر، اس سے کہ تم ہو لوگ جو حد پر نہیں رہتے اور بہت بھیجے ہیں ہم نے نبی پہلوں میں اور نہیں آتا لوگوں کو کوئی پیغام لانے والا، جس سے یہ ٹھٹھا نہیں کرتے۔ پھر کھپا دیے ہم نے ان سے سخت زور والے اور چلی آئی ہے حقیقت پہلوں کی۔ (سورہ الزخرف۔ پارہ ۲۵)

سعد بن معاذ یہ کلمات سن کر اپنی جگہ سے اٹھے اور عبرت پکڑی اگرچہ فوراً کلمہ شہادت کا اظہار تو نہیں کیا لیکن ان کے دل میں نور ایمان نے جگہ پکڑ لی تھی۔ سعد بن معاذ جب اپنی قوم میں واپس پہنچے تو تمام قبیلہ بنی عبدالاشہل کو بلا کر اظہار اسلام کیا اور ان لوگوں کو بھی دین اسلام کی دعوت دے کر کہا کہ جس شخص کو بھی خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس میں اگر کوئی شک

ہو تو بسم اللہ اس سے بہتر چیز لا دے تاکہ میں بھی جان لوں کہ کیا لاتا ہے۔ قسم خدا کی یہ ایک ایسا امر ہے کہ اس پر جانیں قربان ہوں گی اور سر اس کے راستے میں رکھے جائیں گے اس کے بعد دریافت کیا اے بنی عبدالاشہل اپنی قوم میں مجھ کو کس درجہ کا سمجھتے ہو اور مجھے کتنا عاقل و دانا شمار کرتے ہو لوگوں نے کہا کہ انت سیدنا و افضلنا یہ سن کر کہنے لگا کہ تمہارے زن و مرد سے کلام کرنا اس وقت تک مجھ پر حرام ہے جب تک خدا و رسول پر تم لوگ ایمان نہ لاؤ گے۔

اس کے بعد اسلام نہایت تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا اور انصار کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جو نور اسلام سے منور نہ ہوا ہو۔ اشراف قبائل اور اکابر قوم ایمان لے آئے۔ اور بتوں کو توڑ کر توحید و اسلام کے سایہ عاطفت میں آ گئے۔ والحمد للہ علی ذلک جناب رسول خدا ﷺ کے فرمان کے مطابق احکام اور قوانین شرعیہ کی تعلیم دینے لگے۔

فصل۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ موسم حج میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس تشریف لائے ان کے ہمراہ جماعت کثیر شوق ملاقات اور شرف بیعت سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کرنے کی غرض سے اپنے ہم قوم مشرکین حجاج کے قافلے کے ساتھ مکہ میں پہنچی۔ اس جماعت نے سعادت ملاقات سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کی اور تشریق کی درمیانی راتوں میں عقبہ مذکور میں جمع ہونے کا وعدہ کیا۔ جب وعدہ کی رات آئی تو دو تہائی رات گزرنے کے بعد تہتر آدمی خفیہ طریقے سے اپنے ہم قوم مشرکوں کے درمیان سے نکل کر چلے آئے اور عقبہ کے قریب پہاڑ کے درہ میں جمع ہو کر طلوع جمال سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر ہو بیٹھے۔ آنحضرت ﷺ بھی اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کے ہمراہ جو اس وقت تک مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے مقام مذکور میں تشریف لائے تاکہ اس جماعت سے بیعت لیں۔ عباس نے کہا اے قوم تم جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں عزت و شرف کی حیثیت سے بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ ہم نے ہر چند ان کو منع کیا لیکن انہوں نے ہماری بات نہیں سنی اور آپ لوگوں کے اجتماع سے باز نہ آئے۔ اب اگر آپ لوگوں کے وفائے عہد کا پختہ اور مضبوط ارادہ ہے تو فہو المراد ورنہ ابھی

وقت کہہ دو تا کہ پھر پشیمان نہ ہو اور ہم کو عداوت و دشمنی کے مقام پر مت آنے دو۔

لوگوں نے کہا کہ اے عباس جو کچھ تم نے کہا ہم نے سنا اور جان لیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ اپنے یا اپنے پروردگار کے لیے جو اقرار ہم سے لینا چاہتے ہیں وہ لے لیجیے۔ بسم اللہ ہم تیار ہیں۔ حضرت سید کائنات علیہ افضل الصلوات نے قرآن عظیم کی تلاوت فرمائی اور انہیں دین اسلام کی ترغیب دی۔ اور فرمایا خدا کا عہد یہ ہے کہ اس کی عبادت کرو۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو۔ اور میرا عہد یہ ہے کہ رسالت کی تبلیغ میں میری امداد اور اعانت کرتے رہو۔ جو کوئی اس امر میں رکاوٹ پیدا کرے اس کے ساتھ جہاد اور قتال سے پیچھے نہ ہٹو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا سے لڑائی اور جنگ کا کام چلا آتا ہے۔ لیکن ہمارے اور یہود کے درمیان عہد و حلف کا راستہ ہے لیکن اب ہم اس کو بھی قطع نظر کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ اپنے وطن کو واپس آئیں، اپنی قوم سے رجوع کر لیں اور ہم کو تنہا چھوڑ دیں۔ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کہا کہ ایسا نہ ہو گا۔ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے۔ جان جان کے ساتھ اور تن تن کے ساتھ۔ میری زندگی تمہیں میں گزرے گی اور میری موت بھی تمہارے ہی ساتھ ہو گی وہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) اگر ہم آپ کی محبت میں مار ڈالے جائیں اور ہماری جان و مال آپ پر قربان ہوں تو اس کا کیا بدلہ ہے۔ فرمایا:

جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔

ترجمہ (جنتیں ہیں کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں)

سب نے عرض کیا کہ یہ بیع نافع ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ۔ ابسط یدك فقد بایعنا ك۔

ترجمہ (بسم اللہ یا رسول اللہ بڑھایئے اپنے ہاتھ کو ہم نے آپ کی بیعت کی)

اس کو بیعت عقبہ کبریٰ کہتے ہیں اور بعض مورخین اس کا نام عقبہ ثانیہ رکھتے ہیں لیکن بہ مقتضائے سیاق کلام سید علیہ الرحمۃ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے اس کا نام عقبہ ثالثہ معلوم ہوتا

ہے۔ واللہ اعلم۔

جب عہد بیعت انصار عالی مقدار رضوان اللہ عنہم اجمعین مستحکم ہو گیا آیت کریمہ
إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۔
ترجمہ: (بیشک اللہ تعالیٰ نے خرید لیا ہے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو بعوض اس بات کے کہ ان کے لیے جنت ہے)

نازل ہوئی ان کے بعد ان کے بارہ گروہ کئے اور ہر گروہ پر ایک نقیب اور ایک سردار مقرر فرمایا تاکہ ان کی حالتوں کا نگراں رہے اور دنیا وآخرت کے جملہ اُمور درست ہو جائیں اور یہ بارہ نقیب انصار کے رؤسا تھے۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں ان کے اوصاف درج ہیں انہیں لوگوں میں سے ایک انصاری نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اگر آپ فرمائیں تو ان تمام مشرکین کو جو اس وقت منیٰ میں جمع ہیں ہم قتل کر ڈالیں تاکہ ان میں سے کسی ایک کا کوئی اثر باقی نہ رہے فرمایا: وَلَمْ اُوْ مر بذالك ترجمہ (مجھ کو میرے پروردگار سے حکم نہیں ہوا ہے کہ تلوار اٹھاؤں اور مشرکین سے جہاد کروں) اس کے بعد گروہ انصار اپنی جگہ پر آرام سے بیٹھ گئے اور آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ اب ہمیں واپسی کی اجازت دیجئے اور یہ بھی عرض کیا کہ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں اور ہمارے شہر کی طرف توجہ فرمائیں تو ہماری خوش نصیبی ہو گی۔ ہم لوگ آپ کے فرمان پر ہیں آپ جیسا حکم کریں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی تک میرے لیے اللہ کی طرف سے مکہ سے باہر نکلنے کا حکم نہیں ہوا ہے۔ اور ہماری ہجرت کے لیے کوئی مقام مقرر نہیں فرمایا گیا ہے۔ جس وقت اور جس جگہ کے لیے حکم ہو گا میں ہجرت کروں گا۔ یہ فرما کر انصار کو رخصت کیا۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

پانچواں باب

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر سرزمین مدینہ منورہ میں پہنچنا

جب قبائل انصار عہد اور اقرار کر کے اپنے شہر کو واپس ہوئے اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دربار خداوندی میں متوجہ ہو گئے تاکہ مقامِ ہجرت متعین فرمایا جائے۔ پہلے آپ نے ان مقامات پر غور فرمایا جن کے صفات دو تین مقامات میں مشترک معلوم ہوتے تھے اول ہجر جو بحرین کے شہروں میں سے ہے دوسرے قنسرون جو ملک شام میں ہے تیسرے یثرب جو سرزمین حجاز میں ہے۔ اس کے بعد مدینہ نہایت ظہور اور امتیاز کے ساتھ متعین ہوا۔ لیکن سفر کا وقت ابھی تک نہیں بتایا گیا تھا آپ نے وحی آسمانی کے تقاضے کے سبب اپنے بعض اصحاب کو مدینہ کی طرف رخصت فرمایا۔ چند روز گزرنے کے بعد اصحاب کرام کثرت سے مدینہ کو رخصت ہوئے۔ ان میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان کے بھائی زید بن خطات، حمزہ بن عبدالمطلب، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ بن عبداللہ، عثمان بن عفان، زید بن حارثہ اور صہیب وغیرہ رضوان اللہ عنہما اجمعین شامل تھے۔ آپ کے اصحاب میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، اور علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مکہ میں کوئی نہیں رہا۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس کلام کا مقصد یہی ہے کہ اکابرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے سوائے صدیق اکبر اور علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہما کے کوئی شخص آپ کے ساتھ نہیں رہا۔ لیکن بہت سی رواتیوں میں آیا ہے کہ سرور انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ سے تشریف لے جانے کے بعد ابوسفیان اور دیگر مشرکین نے کمزور صحابہ رضی اللہ عنہم کو

جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہیں جا سکتے تھے قید کر دیا نیز انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر اور طرح طرح کے عذاب میں گرفتار کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین قریش آنحضرت ﷺ کے مراتب کی بلندی کو قوت سے فعلیت کی طرف مشاہدہ کرتے تھے۔ اور دین کے انتظام کا احساس کرتے ہوئے ان بدبختوں کی آتشِ حسد وعداوت رسول مختار صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف شعلہ زن ہوتی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر جانے سے وہ خیال کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ بھی آج ہی کل میں ہجرت کریں گے۔ آپس میں ایک جلسہ مشاورت قائم کیا۔ جلسہ کا سرگروہ ابوجہل ملعون تھا اور ابلیس لعین بھی آ کر ان لوگوں کا شریک حال ہوا۔ بعضوں نے آنحضرت ﷺ کو جلاوطن کر دینے کی رائے دی۔ اور بعض نے قید کرنے کا مشورہ پیش کیا ابوجہل لعین نے کہا کہ پانچ آدمی قبیلے سے نے لو اور ان کے ہاتھ میں تلواریں دو تا کہ یہ سب یکبارگی آنحضرت ﷺ پر حملہ کر دیں۔ ان متفرق قبائل سے بنی ہاشم کو قصاص یا خون کا بدلہ لینے میں دقت ہوگی فوراً جبریل امین تشریف لائے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت لا کر ان بدبختوں کی خبیث حالت سے خبر کر دی۔

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ ○

ترجمہ (اور جب کہ وہ لوگ آپ کے ساتھ مکر کرتے تھے جنہوں نے کفر کیا تاکہ آپ کو قید کریں یا قتل کریں یا جلاوطن کریں۔ اور وہ تدبیریں کرتے تھے اور اللہ بھی تدبیر کرتا تھا اور اللہ ہی تدبیر کرنے والا ہے۔)

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت کے مشاہدہ کرنے کے بعد سفر کی طرف متوجہ ہو کر ہجرت کا ارادہ فرمایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ہجرت کے اختیار کرنے کی اجازت اس آیت سے ہوئی ہے:

قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا

ترجمہ: (فرمادیجئے اے میرے رب داخل کرتو مجھ کو سچائی کی جگہ میں اور بنا دے تو میرے لیے اپنے نزدیک سے غلبہ مدد کرنے والا)

اس کے بعد علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہ سے فرمایا کہ تم رات کو ہمارے بستر پر آرام کرو تا کہ مشرکین اشتباہ میں پڑ کر حقیقتِ حال سے فوراً واقف نہ ہوسکیں لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوڑنے کی اصل غرض یہ تھی کہ آپ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ کفار قریش کی امانتیں واپس کی جاسکیں کیونکہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ پر حد درجہ اعتماد کرتے تھے اور اپنی امانتیں آنحضرت ﷺ کے پاس رکھتے تھے اور حضور ﷺ کو امین صادق کہتے تھے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو ہجرت کے حکم سے آگاہ کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) میں بھی آپ کی خدمت میں رہوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دو ۲ اونٹنیاں بہت محبوب تھیں اور چار مہینے سے ان کو چارہ وغیرہ دے کر خوب تندرست کیا تھا۔ ان دونوں کو آپ کی خدمت میں حاضر کیا اور عرض کیا ایک کو حضور ﷺ قبول فرمالیں آپ نے فرمایا کہ میں نے قبول کیا لیکن بشرط بیع۔ لہٰذا آٹھ سو درہم میں اس اونٹنی کو ان سے خرید لیا۔ اس خریداری میں باوجود سچی محبت اور انتہائی دوستی کے یہ حکمت تھی کہ آپ نے خدا کی راہ میں کسی سے مدد نہ لینی چاہی۔ چنانچہ اس آیت کا اشارہ یہی ہے:

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا

ترجمہ: (اور نہ شریک کیجئے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو)

اس اُونٹنی کا نام صحیح روایت کے مطابق قصوا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جدعا تھا۔ اس کے بعد بنی دیل میں سے ایک شخص کو جس کا نام رقیط تھا اور رہبری کے کام میں ماہر تھا یہ امانت اور اسرار کے محفوظ رکھنے میں بھی مشہور تھا مزدوری پر رکھ لیا تا کہ دونوں اونٹوں کو پہاڑ ثور پر حاضر کرے یہ رقیط کفار کے دین میں تھا امام نودی کہتے ہیں کہ اس کا اسلام معلوم نہیں ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان کو واپس

تشریف لائے آپ کے ہمراہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آئے اب تو تمام قریش کا ہجوم دروازہ پر آ کر جمع ہو گیا تا کہ اپنے ارادہ میں کامیابی حاصل کریں اسی حالت میں آنحضرت ﷺ ایک چادر سر مبارک سے اوڑھ کر باہر تشریف لائے ابوجہل ملعون نے استہزا کے طور پر کہا کہ یہ محمد ﷺ ہیں جو کہتے ہیں کہ اگر تم ہمارے تابع ہو جاؤ تو ملک عرب وعجم تمہارا ہو جائے۔ اور بہشت بریں تمہارا گھر بن جائے اگر میری تابعداری نہ کرو گے تو دنیا میں میرے ہاتھ سے قتل کیے جاؤ گے اور آخرت میں تمہارا ٹھکانہ ہاویہ جہنم میں ہو گا۔

اس کو سن کر سرور انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں یہی کہتا ہوں اور ایسا ہی ہو گا اور بجملہ ان دوزخیوں کے جن کی میں نے خبر دی ہے ان میں ایک تو بھی ہو گا۔ اور دستِ اقدس میں ایک مٹھی خاک لے کر سورۂ یٰس فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ تک اور وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا پڑھی اور کفار کی طرف پھینکی اور اسی حالت میں سامنے سے نکلتے ہوئے چلے گئے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے اور جو کھڑکی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھی اس میں سے نکل کر پہاڑ ثور کی جانب روانہ ہو گئے اور جبل ثور تین دن تک اس غار میں (جو اس پہاڑ میں تھا) اقامت فرمائی۔ اسی اثنا میں ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے مکان کا محاصرہ کرنے والے کفار کی جماعت سے آ کر کہا کہ یہاں کیوں کھڑے ہو اور کس کا انتظار کر رہے ہو کفار کہنے لگے ہم صبح ہو جانے کے منتظر ہیں تا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کریں وہ شخص کہنے لگا کہ تمہاری حالت پر افسوس ہے۔ وہی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو ابھی تمہارے سامنے سے گئے ہیں ابوجہل اور تمام کفار اپنے سروں پر خاک ندامت ڈالتے ہوئے واپس چلے گئے۔ حفاظتِ الٰہی اپنے حبیب ﷺ کی حفاظت میں کام کر چکی تھی۔ صبح کے وقت جب علی بن ابی طالب کو دیکھا تو کفار نے دریافت کیا کہ تمہارے سردار کہاں گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَالِ رَسُوْلِهٖ۔ ترجمہ (اللہ خوب جانتا ہے اپنے رسول کے حال کو)۔

آنحضرت ﷺ کی مکہ سے روانگی بیعت عقبہ کے ڈھائی مہینے بعد ہوئی یہ ربیع الاول کی چاندرات اور دن پنجشنبہ کا تھا لیکن صحیح تر یہ ہے کہ دوشنبہ تھا ان دونوں روایتوں کے جمع ہو جانے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ گھر سے روانگی کی ابتدا پنجشنبہ کو ہوئی ہوگی اور غار سے دوشنبہ کے دن۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی روانگی پر حضرت علی رضی اللہ عنہ، اہل بیعت اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی مطلع نہ تھا۔ مواہب لدینہ میں ہے کہ اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما ہر روز آنحضرت ﷺ کے لیے پہاڑ پر کھانا لے جاتی تھیں اور محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ تمام کافروں کی خبریں پہنچاتے تھے۔ مکہ معظمہ میں آنحضرت ﷺ کی مدت اقامت مشہور روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تیرہ سال ہے۔ اور دوسری روایت میں پندرہ سال۔ لیکن ان معجزات کی تفصیل جو ابتدائے روانگی آنحضرت ﷺ کی مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک ظہور میں آئی ہیں۔ مثلاً مکڑی کا جالا تاننا۔ کبوتر کا انڈے دینا۔ کفار کا انتہائی کوشش کے باوجود آپ کو نہ پانا، غار کی تفتیش کرنا، سراقہ کے گھوڑے کا پاؤں زمین میں دھنس جانا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیچھا کیا تھا۔ آپ کا ام معبد کے مکان میں نازل ہو کر ان بکریوں کو دوہنا جن کے دودھ لاغری کی وجہ سے خشک ہو گئے تھے اور کفار قریش کا جبل ابی قبیس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی کی آواز غیبیہ کا سننا اور ان کے علاوہ دوسرے معجزات جن کی تفصیلات کتب تاریخ واحادیث سے معلوم ہوں گی۔ چونکہ یہاں پر مقصود اصلی احوال مدینہ منورہ کا ذکر ہے لہٰذا بعض حکایتوں کی فروگزاشت بلکہ اکثر روایتوں کا ترک کرنا جو ہجرت کے متعلق منقول ہیں۔ تنگی وقت کے سبب مناسب معلوم ہوا۔ ابوسلیمان خطابی بیان کرتے ہیں کہ جب سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قریب پہنچے تو بُریدہ اسلمی مع ستر ۷۰ آدمیوں کے جو اس کے ہم قوم تھے کفار قریش کے اشارے پر جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گرفتار کرنے پر قریش کی طرف سے مامور ہوا تھا اور اس کو اس صلے میں سو اونٹ بھی دینے کا اقرار تھا۔ یہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کے لیے نکلا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تیرا کیا نام ہے اور تو کون شخص ہے؟ اُس نے کہا میرا

نام بریدہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے شگون کے طور پر نام کے مادہ اشتقاق سے کہ سلامتی اور جمعیت سے بردہ ہے۔ ابوبکر سے کہا کہ قد بردامرنا وصلح۔ (یعنی خوش اور ٹھنڈا ہے کام ہمارا انجام بھلائی کا رکھتا ہے۔) پھر دریافت فرمایا کہ تو کس قبیلہ سے ہے اس نے کہا بنی اسلم سے۔ آپ نے فرمایا کہ خیر اور سلامتی ہے۔ پھر دریافت فرمایا کہ کون سے بنی اسلم اس نے جواب دیا کہ بنی سہم سے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تو نے اپنا حصہ اسلام سے پالیا۔ اس کے بعد بریدہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ آپ کون شخص ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں محمد (ﷺ) ابن عبداللہ رسول اللہ ہوں۔ بریدہ فوراً نام مبارک حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا سن کر ایمان لے آیا اور اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پڑھ لیا۔ اور اس کے ساتھ جو جماعت تھی سب کے سب مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ بریدہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) جس وقت آپ مدینہ منورہ میں داخل ہوں ایک جھنڈا آپ کے ہمراہ ہونا چاہیے۔ یہ کہہ کر بریدہ نے اپنے عمامہ کو سر سے اُتار کر نیزہ پر باندھا اور سردار انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چلا اور التماس کیا کہ یا رسول اللہ! وہ کون سا مکان ہے جس کو اپنے نزول سے مشرف فرمائیے گا۔ آپ نے فرمایا کہ میری اونٹنی اللہ کی طرف سے مامور ہے جس جگہ بیٹھے گی میرا مکان وہی ہوگا۔

بیت

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست
نبودہ نیست در کوتو مشتاقان شیدا را
خم زلفت طناب محبت میکشد مارا

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بغرض تجارت ملک شام کو گئے ہوئے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک منزل میں اتفاق سے مل گیا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے سفید

کپڑے ہدیتاً پیش کئے اس جانب انصار قدوم مسرت لزوم آنحضرت ﷺ کے منتظر رہا کرتے تھے۔ اور ہر روز صبح کو مدینہ کے ٹیلوں پر چڑھ کر طلوع آفتاب تک جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظام میں کھڑے رہتے تھے۔ جب دھوپ تیز ہو جاتی تو اپنے مکان کو واپس چلے آتے۔ اسی طرح ایک دن اپنے مکانوں کو واپس ہو رہے تھے کہ اچانک ایک یہودی کی نظر جو اس ٹیلہ پر کھڑا تھا قدوم لشکرِ محمدی ﷺ پر پڑی اس نے سمجھ لیا کہ یہی آنحضرت ﷺ ہیں جو تشریف لا رہے ہیں انصار کا وہ قبیلہ جو اس کے قریب تھا اُس سے بہ آواز بلند کہنے لگا کہ اب تمہارا مقصد اور مقصود حاصل ہو گیا۔

نظم

ایک آں سرو خراماں میر سد
ایک آں گلبرگ خنداں میر سد
شاد باش اے خستہ ہجراں بلا
کزپے درد تو درماں میر سد
شوق کن ای بلبل گلزار عشق
کاں گل نواز گلستان میر سد
در دل افسردہ روحے میدہد
مردہ تن را مژدۂ جاں میر سد
تازہ باش اے تشنہ وادیٔ غم
کز برایت آبِ حیواں میر سد
دور شوای ظلمتِ شام فراق
کافتاب وصل تاباں میر سد

(مترجم)

آ وہ سروِ خراماں آ گئے
آ وہ گلبرگ خنداں آ گئے

خوش ہو خوش ہو خستہ حالان فراق
وہ تمہارے دکھ کے درماں آ گئے
مست ہوائے بلبل گلزار عشق
خوش ادا جان گلستان آ گئے
قلب افسردہ کو راحت جن سے ہے
وہ تن بے جان کی جاں آ گئے
سیر ہو اے تشنگان دشت غم
وہ زلال آب حیواں آ گئے
شام ہجراں کی سیاہی دور ہو
وصل کے خورشید تاباں آ گئے

اہل اسلام اپنے بدن پر ہتھیار لگا کر آپ کے استقبال کے لیے نکلے۔ سب سے پہلی برکت آنحضرت ﷺ کے پہنچنے کی بنی عمرو بن عوف کے مکانوں کو حاصل ہوئی۔ یہ مسجد قبا کے اطراف میں تھے۔ یہ دوشنبہ کا دن، بارھویں ربیع الاول سنہ اول ہجری تھا۔ منجملہ فضائل دوشنبہ کے یہ ہے کہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت آپ کی ابتدائے بعثت اور ہجرت، آپ کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری اور آپ کی روح پاک کا قبض ہونا یہ سب دو شنبہ کے دن ہوا اسی طرح سے شرف المصطفےٰ لابن جوزی میں ہے اور بعض مؤرخین کے نزدیک تاریخ لکھنے کی ابتدا بھی اسی دن سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوئی۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ تاریخ لکھنے کی ابتدا ماہ محرم سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے تین دن ایک روایت میں ہے کہ چار دن تک اور دوسری روایت میں ہے کہ اس سے زائد دنوں تک اسی مقام پر قیام فرما کر مسجد قبا کی بنیاد رکھی اور مدت قیام میں اسی مسجد کے اندر نماز ادا فرماتے تھے۔ اور اسی مقام پر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تین روز کے بعد مکہ معظمہ میں لوگوں کی امانتیں سپرد کر کے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تھے۔ اور صحیح روایت میں آیا ہے کہ جس روز

آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں سے ملنے اور ان کے حالات دریافت کرنے میں مشغول تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سکوت کی حالت میں بیٹھے تھے جب آفتاب جمال جہاں آرائے روئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل آیا تو اس وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر کو پھیلایا۔ اور سامنے کھڑے ہو گئے تا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ ہو جائے اور یہ روایت بھی ہے کہ بعض آدمیوں کو بھیڑ کی وجہ سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید ابوبکر صدیق پیغمبر خدا ﷺ ہیں۔ آنحضرت ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو نئے کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھے وہ بھی یکساں تھے۔ آنحضرت ﷺ اپنے سر مبارک کو نیچے کیے ہوئے خاموش بیٹھے تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی دانائی سے لوگوں کے شبہات کو سمجھ لیا آپ اُٹھے اور اپنی چادر کو پھیلا کر آنحضرت ﷺ پر سایہ کر کے کھڑے ہو گئے تا کہ لوگوں کا شبہ رفع ہو جائے۔

فصل: سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت مدت معلومہ کے بعد جمعہ کے دن جب کہ آفتاب کچھ بلند ہو چکا تھا مدینہ منورہ میں داخلہ کا ارادہ فرمایا انصار کے قبائل سوار و پیادہ جمع ہوئے اور ہتھیار بند آنحضرت ﷺ کے ہمراہ روانہ ہوئے بنی عمرو بن عوف جو قبا کے باشندے تھے عذر خواہی کے لیے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا ممکن ہے یہاں کوئی صدمہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا ہو جس کی وجہ سے آپ نے دوسری جگہ منتقل ہونے کا ارادہ فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس آبادی کے لیے مامور ہوں جو اکالہ قری ہے یعنی مدینہ طیبہ (اکالہ قری اس شہر کے ناموں کے بیان میں اس کے معنی گزر چکے ہیں) آفتاب رسالت کے روانہ ہونے کے بعد انصار کے قبائل اس امید اور انتظار میں راستے میں سامنے آ کر کھڑے ہو گئے کہ شاید آپ کی نظر ان اُمید واروں پر پڑ جائے۔ انہوں نے التماس کیا کہ ہمارے گھر نزول ہو اور دعا نعت وغیرہ کی کرائی۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے دعائے خیر کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میری اونٹنی مامور ہے جس جگہ یہ بیٹھے گی وہیں پر میرا مقام ہوگا۔ یہاں تک کہ قبیلہ بنی اسلم آ گیا جو وادی کے بطن میں قبا کے قریب واقع ہے۔ جمعہ کی نماز کا وقت آ

چکا تھا اقامت جمعہ اسی مقام پر فرمائی جو جگہ اب مسجد جمعہ کے نام سے مشہور ہے اور ایک خطبہ بلیغ ادا کر کے اہل ایمان کے دلوں کو منور کیا۔ آپ کا یہ خطبہ خوشخبری اور ڈرانے کے مضامین پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد راس ناے کی طرف کا راستہ اختیار کر کے مدینہ منورہ کو متوجہ ہوئے ہر قبیلہ آپ کے سامنے آ کر آپ کی اونٹنی پر ہاتھ رکھتا اور آپ کے نزول کی درخواست کرتا تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعائے خیر فرماتے ہوئے آگے بڑھ جاتے تے اور اونٹنی کے بیٹھنے کا انتظار کرتے تے کہ کہاں بیٹھتی ہے۔ آخر کار آپ اس مقام پر پہنچے جہاں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر شریف ہے اونٹنی بے اختیار وہیں پر بیٹھ گئی اور آنحضرت ﷺ کو اونٹنی ہی پر وہ حالت خاص طاری ہو گئی جو نزول وحی کے وقت ہوتی تھی۔ پھر اونٹنی یکا یک اس مقام سے جہاں بیٹھ گئی تھی اٹھی اور وہاں سے چند قدم آگے چل کر خود بخود واپس ہوئی اور اسی مقام اول پر واپس آ کر بیٹھ گئی اور ایک روایت میں ہے کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پشت ناقہ سے آنحضرت ﷺ کے اسباب اور سامان کو اُتارا اور آپ کو دکھلا کر اپنے مکان میں لے گئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: المرء مع رحلہ یعنی مکان ہر شخص کا وہاں ہے جہاں پر اس کا اسباب اور اشیاء ہوں لہٰذا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کو شرف نزول بخشا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

بیت

مبارک منزلے کا نخانہ را ما ہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

ترجمہ

ایسی جو مبارک منزل ہو تو ماہ بھی اس کا ہو ایسا
اور ملک ہمایوں ایسا ہو تو شاہ بھی اس کا ہو ایسا

اس سے پہلے جہاں انصار کے نسب کا بیان لکھا گیا ہے اس میں گزر چکا ہے کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا وہ مکان تھا جو تبع نے علماء یہود سے سرور انبیاء صلی اللہ

علیہ وسلم کی بعثت اور تشریف آوری کی خبر سنکر آپ کے لیے بنوایا تھا۔ ابن جوزی کتاب شرف المصطفیٰ میں بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کی اونٹنی ابوایوب رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر بیٹھی اس وقت بنی نجار کی لڑکیاں ایک جماعت ہو کر سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد میں دف بجاتی اور گاتی ہوئی نکلیں۔

شعر

نحن جوار من بني النجار

يا حبذا محمد ﷺ من جار

ترجمہ (ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پڑوسی ہوئے)

آپ نے فرمایا کہ اے قبائل انصار کیا تم مجھے دوست رکھتے ہو سبھوں نے بیک آواز عرض کیا کہ ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرمایا کہ قسم خدا کی میں بھی تم کو دوست رکھتا ہوں۔

رزینؒ جو کہ بڑے علماء حدیث میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کے وقت قبائل انصار کی عورتیں گلیوں اور دروازوں پر نکل کر گا رہی تھیں۔

شعر

طلع البدر علينا من ثنيات الوداع

وجب الشكر علينا ما دعا لله داع

ترجمہ: (ہمارے اوپر چودھویں رات کا چاند ثنیت الوداع سے طلوع ہوا۔ ہم پر خدا کا شکر واجب ہے۔ جب تک کہ اللہ کے نام لینے والے باقی رہیں۔)

غلام اور آزاد خورد وکلاں مرد اور عورت سب کے سب آنحضرت صلوات اللہ علیہ کی تشریف آوری سے خوش ہو کر کہتے تھے جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَجَاءَ نَبِيُّ اللّٰهِ۔

ترجمہ: (اللہ کے رسول تشریف لائے اور اللہ کے نبی تشریف لائے) اور فوجیں بھی اپنی عادت کے موافق نیزہ بازی کرتی ہوئی خوشی کی داد دیتی

تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ان کی عمر اس وقت نو برس کی تھی فرماتے ہیں کہ مجھے خوب یاد ہے جس روز آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے مدینہ منورہ کے در و دیوار آپ کے چہرۂ انور سے سے ایسے روشن ہوئے جیسے کہ طلوع آفتاب سے چمک پیدا ہو جاتی ہے اور جس دن کہ اس عالم سے تشریف لے گئے ہر جگہ تیرہ و تاریک ہو گئی تھی۔ جیسی کہ غروب آفتاب کے وقت ہو جاتی ہے۔ محمد بن اسحاق ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مکان کو اپنے نزول سے مشرف کیا تھا تو مکان کے نیچے والے حصہ کو پسند فرمایا اور میں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ بالا خانے پر رہتا تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں میں اوپر کی رہائش میں بہت تکلیف پاتا ہوں۔ یہ کس طرح جائز ہے کہ سرور انبیاء تو نیچے رہیں اور ہم بالا خانہ پر رہیں۔ یا رسول اللہ آپ بالا خانہ پر تشریف لے جایئے اور ہم لوگ نیچے آ جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے لیے نیچے کا حصہ بہت مناسب ہے اس لیے کہ ہمارے ساتھ ایک جماعت ہے۔ اس کے علاوہ جو لوگ ہم سے ملنے آتے ہیں وہ بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ تم اپنے گھر والوں کے ساتھ بالا خانے پر ہی رہو۔ ابوایوب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن جس جگہ ہم لوگ رہتے تھے وہاں پانی کا گلاس ٹوٹ گیا۔ اس وقت رات میں اوڑھنے کا بس ایک کپڑا ہمارے پاس باقی تھا اور سوائے اس کے کوئی کپڑا نہ تھا جلد جلد پانی کو اسی کپڑے سے خشک کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو یہ پانی چھت کے نیچے گرے اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کا باعث ہو اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہمیشہ بالائی حصہ میں منتقل ہو جانے کی درخواست کرتے رہے یہاں تک کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم بالا خانہ پر تشریف لے گئے۔ اور ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ نیچے آ گئے۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس زمانہ میں آنحضرت ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما تھے سعد بن عبادہ، سعد ابن معاذ اور دوسرے انصار آنحضرت ﷺ

کے اصحاب کے لیے کھانا بھیجتے تھے۔ایک دن ایک شخص نے کھانے میں بہت تکلف کر کے کچھ سبزیاں یعنی پیاز اور لہسن ڈال کر آنحضرت ﷺ کی خدمت مبارک میں بھیجا۔ آنحضرت صلوات اللہ علیہ نے اسے تناول نہ فرمایا اور کراہیت کا اظہار کیا لیکن اپنے اصحاب کو حکم فرمایا کہ تم کھاؤ میں تمہاری طرح نہیں ہوں میرے ایک دوست ہیں کہ کھانے کی بُو سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اپنے دوست کو ایذا دوں۔ ابوایوب رضی اللہ عنہ سے اور بھی روایت ہے کہ ایک دن میں نے آنحضرت ﷺ کے لیے کھانا تیار کیا جس میں لہسن پڑا تھا آنحضرت ﷺ نے اسے تناول نہ فرمایا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا لہسن کھانا حرام ہے آپ نے فرمایا حرام نہیں ہے لیکن میں مناجات کرتا ہوں اور اپنے دوست سے بہت قریب ہو کر باتیں کرتا ہوں اس لیے اس کا کھانا مکروہ سمجھتا ہوں۔تم کھاؤ کوئی خوف نہیں ہے۔ ابوایوب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے لہسن پھر کبھی نہ کھایا اور میں ہر اس چیز کو مکروہ سمجھتا تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کراہیت فرماتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں اقامت صحیح روایت کے اعتبار سے سات مہینے ہے۔دوسری روایت میں مدت اقامت کم وبیش بھی آئی ہے اتنے دنوں کے قیام کے بعد آپ نے ابورافع وزید بن حارثہ کو پانچ سو درہم دیے اور دو اونٹوں پر مکہ مکرمہ روانہ کیا تاکہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا وام کلثوم وام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا، ام ایمن زید بن حارثہ کی بیوی اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو لے آئیں۔ان کے ہمراہ عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بھی گئے تاکہ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال کو یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی والدہ ام رومان اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو بھی لے آئیں۔ جب رسول خدا صلوات اللہ علیہ کو ظاہری اور باطنی دل جمعی حاصل ہوئی تو دعوت دین کے مقاصد اور رسالت رب العالمین کی تبلیغ میں مشغول ہوئے۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ

ترجمہ: (نہیں ہے مدد مگر اللہ عزیز حکیم کے نزدیک سے)

مصرع

کجا عبادت حسنت را ہنوز آغاز ی نہم

بیت

باش تا پیش جمال تو بہارد گراست
یک گل از صد شگفتہ است گلستان ترا

اور جب اس صبح سعادت کا طلوع انصار کے مکانوں سے ہو چکا اور ان کی گمراہی کی تاریکی نور وہدایت سے بدل گئی تو یہود نا بہبود حسد وعداوت کے سبب سے آنحضرت ﷺ کے دشمن ہو گئے اور طرح طرح کی خباثتیں اور فساد کرنے لگے بعضے دشمنی کے اظہار میں حتی الامکان کوشش کرتے اور اپنی ہلاکت میں تقصیر نہ کرتے تھے۔ چنانچہ حی بن اخطب جس کا بھائی یاسر بن اخطب تھا اور جو یہودیوں میں عداوت اور بد باطنی میں اس کی طرح مشہور تھا۔ صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا جو فتح خیبر میں ان لوگوں کی مخالفت کر کے شرف اسلام سے مشرف ہو گئی تھیں۔ روایت کرتی ہیں کہ میں جملہ اولادوں میں اپنے باپ اور چچا کے نزدیک بہت محبوب تھی۔ جس زمانے میں آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے یہ لوگ بھی آنحضرت ﷺ کے دیدار کو گئے۔ اول صبح سے غروب آفتاب تک آپ کے پاس رہے رات کو یہ لوگ جب گھر واپس آئے تو میں نے ان لوگوں کو دیکھا یہ لوگ سستی اور غم ومحنت کے بار میں ایسے دبے ہوئے تھے کہ اس سے زائد کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ مکان میں آ کر گر پڑے۔ میں اپنی عادت معینہ کے مطابق ان لوگوں کے پاس گئی ان پر اس قدر بار غم طاری تھا کہ ان میں سے کسی میں اس بات کی طاقت نہ تھی کہ میری طرف رخ کرے۔ میرا چچا میرے باپ سے کہنے لگا کہ کیا یہ وہی ہیں۔ یعنی کیا یہ وہی پیغمبر آخر الزماں ہیں جن کے اوصاف ہم نے توریت میں پڑھے ہیں۔ میرے باپ نے کہا کہ خدا کی قسم یہ وہی ہیں پھر چچا نے کہا کیا تم یہ یقیناً جانتے ہو کہ یہ وہی ہیں باپ نے کہا کہ ہاں قسم خدا کی یہ وہی ہیں۔ چچا نے کہا تم اپنے دل میں ان کی نسبت عداوت پاتے ہو یا محبت؟ باپ نے جواب دیا کہ عداوت۔ اور واللہ جب تک میں زندہ رہوں گا ان کی عداوت میں

میں کوشش کرتا رہوں گا۔

بس وہ دونوں ازلی بدبخت سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت اور حسد رکھنے کی وجہ سے عذاب ابدی میں گرفتار رہے نعوذ باللہ منہا۔ انہی بدبختوں کے گروہ میں سے بعض دوسرے لوگوں نے بھی بہانہ اور نفاق کو سامان دنیوی کے جمع کرنے کا ذریعہ بنایا اور حیات فانی کی حفاظت کو بہتر جانا اوس وخزرج کی ایک جماعت نے بھی نفاق کے مرض میں مبتلا ہو کر ان کے ساتھ اتفاق کیا اور جہنم میں گرے۔ لیکن انہی میں ایسے یہود اور ان کے علماء بھی تھے کہ ازل ہی میں رحمتِ الٰہی نے ان کی پیشانیوں پر حرف سعادت لکھ دیا تھا اور یہ اس شناخت کے سبب جو توریت میں آپ کی صداقت ورسالت پر موجود تھیں دین اسلام کی طرف سبقت کر گئے۔ اور بغیر کسی تردد کے اپنی گردن اطاعت حلقہ اسلام میں ڈال دی۔ چنانچہ عبداللہ بن سلام جو علماء یہود میں سے تھے اور ان میں شریف ترین تھے۔ نیز پیغمبر یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ جس روز حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر میں نزول فرمایا ملاقات کے لیے حاضر ہوئے اور فوراً کلمہ شہادت سے مشرف ہوئے۔

شعر

مدتے بود کہ مشتاق لقایت بودم

لاجرم روے ترا دیدم واز جا رفتم

لیکن آپ آنحضرت ﷺ سے درخواست کرتے تھے کہ میرے اسلام کے ظاہر ہونے اور یہودیوں کے کان تک پہنچنے سے پیشتر میری حالت کو ان سے دریافت فرما کر یہودیوں کی خباثت کا امتحان کر لیجیے۔ ان سے دریافت فرمائیے کہ تم عبداللہ بن سلام کی نسبت کیا کہتے ہو اور اس کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ یہود کی جماعت کو بلاؤ۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اے گروہ یہود تم پر افسوس ہے کہ تم ایمان نہیں لاتے۔ باوجودیکہ تم مجھ کو یقینا پہچانتے ہو اور بالتحقیق جانتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں اور سچی بات لایا ہوں۔

یہودیوں نے کہا خدا کی قسم ہم آپ کو نہیں پہچانتے اور نہ اپنی کتب میں آپ کا تذکرہ پاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا عبداللہ بن سلام کی نسبت کیا کہتے ہو اور وہ تم لوگوں میں کس درجے کے آدمی ہیں سبھوں نے عرض کیا ھو سیّدنا و ابن سیّدنا و اعلمنا و ابن عالمنا یعنی وہ ہمارا سردار اور سردار زادہ ہے اور عالم و عالم زادہ ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اگر وہ ایمان لے آئیں اور میری سچائی پر گواہی دیں تو قبول کرلو گے یا نہیں۔ سبھوں نے کہا کہ اگر وہ ایمان لے آئیں اور آپ کی سچائی پر گواہی دے دیں حاشا و کلا۔ آپ نے تین مرتبہ اس کلام کو دہرایا۔ یہود نے بھی اسی طرح جواب دیا۔ آپ نے حکم دیا کہ عبداللہ بن سلام سے کہو کہ باہر آئیں عبداللہ بن سلام باہر نکلے اور اپنی قوم کو خطاب کر کے کہا کہ اے قوم تم خوب جانتے ہو کہ آپ سچے رسول ہیں اور خدا کے بھیجے ہوئے ہیں پھر تم کیوں انکار کرتے ہو اور کیوں اپنے کو جہنم میں ڈالتے ہو۔ یہود نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو ہم نہیں جانتے کہ یہ خدا کے رسول ہیں۔ اس کے بعد عبداللہ بن سلام کی شان میں کہنے لگے ھو شرنا و ابن شرنا و اجھلنا و ابن اجھلنا۔ یعنی عبداللہ بن سلام بدترین اور بدترین زادہ اور جاہل ترین اور جاہل زادہ ہے۔ یہود کی مکاری اور خباثت کی تفصیلات کتب تاریخ اور تفاسیر سے معلوم ہو سکتی ہیں فی الحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور رسالت کی حقیقت کا جاننے والا یہود سے بڑھ کر دوسرا کوئی نہ تھا اور آسمانی کتب میں آپ کے احوال اور اوصاف پڑھتے رہے تھے اور آپ کی بعثت و ہجرت کے منتظر تھے۔ آپس میں ایک دوسرے کو آپ پر ایمان لانے کی وصیت بھی کرتے رہتے تھے اور خوشخبری سناتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں فرمایا ہے:

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ

ترجمہ (آپ کو پہچانتے تھے جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں)

انہیں کی شان میں ہے۔ باپوں کو بیٹوں کی شناخت یقینی ہے اسی طرح سے یہودیوں کو آنحضرت ﷺ کے احوال و اوصاف کی شناخت تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا جیسا کہ اپنے باپوں کو پہچانتے ہیں اس علم کے باوجود شقاوت ازلی میں گرفتار رہے۔

نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَقَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ

ترجمہ: ہم خدا سے پناہ مانگتے ہیں اس علم سے جو نہ نفع دے اور اس قلب سے کہ جو نہ ڈرے)

مصرع

علمے کہ رہ بحق نماید جہالت است

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ میں مدت اقامت باتفاق علماء مورخین دس سال تھی۔ مدت مذکور کی تفصیل، سوانح اور واقعات جہاد اور فتوحات وفیوضات وقوانین شریعت اور وہ احکام جن سے عالم کو نوید ہدایت واسرار حکمت سے منور کیا اور جہالت کی تاریکیوں اور گمراہی اور جہالت کے فساد سے پاک کیا۔ تاریخ کی کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں۔ چونکہ یہ اوراق مدینہ منورہ کے حالات کے لیے مخصوص ہیں اس لیے زبانِ وقت اس کی شرح وبسط کے لیے موافقت نہیں کرتی۔ ان تفصیلات کو ایک علیحدہ تالیف میں کسی دوسرے وقت کے لیے موقوف کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے لیکن اس کے باوجود اگر اجمالاً ان واقعات کی طرف جو ہجرت کے زمانہ میں واقع ہوئے ہیں اشارہ کر دیا جائے تو نامناسب نہیں ہے تاکہ یہ اوراق بھی ان بعض حالتوں سے خالی نہ رہیں فَمَا لَا یُدْرِكُ كله لا يترك كله ترجمہ (اس لیے جو چیز کل نہ حاصل ہو اس کو کلیتہً چھوڑنا نہ چاہیے) چونکہ ہمارا مقصود اختصار ہے اس لیے یہاں پر اختلافی روایات کو ترک کر دیا ہے۔ جاننا چاہیے کہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے اول سنہ میں جب مسجد قبا اور مدینہ طیبہ کی مسجد شریف کی بنیاد رکھ چکے اور پروردگار عالم کے حکم کے بموجب مہاجرین وانصار کے درمیان عقد مواخات فرما چکے تو جہاد کے لیے آمادہ ہوئے تاکہ عالم کو شر وفساد کے مادہ سے پاک کر کے تاریکی کفر وجہالت کو نور علم اور ایمان سے تبدیل کریں۔ گیارہ ماہ کے بعد صفر کی دوسری تاریخ غزوہ ابواء پیش آیا۔ ابواء مدینہ منورہ کے قریب ایک مقام ہے۔ آپ ساٹھ آدمیوں کو لے کر کفار قریش کی تلاش میں وہاں پہنچے۔ ابواء کے قریب ایک اور مقام ہے جس کا نام ودان ہے یہاں پر کفار سے ملاقات ہوگئی لیکن آپ بغیر جنگ کئے ہی

مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔ پھر اسی سال حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو ایک سفید جھنڈا دے کر تیس مہاجرین سواروں کے ساتھ سیف البحر کی جانب روانہ کیا یہاں سے ابوجہل لعین تین سو سواروں کے ساتھ گزر رہا تھا۔ اہل عرب کی ایک جماعت نے ان دونوں کے درمیان پڑ کر فریقین میں صلح کرا دی۔

عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب کو ساٹھ اور بعض کے بقول اسی ۸۰ آدمی مہاجرین میں سے دیکر ایک جھنڈے کے ساتھ ایک بہت بڑی جماعت پر روانہ کیا اس جماعت کا سردار ابوسفیان اور بعض کہتے ہیں کہ عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ بعض مورخین کے بقول یہ سب سے پہلا جھنڈا ہے جو اسلام میں تیار کیا گیا اس موقع پر بھی لڑائی نہیں ہوئی۔ سوائے اس کے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کفار کی جانب تیر پھینکے یہ پہلا تیر تھا جو خدا کی راہ میں پھینکا گیا اور یہی بات سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ کے مناصب میں سے ہے (رضی اللہ عنہ) اسی سال کے ابتدا میں عبداللہ بن سلام جن کا پیچھے ذکر آ چکا ہے اسلام لے آئے اور اسی سال سلمان فارسی بھی مسلمان ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق اس وقت ان کی عمر ۳۵۰ برس اور ایک روایت سے دو سو پچاس برس کی تھی۔ اس مدت میں دین حق کی طلب اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق ملاقات میں پھرتے تھے۔ آپ ابتدا میں فارس کے مجوس تھے۔ اس کے بعد دین نصاریٰ اختیار کیا۔ آخر میں ایک نصرانی عالم کی وصیت کے بموجب دین محمدی حاصل کرنے کے شوق میں مدینہ منورہ آئے اور اس مدت میں دس جگہ سے زیادہ فروخت ہوئے اور غلام بنے۔ بعد ظہور نور نبوت اسلام کی سعادت سے مشرف ہوئے (رضی اللہ عنہ) اسی سال شہر مدینہ سے باہر ایک بھیڑیا گویا ہوا اور سیدنا ابرار صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقت نبوت کی خبر دی۔ اور اسی سال میں سودا اور عائشہ رضی اللہ عنہا جو اس وقت آپ کے نکاح میں تھیں اور فاطمہ زہرہ سلام اللہ علیہا نیز دوسری صاحب زادیاں مع عیال ابی بکر رضی اللہ عنہ کے مکہ سے مدینہ منورہ میں طلب فرمائیں اور اسی سال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہجرت کے سات مہینے بعد شب زفاف فرمایا۔ ایک اور روایت میں زفاف کا واقعہ ہجرت کے سات مہینے بعد شب زفاف فرمایا۔ ایک اور

روایت میں زفاف کا واقعہ ہجرت کے دوسرے سال میں ہے۔ لیکن قول اول صحیح تر اور معتبر تر ہے اور اسی سال میں ہجرت کے ایک ماہ بعد حضر میں چار رکعت نماز فرض ہوئی حالانکہ ہجرت سے پہلے دو رکعت نماز فرض تھی۔ جیسا کہ اب سفر میں ادا کرتے ہیں اور اسی سال اذان کی ابتدا ہوئی اور یوم عاشورہ کے روزے کا حکم دیا۔ لیکن بعد نزول روزہ رمضان کے جو اہتمام صوم عاشورا کا تھا جاتا رہا لیکن اس کا مستحب ہونا اب بھی باقی ہے۔ اور آپ نے اخیر عمر میں فرمایا تھا کہ اگر آئندہ سال تک ہماری حیات نے وفا کی تو نویں محرم کا بھی روزہ رکھیں گے۔

ہجرت کے دوسرے سال ربیع الاول کے مہینے میں غزوہ بواط میں دوسو صحابہ رضی اللہ عنہم کو قریش کے قافلے سے جنگ کے لیے روانہ کر دیا۔ اُن میں اُمیہ بن خلف تھا۔ یہ لوگ رضویٰ کے اطراف میں پہنچ گئے۔ یہ جگہ مدینہ سے تین منزل مکہ کی طرف ہے۔ یہ لوگ بھی جنگ کے بغیر مدینہ مشرقہ واپس آ گئے۔ جمادی الاولیٰ میں غزوہ عشرہ (یہ ایک مقام کا نام ہے) کو بنی مدلج سے روانہ ہوئے اور بنی مدلج و بنی ضمیرہ سے صلح کر کے بغیر حرب وقتال کے واپس آئے اس کے بعد سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو آٹھ مہاجرین کے ہمراہ روانہ فرمایا وہ بھی لڑائی کے بغیر واپس آئے۔ پھر کرز بن جابر فہری نے مدینہ کے جانوروں پر لوٹ مار کی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کی جستجو میں روانہ ہوئے۔ اور اسے وادیٔ بدر کے قریب تک ڈھونڈا۔ لیکن وہ نہیں ملا۔ اس غزوہ کو بدر اولیٰ کہتے ہیں اور اسی دوسرے سال جمادی الاخریٰ کے آخر میں عبداللہ بن جحش اسدی کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ آٹھ آدمیوں کے ساتھ ایک اور روایت میں ہے کہ بارہ آدمیوں کے ہمراہ قافلہ قریش کے انتظار میں روانہ فرمایا مکہ کے قریب قریش کے قافلے سے جو شام کی تجارت سے واپس آ رہے تھے ملاقات ہو گئی۔ رجب کی پہلی تاریخ کو اور بعض کا خیال ہے کہ تیس جمادی الاخریٰ کو لڑائی ہوئی اور مال غنیمت قبضہ میں آیا اسلام میں یہ پہلا غنیمت ہے لیکن آنحضرت ﷺ کو یہ جنگ اس لیے پسند نہ آئی کہ یہ رجب کے مہینے میں ہوئی تھی اور رجب کا مہینہ حرمت والا ہے اس میں لڑنا مناسب نہ تھا

اس لیے آپ نے مال غنیمت بھی قبول نہ فرمایا تھی کہ آیت: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ اِلٰی آخرہ نازل ہوئی۔ تب آنحضرت ﷺ نے بحکم خداوندی مال غنیمت لے کر تقسیم فرمایا۔ اس شکر میں عبدالرحمٰن بن جحش کو امیر المومنین کہتے تھے اور بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلا شخص جس نے امیر المومنین کا خطاب فرمایا ہے عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ مراد یہ ہے کہ خلفاء میں سے اول وہ شخص کہ جن کو امیر المومنین کہتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور اسی طرح سے علماء نے تشریح فرمائی اور آپ نے اسی سال صفر کے مہینے میں نیز دوسری روایت میں رجب کا مہینہ آیا ہے۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ سے فرما دیا۔ اس وقت حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی عمر شریف سولہ سال اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اٹھارہ سال تھی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر شریف اکیس سال پانچ ماہ کی تھی۔ اور اسی سال ہجرت کے سترہ مہینے بعد قبلہ بھی بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی جانب مقرر ہوا اور اسی سال شعبان کے مہینے میں فریضہ رمضان اور صدقۂ فطر کے احکام نازل ہوئے۔ آپ نے مدینہ منورہ کی عیدگاہ میں نماز عید ادا فرمائی۔ عبداللہ بن زبیر ہجرت سے بیس ماہ بعد پیدا ہوئے۔ آپ اول بچے ہیں جس نے ہجرت کے بعد عالم وجود میں قدم رکھا اور اسی سال مشہور غزوہ بدر کبریٰ پیش آیا۔ یہ رمضان شریف کی سترہویں تاریخ جمعہ کو واقع ہو کر کفار کی ذلت اور اسلام کی عزت کا باعث ہوا۔ اس جنگ میں ابوجہل ملعون دوسرے رؤسائے قریش اور ستر ۷۰ آدمی مارے گئے اور ستر آدمی قید ہوئے انہیں قیدیوں میں عباس بن عبدالمطلب اور عقیل بن ابی طالب بھی تھے ابولہب بھاگ کر مکہ پہنچا۔ اور وہاں عدسہ کی بیماری میں مبتلا ہو کر واصل جہنم ہوا۔ مسلمانوں میں سے انصار کے آٹھ مہاجرین میں سے پانچ آدمیوں نے شرف شہادت حاصل کیا اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی جن میں ستتر مہاجرین اور دو سو چھتیس انصار تھے ان کے پاس ستر اونٹ دو گھوڑے، چھ زرہ اور آٹھ تلواریں تھیں اب مشرکین کی تعداد سنئے نو سو پچاس مشرکین اور سو گھوڑے تھے۔ قابل ذکر بیان یہ ہے کہ منجملہ دیگر سامان غنیمت کے شمشیر ذوالفقار اسی غزوہ میں ہاتھ آئی تھی آنحضرت ﷺ نے یہ

اپنی ذات خاص کے لیے مال غنیمت سے پسند فرمائی تھی اور اسی دن رومیوں کو فارسیوں پر فتح ہو کر مسلمانوں کی زیادتی خوشی کا باعث ہوا انہیں ایام میں رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے نکاح میں تھیں مدینہ منورہ میں وفات پا گئیں اُسامہ بن زید اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما اُن کے دفن میں مشغول تھے کہ اس فتح عظیم کی خوشخبری مدینہ منورہ پہنچی اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد سات دن قیام فرما کر غزوہ بنی سلیم کے لیے روانہ ہو گئے جب اس مقام پر پہنچے جس کو کدر کہتے ہیں تو یہاں تین روز قیام فرما کر بغیر جنگ وقتال کے واپس ہوئے اور اسی سال اسماء بنت مروان جو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتی تھی اور مسلمانوں کو ہجو کرتی تھی مار ڈالی گئی اور اسی سال پندرھویں شوال کو ہفتہ کے دن غزوہ بنی قینقاع (یہودیوں کے ایک قبیلہ کا نام ہے) پر روانہ ہوئے اور پندرہ دن تک محاصرہ کر کے عبداللہ بن اُبی منافق کی سفارش پر قتل وغارت نہ کیا۔ اور درگزر فرما کر انہیں جلاوطن کر دیا۔ اسی سال آپ نے نماز عید الضحیٰ ادا فرمائی اور اسی سال شاعر امیہ بن صلت کا انتقال ہو گیا۔ یہ جاہلیت میں بھی دینداری کا خیال رکھتا تھا اور کتب متقدمہ کے پڑھنے اور نصاریٰ کے دین میں داخل ہونے کی وجہ سے بتوں کی عبادت سے متنفر تھا اور اہل کتاب کے علماء سے نبی آخر الزماں کی خبر سن کر آپ کے ظہور کا منتظر رہا کرتا تھا اور اپنی ذات میں ان فضائل کو محسوس کر کے اپنی نبوت اور رسالت کا گمان رکھتا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور نبوت کی خبر سنی تو بوجہ کینہ وحسد ازلی کے منکر ہو گیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے شعر کو سنا جس میں علم وحکمت کے مضامین تھے تو اس کے متعلق فرمایا امن لسانہ و کفر قلبہ یعنی اس کی زبان مومن اور اس کا قلب کافر ہے۔ ایک اور روایت میں امن شعرہ و کفر قلبہ آیا ہے۔ واللہ الھادی وھو المضل ونعوذ باللہ من الضلال اور ۳ ہجری میں پانچویں ذی الحجہ کو غزوہ سویق واقع ہوا۔ ابوسفیان نے غزوۂ بدر کی شکست کے بعد قسم کھا کر اپنے اوپر روغن اور غسل جنابت کو حرام کر لیا تھا۔ اس نے عہد کیا تھا کہ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مقتولین بدر کا بدلہ نہ لے لوں گا آرام سے نہ بیٹھوں گا۔ اس نے دو سو

سواروں کے ہمراہ مکہ سے چل کر مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر آ کر ایک انصاری کو جو اس اطراف میں رہتے تھے شہید کر ڈالا اور چند مکان جو ان کے قریب تھے ویران کر کے بھاگ گیا۔ آنحضرت ﷺ بھی دو سو آدمیوں کے ہمراہ اس کے پیچھے روانہ ہوئے لیکن اس کی جماعت نہایت ہی خوف زدہ ہو کر ستو کی جھولیاں جسے وہ اپنے ہمراہ کھانے کے لیے لائی تھی راستہ میں پھینک کر بھاگ کھڑی ہوئی اسی لیے اس غزوہ کو غزوۂ سویق کہتے ہیں۔ پانچ دن کے بعد آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ واپس آ کر بقیہ ذی الحجہ میں اقامت فرمائی۔ اس کے بعد غزوۂ نجد کے لیے روانہ ہوئے اور صفر کے مہینے تک وہاں اقامت فرمائی۔ یہاں سے بھی بغیر جنگ کے واپس ہو کر ربیع الاول کا اکثر حصہ مدینہ منورہ میں گزارا پھر قریش کی جستجو میں نجران کی سمت روانہ ہوئے۔ ربیع الآخر اور جمادی الاولیٰ میں وہاں اقامت فرمائی اور بغیر جنگ کے مدینہ منورہ کو واپس آ گئے۔ اس کے بعد شوال کے مہینے میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ذی قرد روانہ فرمایا۔ اور قریش کے قافلے کو جس میں ابوسفیان بھی تھا شکست دے کر بہت سی چاندی غنیمت میں حاصل کی اور اسی سال محمد ابن مسلمہ کو دوسرے چار آدمیوں کے ساتھ اور کعب ابن اشرف کو جو اکثر مسلمانوں کی ہجو کرتا رہتا تھا اور غزوۂ بدر کے مقتولین پر رو رو کر مشرکوں کو مسلمانوں کے قتال کی ترغیب دیتا تھا قتل کیا گیا۔ اور اسی سال عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہا سے ماہ شعبان میں نکاح فرمایا۔ اس سے پہلے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا خنیس ابن حذیفہ بدری کے نکاح میں تھیں جن کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ رمضان میں زینب بنت خزیمہ کے ساتھ نکاح فرمایا وہ چونکہ مسکینوں کو کثرت سے کھانا کھلایا کرتی تھیں اس لیے ان کو ام المساکین کہتے ہیں۔ یہ اٹھارہ دن کے بعد دوسری روایت ہے کہ دو ماہ بعد اور ایک تیسری روایت کے مطابق تین ماہ کے بعد وفات پا گئیں۔ اور اسی سال امام المومنین حسن ابن علی بن ابی طالب پندرھویں ماہ رمضان کو تولد ہوئے۔ امام شہید حسین بن علی سلام اللہ علیہما کی ولادت ہجرت کے چوتھے سال میں ہوئی۔ شعبان کی چوتھی یا

پانچویں تاریخ تھی۔ اسی سال چوتھی شوال کو غزوۂ احد واقع ہوا۔ اس میں آپ کے دندان مبارک اور ہونٹ شریف زخمی ہوئے اور سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب دوسرے ستر صحابیوں، مہاجرین اور انصار کے ساتھ شرف شہادت کو پہنچے۔ مشرکین کے بائیس آدمی مارے گئے مشرکین کا سردار ابوسفیان تھا۔ غزوۂ احد کے بعد غزوہ حمراء الاسد ہوا جو مدینہ کے قریب ایک مقام ہے۔ جب آپ غزوۂ اُحد سے واپس ہوئے اس کی صبح سولھویں شوال کو اسی حالت میں روانہ ہوئے تاکہ کفار یہ نہ سمجھیں کہ مردان دین کمزور پڑ گئے ہیں۔ آٹھ میل تک پیچھا کر کے اور وہاں تین روز قیام کر کے واپس ہوئے۔ اور اسی سال حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حاملہ ہوئیں۔ ولادت امام حسن سلام اللہ علیہ کے پچاس روز بعد حسین ابن علی رضی اللہ عنہما نے آپ کے بطن شریف میں قرار پکڑا تھا۔ چوتھی ہجری میں سریہ بیر معونہ ہوا۔ انصار کے ستر جوان جن کو قراء کہتے ہیں اس مقام پر شہید ہوئے اور ان قبائل عرب پر جنہوں نے ان کو شہید کیا تھا سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس دن تک قنوتِ فجر میں بددعا فرمائی۔ اسی سال سریہ رجیع ہوا اس میں مشرکوں کی ایک جماعت نے آ کر اسلام قبول کیا اور آنحضرت ﷺ نے درخواست کی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت بغرض تعلیم احکام دین ان کے ہمراہ کر دی جائے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت ان کے ہمراہ کر دی۔ جب یہ لوگ رجیع نامی جگہ پر پہنچے تو مرتد ہو گئے اور قبیلہ بنی ہذیل کو آواز دی اور ان کے ساتھ مل کر ان اصحاب میں سے بعض کو تو شہید کر ڈالا اور بعض کو قید کر کے کفار مکہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ تاکہ اہل مکہ مقتولین بدر کے انتقام میں ان کو بھی قتل کر دیں۔ ان شہدائے رجیع میں عاصم بن ثابت بھی تھے انہوں نے حق سبحانہ تعالیٰ کی درگاہ میں شہادت سے پہلے کفار کے ہاتھوں سے اپنے جسم کی حفاظت چاہی تھی ان کی دعا مقبول بارگاہ ہوئی اور حق تعالیٰ شانہٗ نے اس خدمت پر بھڑوں کو مقرر کر دیا انہوں نے عاصم بن ثابت کے جسم کا احاطہ کر لیا جس سے کسی شخص کی مجال نہ ہو سکی کہ ان کے نزدیک آتا۔ جب رات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے پانی کا سیلاب بھیج دیا۔ پانی اُن کے جسم کو اس مقام سے بہا کر لے گیا۔

اسی سال ربیع الاول کے ماہ میں غزوہ بنی النضیر واقع ہوا۔ یہ یہود کا ایک قبیلہ تھا۔ یہاں کے لوگوں کو چھ روز تک محصور رکھا گیا۔ آخر کار جب یہ لوگ شام اور خیبر کی جانب جلا وطنی پر راضی ہو گئے تو انہیں جانے کی اجازت مل گئی۔ اسی سال ذی قعدہ کی چاند رات کو بدر صغریٰ ہوا۔ ابوسفیان جب جنگ احد سے واپس ہوا تھا تو اس نے آواز دے کر کہا تھا کہ ہمارے تمہارے درمیان میں یہ اقرار ہے کہ آئندہ سال کے شروع سے بدر میں جمع ہو کر لڑیں گے۔ لیکن جب وعدے کا وقت قریب آ پہنچا تو ابوسفیان ڈرا۔ اس نے نعیم بن مسعود کو سونے کے تین ٹکڑے دے کر کہا کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو لڑائی کے نتائج سے خوفزدہ کرے۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار پانچ سو اصحاب اپنے ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور صحیح سالم مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ آیہ کریمہ

اِذْ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ الایۃ

(جب کہ کہا لوگوں نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ بہت سے لوگ جمع ہوئے ہیں تم سے لڑنے کے لیے پس تم ان سے ڈرو)

کا شان نزول یہی واقعہ تھا۔

اسی سال زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت رسالت مآب کے حکم سے یہودیوں کی خط و کتابت کو سیکھا تا کہ ان کے خفیہ امور کی حفاظت کی جا سکے۔ اور اسی سال کے ذی قعدہ میں یہودی اور یہودیہ کے رجم کا مقدمہ ہوا اور اسی سال بنی النضیر کے حصار کے قضیہ میں شراب کی حرمت نازل ہوئی۔ بعض مورخ کہتے ہیں کہ شراب کی تحریم ہجرت کے تیسرے سال میں ہوئی ہے لیکن بالتحقیق بات یہ ہے کہ شراب کی حرمت چند مرتبہ پہلے بھی نازل ہوئی تھی لیکن بقول صحیح آخری بار اسی سال اتری۔ ایک اور قول میں ہجرت کے چھٹے سال کا ذکر ہے۔ اس درمیان غزوہ حدیبیہ ہوا۔ شراب کی تحریم کا اعلان بذریعہ آیہ کریمہ

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ

ترجمہ (اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور فال کے تیر نجس اور عمل شیطانی ہیں پس بچتے رہو اس سے)۔

جوا اور شراب کی قطعی حرمت ہوگئی۔ اور اسی سال شوال کے مہینے میں آنحضرت ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ اور ان کے پہلے شوہر ابو سلمہ، ام المومنین زینب بنت خزیمہ اور فاطمہ بنت اسد ام علی بن ابی طالب نے اسی سال وفات پائی۔

پانچویں سنہ ہجری

ربیع الاول کے مہینے میں جنگ کے بغیر غزوہ دومۃ الجندل واقع ہوا۔ محرم کے مہینے میں غزوہ ذات رقاع ہوا اسی غزوہ میں صلوٰۃ خوف شروع ہوئی۔ غزوہ کا نام 'ذات رقاع' رکھنے کے متعلق بہت سے قول ہیں۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ صحیح بخاری میں ابی موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برہنہ پا ہونے کی وجہ سے کپڑے کے چیتھڑے پیروں میں لپیٹ لیے تھے۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں ذات رقاع ایک درخت یا کسی مقام کا نام ہے۔ اس مقام کی بعض جگہ سیاہ تھی اور بعض سفید۔

اسی سال شعبان کی دوسری تاریخ کو غزوۂ مُریسیع ہوا۔ مُریسیع بنی خزاعہ کے ایک تالاب کا نام تھا۔ اس غزوہ کو غزوہ بنی المصطلق بھی کہتے ہیں۔ جویریہ بنت الحارث جن کا اصلی نام برہ ہے اسی غزوہ کے قیدیوں میں آئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد اور شرف زوجیت بخشا۔ اسی سال حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت کا قصہ پیش آیا اور زینب جحش سے آپ نے نکاح فرمایا جو حضور کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور اس سے پہلے یہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ ایک روایت کے مطابق آیت تیمم کا نزول بھی اسی سال میں ہوا۔ اس سال کے ذی قعدہ میں غزوۂ خندق واقع ہوا جس کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں۔ اسی غزوہ میں سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی کمر سے شمشیر ذوالفقار باندھی تھی اور نعیم بن مسعود نے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر اپنے اسلام کا اظہار کیا تھا۔ اور پھر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قبائل یہود اور کفار ان قریش کے درمیان ایک بہترین تدبیر سے پھوٹ ڈلوا دی تھی۔ کفار ان

قریش کا سردار ابوسفیان تھا۔ اس پھوٹ سے دونوں ذلیل ہو گئے تھے۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کے چھ اور مشرکین میں سے تین مقتول ہوئے تھے۔ اور کفار پر ہوا کے لشکر غالب کر دیا گیا تھا۔ پھر اس کے بعد بھی کفار ان قریش نے مدینہ منورہ کا رخ بھی نہ کیا۔ اس غزوہ کی واپسی پر اس وقت جبرئیل امین نے آ کر غزوہ بنو قریظہ کے لیے برانگیختہ کیا۔ پچیس روز تک بنو قریظہ کو محاصرہ میں رکھا گیا اور سعد بن معاذ کے فیصلہ رضامندی کے بعد سب کو قتل کر دیا گیا۔ انہی میں حی بن اخطب یہودی بھی مقتول ہوا۔ ابولبابہ کا معاملہ اور اس کا اپنے تئیں مسجد سے باندھ دینا۔ چاند گرہن ہونا اور صلوٰت خوف کا شروع ہونا اسی سال شروع ہوا اور اسی سال آنحضرت ﷺ گھوڑے پر سے گرے۔ جس سے آپ کی ران مبارک پر خراش آ گئی۔ آپ پانچ روز تک گھر کے اندر ہی تشریف فرما رہے اور بیٹھ کر نماز ادا فرماتے رہے۔ اور اسی سال میں بقول اصح اور بقول جمہور کے چھٹے سال اور بقول علماء کے ایک اور جماعت کے نویں سال فریضہ حج نازل ہوا۔

چھٹی سنہ ہجری۔ اس سال غزوۂ بنی لحیان واقع ہوا آنحضرت ﷺ دو سو سواروں کو لے کر اصحاب رجیع کی جستجو میں روانہ ہوئے ان اصحاب کو کہ بیر معونہ پر قراء کو شہید کیا تھا آپ نے عسفان وادی کے قریب نزول فرمایا۔ بنو لحیان بھاگ کر پہاڑ کی چوٹیوں پر چڑھ گئے۔ اسی غزوہ میں آپ اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے گئے اور رونے لگے آپ کے رونے سے اصحاب بھی روئے جیسا کہ مشہور ہے اور اسی سال میں غزوہ غابہ ہوا۔ جس میں قبیلہ غطفان کے لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی اونٹنیوں کو لوٹ لیا تھا۔ سلمہ بن الاکوع نے ان لٹیروں پر حملہ کیا اور ان سے اونٹنیوں کو چھڑا لیا۔ اسی سال نماز استسقا کا واقعہ ہوا اور آنحضرت ﷺ کے دعا فرمانے سے سات روز تک برابر بارش ہوتی رہی تھی۔ اسی سال شوال میں واقعہ عرنیین ہوا اور اسی سال میں غزوۂ حدیبیہ ہوا۔ ایک روایت کے مطابق غزوہ بنی المصطلق " جویریہ بنت الحارث کا حاصل ہونا، واقعہ افک کا پیش آنا بھی ہوا۔ نیز مہر کا تیار کرنا۔ یہ سارے اس سال کے واقعات ہیں اور اسی سال دنیا بھر کے بادشاہوں کے پاس قاصد روانہ کیے گئے۔ جواب میں اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس نے آپ کی خدمت میں

ہدایے روانہ کیے۔ اس ہدیے میں ماریہ قبطیہ، ان کی بہن سیرین، یعفور گدھا اور خچر دُلدُل شامل تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ماریہ قبطیہ کو اپنے لیے پسند فرمایا اور سیرین کو حسان بن ثابت کو بخش دیا یعفور گدھا حجۃ الوداع کی واپسی میں مر گیا اور دُلدُل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک باقی رہا۔ اسی سال سورج گرہن پڑا۔ نماز کسوف شروع ہوئی اور خولہ نے اپنے خاوند کے ظہار کرنے کی شکایت کی۔ سورۃ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا۔ نازل ہوئی اور اسی سال میں ام رمان یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی والدہ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے وفات پائی اور ابو ہریرہ نے اسلام قبول کیا۔ یہ قبیلہ اوس کے ہمراہ مدینہ منورہ آئے تھے اس وقت آنحضرت ﷺ خیبر میں رونق افروز تھے۔ ابو ہریرہ بھی وہیں تشریف لے گئے اور غزوہ خیبر میں حاضر رہے۔ یہ اس سال کے اخیر کا واقعہ ہے۔

سنہ سات ہجری:

غزوۂ خیبر ہوا۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے دستِ مبارک سے جب سپر گر پڑی تو آپ نے خیبر کے دروازے کو اُکھیڑ کر سپر بنائی اور جب تک کہ یہ فتح نہ ہو گیا اپنے ہاتھ ہی میں اس کو رکھا۔ یہ اتنا وزنی دروازہ تھا جس کو سات آدمی بقوت کامل اور ایک دوسرے قول کے مطابق چالیس آدمی بھی اتنی قوت نہ رکھتے تھے کہ اس کو ہلا جلا سکتے۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کی طرف سے گیارہ آدمی شہید ہوئے اور یہودیوں کے ترانوے جہنم واصل ہوئے اور صفیہ بنت حی عنہا جو اُمہات المومنین میں شامل ہیں (یہ ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ہیں) اسی غزوہ کے قیدیوں میں ہاتھ آئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر کے اپنے نکاح کا شرف بخشا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے کھانے میں زہر ملا دینے کا واقعہ جو ایک یہودیہ کے ہاتھ سے ہوا تھا اور آفتاب کے غروب ہو جانے کے بعد دوبارہ پھر طلوع ہو جانا امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصر کی نماز فوت ہو گئی تھی اس لیے کہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک کو وحی کی حالت میں ان کی گود میں رکھے ہوئے تھے۔ یہ بھی غزوۂ خیبر ہی کا واقعہ ہے۔ اور اس غزوہ میں پالو گدھا اور صاحب دانت کا کھانا، مال غنیمت کو قبل از تقسیم بیچنا اور باندیوں سے وطی کرنا استبراء سے پہلے منع فرما دیا۔ اسی غزوہ

میں متعہ کا نکاح حرام ہوا۔ جو ابتدائے اسلام سے اس وقت تک حلال تھا۔ اور دوسری مرتبہ اوطاس کے دن بعد فتح مکہ پھر حلال کر دیا۔ اور تین دن کے بعد بحرمت قطعی ابدی باتفاق جمیع علما پھر حرام ہو گیا۔ اور اس مسئلہ میں بجز روافض کے کوئی مخالف نہیں ہے اسی سال واقعہ لیلۃ التعریس اور خیبر کی واپسی میں آنحضرت ﷺ نیز آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم کی نماز کا قضا ہو جانے اور پھر نماز کو مع اذان و اقامت و جماعت کے ادا کرنے کا واقعہ پیش آیا۔ اسی سال ام حبیبہ بنت ابوسفیان کا ملک حبش میں انتقال ہو گیا۔ یہ اپنے شوہر کے ہمراہ ملک حبش گئی ہوئی تھیں۔ جب ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا تو حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے آنحضرت ﷺ سے ان کا نکاح کر دیا۔ اور ایک دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نکاح چھٹی سال ہجری میں ہوا تھا۔ اسی سال آنحضرت ﷺ نے دو ہزار ایک سو سواروں کے ہمراہ عمرہ قضا ادا کیا۔ اور واپسی کے وقت میمونہ بنت الحارث سے بمقام سرف نکاح فرمایا۔ سرف مکہ معظمہ کے قریب ہے اور اسی مقام پر آپ نے خلوت فرمائی۔ میمونہ بنت الحارث کی وفات ہجرت کے تریسٹھ برس بعد اسی مقام پر ہوئی اور اب تک آپ کی قبر شریف اس مقام پر موجود ہے۔ (رضی اللہ عنہا) آپ بحیثیت نکاح سب سے اخیر بیویوں میں ہیں اور ایک قول سے وفات میں بھی آخری ہیں۔ لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ وفات میں سب سے آخری حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں واللہ اعلم۔

سنہ آٹھ ہجری

میں صفر کے مہینے میں عمرو بن العاص و خالد بن الولید اور عثمان بن ابی طلحہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے اور مشرف باسلام ہوئے۔ بعضوں کے نزدیک ان حضرات نے سنہ سات ہجری کے آخر میں اسلام قبول کیا تھا۔ (اسی سال ذی الحجہ میں ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اسی سال مسجد نبوی میں منبر قائم کیا گیا اور ایک دوسری روایت کے مطابق قیام منبر ساتویں سال میں ہوا اور اسی سال سریہ مؤتہ ہوا اور حارث بن عمیر کو بصرہ کے بادشاہ کے بعد مع خط کے روانہ فرمایا۔ حارث بن عمیر کو شرحبیل بن عمرو غسانی نے شہید کر دیا اس سال آنحضرت ﷺ نے زید

بن حارث کو تین ہزار سواروں کے ہمراہ شرح بیل پر روانہ کیا۔ شرح بیل نے ایک لاکھ سے زائد آدمی جمع کر لیے تھے۔ اس لیے جنگ نے بہت سختی اختیار کی۔ جھنڈا زید کے ہاتھ میں تھا۔ جب زید شہید ہو کر گر پڑے تو جھنڈا جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ جب یہ بھی شہید ہو گئے تو جھنڈے کو عبداللہ بن رواحہ نے سنبھال لیا۔ اس ترتیب کا حضرت عالم پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارتاً پہلے سے حکم فرمایا تھا۔ آخر کار اس لڑائی کی فتح خالد بن ولید کے ہاتھ پر ہوئی اور ان کو اس غزوہ میں سیف اللہ کا خطاب ملا اور جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو طیار کا لقب حاصل ہوا اسی سال سریہ خبط واقع ہوا۔ عبیدہ بن جراح قریش کے ایک قافلہ کی جستجو میں گئے ہوئے تھے کہ سامانِ خوراک ختم ہو گیا۔ ایک جانور جس کا نام عنبر تھا اور یہ نہایت عظیم الجسد تھا (جیسا کہ کتب تاریخ میں مذکور ہے) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے اس کو دریا سے باہر ڈال دیا۔ نصف مہینے تک اور ایک قول کے مطابق تقریباً ایک ماہ تک یہی جانور ان لوگوں کی غذا رہا۔ اسی سال مکہ فتح ہوا۔ آنحضرت ﷺ دسویں رمضان المبارک کو دس ہزار آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں بمقام جحفہ جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے اپنے عیال کے ساتھ آنحضرت ﷺ سے ملاقات فرمائی۔ عباس بن عبدالمطلب اس سے پہلے آنحضرت ﷺ کے حکم سے مکہ میں حاجیوں کو پانی پلانے کا کام انجام دیتے تھے۔ اسی سال معاویہ رضی اللہ عنہ اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ ان کی بیوی ہندہ اور عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ نے اسلام قبول کیا حالانکہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے بعد عکرمہ بن ابی جہل کے قتل کا حکم صادر فرما دیا تھا لیکن عکرمہ کی بیوی حکیمہ بنت حارث نے اسلام قبول کر لیا اور اپنے شوہر عکرمہ کو ساتھ لے کر امن طلب کرنے دربار رسالت پہنچ گئیں وہاں عکرمہ بھی ایمان لے آئے اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں اجنادین کے دن شہید کیے گئے۔

جب آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لائے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ابوقحافہ کو آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا حضور ﷺ نے ان کو بٹھا لیا اور اپنے

دست مبارک کو ان کے سینہ پر پھیرا ابوقحافہ رضی اللہ عنہ فوراً ایمان لے آئے۔ جس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے باپ ابوقحافہ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے گئے تھے تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ تم نے بوڑھے آدمی کو کیوں تکلیف دی۔ میں خود ان کے پاس چلا جاتا۔ مکہ بیسویں رمضان کو فتح ہوا اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے مکہ معظمہ میں پندرہ روز اقامت فرمائی۔ اس دوران میں سے مکہ کے اطراف میں فوج و لشکر روانہ فرماتے رہے اور ہر جانب سے فتح کی خوشخبری آتی رہی۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عُزیٰ کے توڑنے پر عمرو بن العاص کو سواع کے اور سعد ابن فیروز کو منات کے توڑنے پر مقرر فرمایا (یہ تینوں بڑے بتوں کے نام ہیں)۔ اس طرح خانہ کعبہ سے شرک کی بنیاد اکھیڑ دی۔ اس کے بعد دسویں شوال کو بارہ ہزار کے ہمراہ جو اہل مدینہ اور شرفاء مکہ تھے حنین کی جانب روانہ ہوئے۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر اپنی شوکت و کثرت پر پڑی تو آپس میں فخریہ کہنے لگے کہ اب تو ہم ہرگز مغلوب نہ ہوں گے۔ خداوند تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی اور غیرت خداوندی نے ان حضرات پر بمقتضائے امتحان ایک قسم کی شکست ڈال دی۔ وہ دیہاتی عرب کہ جن کے دلوں میں ابھی تک پورے طور سے ایمان نے گھر نہیں کیا تھا آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے ابوسفیان نے کہا کہ یہ شکست دریا کے کنارے تک نہ پہنچے گی۔ دوسروں نے کہا کہ جادو کی طرح سازیاں آخر کار باطل ثابت ہوں گی۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے اپنے پروردگار سے مدد طلب کر کے چند کنکریاں اٹھا کر کفار کی جانب پھینک دیں کنکریوں کا پھینکنا تھا کہ کفار کے تمام لشکر شکست کھا گئے۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کے لشکر میں سے صرف چار آدمی شہید ہوئے اور مخالفین کے ستر ۷۰ آدمی فی النار سقر ہوئے۔ اس کے بعد ابو عامر کو ایک لشکر کے ہمراہ اوطاس بھیجا گیا وہاں سے بہت سا مال غنیمت قبضہ میں آیا۔ چھ ہزار آدمی تو قید کر لیے گئے اور چوبیس ہزار اونٹ۔ چالیس ہزار سے کچھ زیادہ بھیڑ بکری۔ چار ہزار اوقیہ چاندی اور ان قیدیوں کے درمیان میں شیماء بنت الحارث جو آنحضرت ﷺ کی رضاعی بہن تھیں وہ بھی قید ہو کر آئی تھیں آنحضرت ﷺ نے ان کا اکرام کیا اور انہیں اُن کے اہل دھیال کی طرف واپس

بھیج دیا۔ اس کے بعد طائف تشریف لے گئے اور وہاں کے باشندوں کو اٹھارہ روز تک محاصرہ میں رکھا اس کے بعد فرمایا کہ اعلان کر دو کہ جو شخص باہر آ جائے گا آزاد ہے۔ اس اعلان کو سن کر دس آدمیوں سے زائد باہر نکل آئے۔ ابوبکرہ بھی ان کے درمیان تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو قلعہ سے کنوئیں کے ذریعہ چرخی سے نیچے اُتارا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بارہ آدمی طائف میں شہید ہوئے اور یہاں سے کامل فتح اور اختتام جنگ کے بغیر واپس ہوئے اور جعرانہ سے احرام باندھ کر چھٹی ذیقعد کو عمرہ ادا فرمایا پھر اسی جگہ حُنین کا مال غنیمت تقسیم کیا گیا۔ ہوازن سے ایک وفد آیا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے قیدی اور مال واپس دے دیے گئے اس کے بعد مالک بن عوف جو ہوازم کا سردار تھا آ کر مسلمان ہوا۔ آپ نے سو ۱۰۰ اونٹ اس کو انعام میں دیے اور اس کے اہل وعیال بھی واپس کر دیے۔ مزید برآں اس کو طائف کا عامل مقرر کر دیا۔ اسی مقام پر سخت دل اہل عرب غنیمت کی تقسیم اور اس کی طلب میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ گستاخانہ پیش آئے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو ایک درخت کے نیچے بٹھلا کر آپ کی چادر شانہ مبارک سے اُتار کر لے گئے اور بعض جوانانِ انصار بھی غنیمت کے معاملے میں چہ میگوئیاں کرنے لگے اور آنحضرت ﷺ نے جوانانِ انصار کو دنیا کی ذلت بتاتے ہوئے آخرت کے ثواب اور اپنی مخصوص عنایت کی بشارت فرما کر درجہ خصوصیت میں ممتاز فرمایا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ سامانِ دنیا حقیر ہے چونکہ یہ لوگ میری قوم کے ہیں اور ضعیف الایمان بھی ہیں۔ اُن کے مال واسباب غارت ہو گئے ہیں۔ ان کی ملکیت اور ان کے شہر قبضہ سے جاتے رہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس مال غنیمت کے ساتھ ان کو مخصوص کر دوں۔ اور ان کے مال بھی انہیں کو واپس دے دوں تاکہ یہ ان کے ایمان کے زوال کا سبب نہ بنے۔ اس کے بعد عتاب ابن اُسید اور معاذ رضی اللہ عنہ کو مکہ میں خلیفہ بنا کر مدینہ منورہ کو واپس ہوئے اور اسی سال کعب بن زہیر نے قصیدہ بانت سعاد لکھ کر آنحضرت ﷺ کے حضور میں پیش کیا اور قتل سے محفوظ ہوئے۔ اسی سال آنحضرت ﷺ نے سودہ رضی اللہ عنہا کے طلاق کا ارادہ کیا۔ انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بخش دی اور ازواج

مطہرات کے سلسلے میں منسلک رہیں اور اسی سال زینب رضی اللہ عنہا نے جو حضور ﷺ کی بڑی صاحبزادی اور ابی العاص کی بیوی تھیں وفات پائی۔ (رضی اللہ عنہا)۔

سنہ نو ہجری

عینیہ بن حصین کو مع پچاس سواروں کے روانہ فرمایا۔ عینیہ دشمنان دین کے تقریباً پچاس آدمیوں کو گرفتار کر لائے۔ اقرع بن حابس اور ایک جماعت نے جوان کی سفارشی تھی آنحضرت ﷺ کو دروازہ کے باہر سے آواز دی اور آیہ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ۔ ترجمہ (بے شک جو لوگ آپ کو آواز دیتے ہیں مکان کے باہر سے) آخر تک۔ نازل ہوئی ولید بن عقبہ کو صدقات کے وصول کرنے کے لیے قبیلہ خذاعہ پر بھیجا۔ جب خذاعہ کے لوگ پیشوائی کے لیے آئے تو ولید بن عقبہ نے خیال کیا کہ شاید خذاعہ کے لوگ جنگ کے لیے نکلے ہیں۔ چنانچہ مدینہ منورہ واپس ہو کر ان کی شکایت آنحضرت ﷺ سے کی اور آیہ کریمہ اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا ترجمہ:۔ (اگر آپ کے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کو تحقیق کیجیے) نازل ہوئی اور اسی سال آنحضرت ﷺ ایک ماہ کے لیے اپنی بیویوں سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ اسی سال میں غزوۂ تبوک کے لیے نکلے اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اہل وعیال پر خلیفہ بنایا جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کی جدائی اور منافقین کے طعنہ دینے کے سبب مدینہ کے قیام میں کلفت ظاہر فرمائی تو بذریعہ احادیث انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ ترجمہ (تم میرے نزدیک بمنزلہ ہارون کے ہو موسیٰ علیہ السلام سے) کے تسلی وتشفی دے کر اس منقبت عظمیٰ کے ساتھ ممتاز کیا۔ اسی غزوۂ تبوک میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا تمام مال اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نصف مال لا کر حاضر کر دیا تھا۔ عثمان ذی النورین کا جیش عسرہ کو اور پیچھے رہ جانا ان تین صحابیوں کا۔ جس کی آیہ کریمہ وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا۔ (اور ان تین آدمیوں کو جو پیچھے رہ گئے ہیں۔ الآخر) نے خبر دی ہے اسی غزوۂ تبوک میں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مہینے وہاں پر قیام فرمایا اور بغیر لڑائی کے واپس آ گئے اور وہیں پر صاحب ایلہ اہل جربی اور اذرح آئے۔ اور جزیہ قبول کیا اور یہیں

سے آپ نے خالد کو مع چار سو سواروں کے اکیدر پر جو دومۃ الجندل کا بادشاہ تھا روانہ فرمایا اس کو قید کر لیا اور اس کے بھائی کو قتل کر ڈالا پھر اس کو بھی جزیہ کی شرط پر رہا کر دیا اور سفر کی واپسی میں مسجد ضرار پر گزر ہوا۔ یہ مسجد منافقوں نے بوجہ حسد اہل قبا کے بنائی تھی تا کہ اس مسجد کی جماعت کم ہو جائے۔ آپ نے اس مسجد کو وحی الٰہی کی وجہ سے خراب کر کے جلا دیا۔ قرآن مجید اس واقعہ کی خبر دیتا ہے وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا الایہ ترجمہ (جن لوگوں نے کہ مسجد ضرار تیار کی ہے) (لآخرہ) رمضان کے مہینے میں مدینہ منورہ تشریف لائے اس وقت وثقیف کا وفد آ کر مسلمان ہوا اور آپ نے ان پر یہ شرط عائد کی کہ وہ جب تک لات وطافیہ کو منہدم نہ کریں گے اور نہ توڑیں گے اور نماز نہ ادا کریں گے مسلمان کامل نہ سمجھے جائیں گے۔ ان شرائط کو پورا کرنے کے بعد حلقۂ اسلام میں داخل ہو کر رسم اطاعت بجا لائیں۔ اس شرط فاسد کو ان سے رد کر کے واپس لیا اور آیہ کریمہ وَلَوْلَا اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ الایۃ۔ ترجمہ (اور اگر ہم نہ ثابت رکھتے آپ کو۔ البتہ قریب تھا کہ آپ اُن کی طرف مائل ہو جائیں۔ لآخرہ) کا شان نزول یہی واقعہ ہے۔ عثمان بن ابی العاص کو ان کے اُوپر امیر بنایا۔ ان کے پیچھے ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ کو اس کے انہدام اور اس بُت کے توڑنے کے لیے جو طائف میں تھا روانہ فرمایا۔ اسی سال حمیری بادشاہوں کے خط اور قاصد دربار رسول میں آئے۔ ساتھ ہی ساتھ ان کے اسلام کی بھی خبر لائے اور اسی سال ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کے لیے بھیجا۔ ان کے پیچھے علی مرتضیٰ کو بھی روانہ فرما دیا تا کہ سورۂ براءت پڑھ کر سنا دیں اور مشرکین کے عہد کو توڑ دیں اور لوگوں کو برہنہ طواف کرنے سے منع کر دیں کسی مشرک کو حج نہ کرنے دیں اور خبر دے دیں کہ جنت میں سوائے مومن کے کوئی نہ داخل ہو گا اور اسی سال عامدیہ زانیہ کو رجم فرمایا اور عویمر بن الحارث نے اپنی عورت کے ساتھ لعان کیا اور اسی سال رجب کے مہینے میں نجاشی نے حبشہ میں وفات پائی اور آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی شافعیہ اسی سے یہ دلیل پکڑتے ہیں کہ غائب میت پر نماز جنازہ جائز ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے اور نجاشی کا جنازہ آپ پر منکشف کر دیا

گیا تھا اس لیے حقیقت میں آپ نے نماز حاضر میت پر ادا فرمائی نہ کہ غائب پر۔

اور اسی سال ام کلثوم (عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی بیوی) نے وفات پائی اور اسی سال کے ماہ ذی قعدہ میں عبداللہ بن اُبَی منافق جہنم روانہ ہوا تو آنحضرت ﷺ نے اپنے وعدہ کے بموجب جو اس سے آپ فرما چکے تھے اپنا پیراہن اُس پر ڈال دیا۔ آپ کا خیال تھا کہ ہمارے ایسا کرنے سے شاید اس کی قوم پر اچھا اثر پڑے اور وہ مسلمان ہو جائیں۔ چنانچہ حضور ﷺ کے خیال کے مطابق ہی اثر ظاہر ہوا اور جب اس کی قوم نے یہ دیکھا کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیراہن اس پر ڈال دیا ہے تو ایک ہزار آدمی ایمان لے آئے اور اسی سال عرب کے وفود ہر چہار جانب سے آنا شروع ہو گئے اسی لیے اس سال کا نام عام الوفود ہے۔ تمام عرب بھی اسلام کو مکہ معظمہ کی فتح پر موقوف رکھے ہوئے تھے۔ جب ان لوگوں نے یہ دیکھا کہ پیشوائے عرب یعنی قریش نے بھی اطاعت قبول کر لی ہے اور اسلام لے آئے ہیں تو سب نے یقین کر لیا کہ اب کسی میں ان کے مقابلے کی طاقت نہیں رہ گئی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا دین دراصل سچا ہے اور بت پرستی باطل ہے۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

ترجمہ (حق آیا اور باطل بھاگا۔ باطل تو بھاگنے ہی والا ہے)

جماعتوں پر جماعتیں ہر جانب سے آتیں اور اپنی گردنوں میں حلقہ اسلام ڈال لیتیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِیْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا

ترجمہ: (جس وقت اللہ کی مدد اور فتح آئے گی تو آپ دیکھیں گے کہ جماعتوں کی جماعتیں اللہ کے دین میں داخل ہوں گی)۔

سنہ دس ہجری

ربیع الآخر کے مہینے میں قبیلہ بنی حارث پر نکلے اور ان کو مشرف باسلام کیا اور اسی سال سلامان، غسان، عامر، ازد اور زبید کے وفود حاضر ہوئے۔ انہیں کے درمیان میں عمر و بن معد یکرب بھی تھے جو اسلام لائے اور آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو

گئے۔ اس کے بعد پھر اسلام لائے اور اسی سال وفد عبد القیس واشعث ووفد بنی حنیفہ آئے انہیں میں مسیلمہ کذاب بھی تھا جس نے مرتد ہو کر نبوت کا دعویٰ کر دیا اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنا شریک بنایا ہے۔ اور اسی سال میں نجران کے انصاریوں سے مباہلہ ہوا اور اسی سال میں وفد بجیلہ آیا۔ جریر بن عبداللہ بجلی نے اپنے ہم قوم ایک سو پچاس آدمیوں کے ہمراہ اسلام قبول کیا آپ نے اس کو ذی الخلصہ کی جانب روانہ فرمایا تاکہ وہاں جو بُت ہے اس کو منہدم کر دے۔ اسی سال میں جام کا مقدمہ ہوا جس کو تمیم داری اور عدی نصرانی نے چرایا تھا اور آپ نے اسی سال علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا۔ واقعہ حجۃ الوداع بھی اسی سال کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد اس کے علاوہ کوئی حج ادا نہیں فرمایا تھا۔ اعلان نبوت سے پہلے اور اس کے بعد آپ نے بہت سے حج کئے تھے۔ علماء کو ان کے شمار کی اطلاع نہیں ہے اسی وجہ سے ان کی تعداد کو احاطہ ضبط میں نہ لایا جا سکا۔ لیکن ہجرت کے بعد عمرے بالاتفاق چار کئے ہیں۔ اور اسی سال حجۃ الوداع کے دن آیہ کریمہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ؕ آخر تک نازل ہوئی۔ حج کی واپسی میں غدیر خم کی منزل پر امیر المومنین علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کو خصوصیت سے مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ الحدیث (جس کا میں مولا ہوں اس کے علی مولا ہیں) سے مخصوص کیا۔[1] اور اسی سال ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور اسی سال ضمام بن ثعلبہ نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام دین دریافت کئے۔ اور پھر اپنی قوم میں واپس جا کر ان کو مشرف بہ اسلام کیا۔ اور اسی سال حاتم طائی کے قبیلہ بنی طی کو قید کر کے لائے۔ ان قیدیوں میں حاتم طائی کی لڑکی بھی تھی۔ اس کا بھائی بہن کو چھوڑ کر ملک شام کو بھاگ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاتم طائی کی لڑکی کو رہا کر کے خلعت بخشی اور وہ اپنے بھائی عدی بن حاتم کے پاس واپس بھیج دی گئی اور پھر دونوں نے واپس آکر اسلام قبول کر لیا۔ ایک دوسرے قول کے مطابق حاتم کی اولاد کا واقعہ نویں سال ہجری کا ہے اور اسی سال خالد کو بنی حارث پر جو نجران میں تھے بھیجا گیا وہ سب کے سب اسلام لے آئے۔ اور آپ کی خدمت میں حاضر

---

[1] یہ حدیث ضعیف ہے جس کی تشریح کتاب جامع البیان میں موجود ہے۔ (مترجم)

ہوئے۔ جب آپ کی نظر مبارک ان کے وفد پر پڑی تو فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں گویا ہندوستانی معلوم ہوتے ہیں۔ اسی سال باذان جو والی یمن تھا انتقال کر گیا۔ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن وحضرموت کی طرف بھیجا اُن کی سواری کے ہمراہ پا پیادہ چل کر آپ نے انہیں شرف رخصتی سے مشرف فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اے معاذ! شاید ہم کو اس سال کے بعد تم نہ پاؤ اور یہی ہماری تمہاری آخری ملاقات ہو یہ سن کر معاذ رو پڑے پھر آنحضرت ﷺ نے ان کو رخصت کیا اور اسی سال جریر بن عبداللہ کو ذی الکلاع بن ناکور پر روانہ فرمایا وہ اور اس کے ہمراہ مسلمان ہو گئے۔ اور اسی سال فردہ بن عمر الجذامی جو شاہ روم کی طرف سے اُن حدود عرب پر جو روم سے متصل ہیں عامل تھا مسلمان ہو گیا۔ روم کے بادشاہ نے اس کو گرفتار کر لیا اور اس کے مرتد ہونے کا باعث ہوا۔ فردہ نے کہا تو خوب جانتا ہے کہ یہ وہی رسول ہیں جن کے ظہور کی بشارت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے دی ہے۔ لیکن تو اپنی سلطنت کے زوال سے ڈرتا ہے اور اسلام کی سعادت سے مشرف نہیں ہوتا۔ شاہ روم نے فردہ کو قید کر کے مار ڈالا۔

گیارھویں سنہ ہجری

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خدا اہل بقیع کے لیے استغفار کی اور فرمایا کہ اے اہل بقیع تمہارا وقت بہت ہی اچھا تھا کہ اس دنیا سے گزر گئے فتنے ظاہر ہو رہے ہیں جو اندھیری رات سے بھی زیادہ تاریک ہیں۔

اسی سال دوشنبہ کے دن چھبیس صفر کو اسامہ بن زید ایک بڑے لشکر کے ہمراہ بابل ابنی کو روانہ فرمائے گئے۔ جس میں ان کے والد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے اور چہار شنبہ کے دن آنحضرت ﷺ کو بخار اور سر درد پیدا ہوا۔ پنجشنبہ کے روز ایک جھنڈا اپنے دست مبارک سے تیار کر کے جرف میں تشریف لائے۔ جرف مدینہ منورہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ آپ نے ایک لشکر تیار کیا اس میں بڑے بڑے مہاجرین وانصار مثل ابوبکر وعمر اور سعد بن ابی وقاص وابو عبیدہ اور انہیں کی طرح دوسرے شامل تھے۔ ان حضرات کو اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ کیا۔ بعض لوگوں کو اس مقام پر کچھ قیل وقال

پیدا ہوئی آپ نے ایک بلیغ خطبہ اُسامہ اور ان کے باپ کی تعریف میں پڑھا۔ پھر فرمایا کہ خدا کی قسم ان کے باپ امارت و ریاست کے لائق تھے اور یہ بھی اپنے باپ کے بعد اس کام کے لائق ہیں۔

شنبہ کے دن دسویں ربیع الاول کو گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ یکشنبہ کے دن مرض نے شدت اختیار کی۔ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی لعنۃ اللہ علیہما کے ظہور کی خبر پہنچی۔ آنحضرت ﷺ نے بذریعہ وحی الٰہی اسود کے مارے جانے کی خبر دے دی اور یہ پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ اسود عنسی نے صنعاء یمن میں خروج کیا اور شہر بن باذان کو قتل کر کے اس کی عورت سے نکاح کر لیا۔ یہ عورت فیروز کے چچا کی لڑکی تھی جو نجاشی کی بہن کا بیٹا تھا۔ فیروز کے بیٹے نے حیلہ کر کے اس کے محل میں نقب لگائی اور اندر گھس گیا وہاں پہنچ کر اسود عنسی کو ہلاک کر دیا۔ اس نے مرتے وقت ایک بلند آواز نکالی۔ یہ آواز ان پاسبانوں کی آواز کے مشابہ تھی جو اس کے مکان کے گرداگرد متعین تھے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ کیسی آواز ہے۔ اسود عنسی کی عورت نے جو اس کے قتل میں شریک تھی لوگوں سے کہا کہ تم لوگ اپنی حالت پر قائم رہو۔ یہ آواز وحی کی ہے جو تمہارے پیغمبر پر نازل ہوئی ہے۔

اسود ملعون کا نام عبہلہ بن کعب تھا اور اس کو ذوالحمار بھی کہتے تھے یہ کاہن تھا اور لوگوں کو عجیب و غریب باتیں دکھلاتا تھا اس کے خروج کو ابتدا حجۃ الوداع کے بعد ہوئی تھی۔

مسیلمہ کذاب کا قاتل وحشی تھا۔ وحشی نے ہی حمزہ بن عبدالمطلب کو بھی شہید کیا تھا وہ کہا کرتا تھا کہ میں اس آدمی کو قتل کرتا ہوں جو سب سے بہتر ہو یا سب سے بدتر ہو۔ مسیلمہ ملعون بوڑھا تھا بنی حنیفہ کے وفد کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ اسلام میں داخل ہوا تھا لیکن جب یمامہ واپس پہنچا تو مرتد ہو گیا اور دعویٰ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اپنی نبوت میں شریک فرما لیا ہے۔ اس نے شراب اور زنا کو جائز اور فریضہ نماز کو ساقط کر دیا۔ اہل فسق و فساد کی ایک جماعت اس کے تابع ہو گئی اور وہ قرآن مجید کے مقابلے میں بھی نامطبوع کو گھڑ کر عقلائے جہان کا مضحکہ بن گیا۔ چنانچہ والعادیات کے مقابلہ میں اس نے کہا ہے:

والزارعات زرعًا والحاصدات حصدا والطاحنات طحنًا والخابزات خبزا والثاردات ثردا۔ دوسری یا ضفدع بنت ضفدعین الی کم تبقین لا الماء تکدرین ولا الشاربین تمنعین راسک فی الماء وذنبک فی الطین۔ وکفته۔ الفیل ما الفیل له خرطوم طویل ان ذالک من خلق ربنا الجلیل۔

کہتے ہیں کہ اس ملعون سے بعضے خوارق واستدراج بھی ظاہر ہوتے تھے۔ لیکن سب اس کے مدعا کے خلاف ہوا کرتے اگر کسی کے لیے درازیٔ عمر کی دعا کرتا تو وہ فورا مر جاتا آنکھ کی روشنی کے لیے دعا کرتا تو فی الفور اندھا ہو جاتا۔ ایک مرتبہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خط اس عبارت میں لکھا۔ من مسیلمہ رسول اللّٰہ الی محمد اما بعد فان الارض لنا نصف وللقریش نصف ولکن القریش یعتدون۔ ترجمہ:- (مسیلمہ رسول اللہ کی جانب سے محمد کی طرف اما بعد زمین نصف ہماری ہے اور نصف قریش کی لیکن قریش زیادتی کرتے ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں لکھا من محمد رسول اللّٰہ الی مسیلمۃ الکذاب اما بعد اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔ ترجمہ:- (محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کو اما بعد بے شک زمین اللہ کی ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس شخص کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور آخرت کی بھلائیاں پرہیزگاروں کے لیے ہیں۔) دوشنبہ کے دن حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ صبح کی نماز میں مشغول ہیں خوش ہوئے اور خوش خوش مکان میں داخل ہوئے لوگوں نے کہا یا رسول اللہ آج کا دن بمقابلہ دوسرے دنوں کے اچھا ہے۔

دوپہر کو ایک اور قول ہے کہ چاشت کے وقت آپ بارھویں ربیع الاول کو اپنے پروردگار کے دربار میں تشریف لے گئے۔ سہ شنبہ کے دن آپ کو آپ کے اہل بیت نے غسل دیا اور تمام دن گروہ بعد گروہ نماز جنازہ ادا کرتے رہے چہار شنبہ کی رات میں دفن کیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

باب ششم

مقامات شریفہ کی عمارت مسجد معظم حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ومنبر عالی مرتبت واسطوانات رحمت منزلت وحجرات منیفہ وغیرہ کا بیان

علمائے تاریخ (اللہ ان کی کوشش کی جزا دے) بیان کرتے ہیں کہ جب سرور انبیاء صلوٰۃ اللہ کی اونٹنی مسجد کے دروازہ پر بیٹھ گئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

هذا المنزل انشاء الله تعالی

ترجمہ:- اگر اللہ کو منظور ہوا تو یہی منزل ہے

اونٹنی سے اتر کر یہ آیت پڑھی:

رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ

ترجمہ (اے میرے رب نازل کر مجھ کو نزول برکت کے ساتھ اور تو بہترین نازل کرنے والا ہے)

اس زمانہ میں یہ خطہ مبارک نخلستان تھا۔ اس کے درمیان مربد تھا جو دو یتیموں کا حق تھا اور یہ یتیم بعض انصار کی تربیت میں پرورش پاتے تھے مربد اس مقام کو کہتے ہیں جہاں خرمہ کو خشک کر کے تمر بناتے ہیں مسلمانوں کی ایک جماعت حضور پرنور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے یہاں نماز پڑھا کرتی تھی۔ سید المرسلین نے ان دونوں یتیموں کو بلایا اور اس مقام کو مسجد بنانے کے لیے ان سے خرید لیا۔ ان لوگوں نے بہت کوشش کی کہ اس قطعہ زمین کو بغیر قیمت دے دیں لیکن حضور اقدس ﷺ راضی نہ ہوئے۔ پہلے زمین کی قیمت دی بعد کو مسجد کی بنیاد رکھی۔ بعض انصار نے اس کی قیمت کے علاوہ صاحبان زمین کو اپنے

مالوں میں سے کھجور کے درخت دے کر انہیں راضی کیا اور اس مقام کے نشیب وفراز کو دور کر کے اس کی سطح برابر کر دی جو درخت بے موقع تھے کاٹ ڈالے پھر مسجد کی بنیاد رکھی بقیع کے قریب، مسجد ابراہیم کے شمالی جانب، بیر ایوب کے پاس اینٹیں تیار کی جاتی تھی۔ آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ اینٹ پتھر ڈھوتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے شوق اور تسلی کی خاطر آپ یہ پڑھتے تھے۔ مترجم: (اے اللہ نہیں ہے بھلائی مگر بھلائی آخرت کی پس بخش دے تو انصار اور مہاجرین کو) مسجد کی چھت کھجور کی چھال سے اور ستون کھجور کی لکڑیوں سے تیار کیے گئے۔ حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مسجد کی بنیاد رکھ رہے تھے تو جبریل امین خدا کی جانب سے حکم لائے کہ اس کا عریش موسیٰ کلیم اللہ کے عریش کے مطابق بنایئے اس کی بلندی سات گز سے زیادہ نہ ہو اور اس کی تزئین اور آرائش میں تکلف سے کام نہ لیا جائے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد کی چھت ایسی تھی کہ اگر بارش ہوتی تو اوپر سے لوگوں کے سر پر مٹی گرا کرتی تھی۔ جب پہلے پہل مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی گئی تھی تو اس کی نیو کا طول قبلہ سے حد شمال تک چون گز اور مشرق سے مغرب تک تریسٹھ گز تھا۔ فتح خیبر کے بعد سنہ سات ہجری میں اس کی تجدید کر دی گئی اور ہر طرف سے اس کو صد در صد کر دیا گیا طبرانی نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری سے، جو مسجد شریف کے پڑوس میں رہتے تھے فرمایا کہ کیا تم اپنے زمین کے اس ٹکڑے کو جو اس مکان کے عوض تمہیں بہشت میں ملے گا بیچ سکتے ہو تاکہ ہم مسجد کو وسیع کر دیں۔

جب ان انصاری نے اس معاملہ کی توفیق نہ پائی تو عرض کیا یا رسول اللہ میں غریب آدمی ہوں اور عیال بھی رکھتا ہوں میرے پاس سوائے اس ٹکڑے کے اور زمین نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان انصاری کو مجبور نہیں کیا۔ بعد میں عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس زمین کو انصاری سے دس ہزار درہم میں خرید لیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس قطعہ زمین کو مجھ سے اس گھر کے عوض جو مجھ کو بہشت میں ملے گا خرید لیجیے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے

زمین کو بدل مذکور کے عوض خرید کر مسجد شریف میں داخل فرما دیا۔ بنیاد میں ایک اینٹ اپنے دست مبارک سے رکھی اس کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا تاکہ وہ بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اینٹ کے برابر ایک اینٹ رکھ دیں اسی طرح عمر و عثمان رضی اللہ عنہما سے فرمایا اور ہر ایک نے ایک ایک اینٹ رکھی۔ یہی طریقہ مسجد قبا کی بنیاد رکھنے کے دوران اختیار کیا گیا تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق البتہ کلام ہے اس لیے کہ حضرت عثمان آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے وقت مدینہ منورہ میں موجود نہ تھے حبشہ کی ہجرت سے ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔ واللہ اعلم۔

امام احمدؒ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ صحابی اینٹیں ڈھوتے تھے اور آنحضرت ﷺ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی مدد فرماتے تھے۔ میں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ پیٹ سے لے کر سینہ تک بہت سی اینٹیں اٹھائے ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ اینٹیں مجھ کو دے دیجیے تاکہ پہنچا دوں۔ فرمایا کہ اینٹیں تو بہت ہیں تم بھی اٹھاؤ اور یہ میرے لیے چھوڑ دو۔ یقیناً یہ واقعہ تعمیر ثانی کا ہے۔ اس لیے کہ ابو ہریرہ کا اسلام قبول کرنا اور فتح خیبر کا واقعہ سنہ ۷ ہجری کا ہے۔ اور تعمیر اول مقدم ہے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ہر صحابی ایک ایک اینٹ اُٹھاتے تھے۔ لیکن عمار بن یاسر دو دو اٹھاتے تھے۔ جب سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ان پر پڑی تو فرمایا:

ویح عمار تقتلہ الفئة الباغیة یدعوھم الی الجنة ویدعونہ الی النار

ترجمہ: (افسوس ہے کہ قتل کرے گی عمار کو ایک جماعت باغیوں کی عمار لائیں گے ان کو جنت کی طرف اور وہ لوگ بلائیں گے ان کو جہنم کی طرف)

قبلہ اول تعمیر کے دوران سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی جانب رہا اور مسجد کے تین دروازے تھے۔ ایک دروازہ بجانب پایاں جو کہ اس وقت قبلہ ہے اور ایک دروازہ غربی جانب کہ اس وقت اس کو باب الرحمت کہتے ہیں۔ تیسرا دروازہ جس طرف سے آنحضرت ﷺ تشریف لاتے تھے وہ باب آل عثمان ہے۔ اب اس کو باب جبریل کہتے

ہیں۔ یہ حضور ﷺ کی جائے تہجد ہے نہ کہ وہ کھڑکی جس کو عوام الناس باب جبریل کہتے ہیں۔ جب قرآن مجید میں تحویل قبلہ کے متعلق حکم نازل ہوا جبریل امین نے دربار خداوندی سے آ کر جس قدر پردے درمیان میں حائل تھے (پہاڑ ہوں خواہ درخت) کعبے کے سامنے سے ہٹا دیے۔ جس مقام پر اب مسجد نبوی کی بنیاد ہے۔ قبلہ کے سمت والے منظر پر میزاب کو درست کیا۔ تحویل قبلہ کے چودہ پندرہ دن بعد تک آنحضرت ﷺ کی نماز کا مقام اسطوانہ کے پیچھے تھا جس کو اب اسطوانہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتے ہیں اس کے بعد محراب کا مقام جو آج تک مقرر ہے متعین ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ میں محراب کی یہ علامت نہ تھی۔ جس طرح سے اب مسجدوں میں پائی جاتی ہے۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جو ولید ابن عبدالملک اموی کی جانب سے مدینہ منورہ کے امیر مقرر ہوئے تھے انہوں نے اس کی ابتدا کی۔ آنحضرت ﷺ کا بیت المقدس کے قبلہ میں وہ مقام تھا کہ اگر آپ اسطوانہ مذکور کی طرف پشت کر کے شام کی جانب منہ کریں۔ اور باب عثمان کے مقابل اس طرح کھڑے ہو جائیں کہ باب مذکور دائیں شانہ پر واقع ہو جائے تو مقام قبلہ حاصل ہو سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ منبر رکھے سے پہلے محراب کے قریب متصل جانب غربی کھڑے ہو کر اصحاب کو خطبہ سے مشرف فرمایا کرتے تھے اور کبھی کبھی طول قیام کے سبب جب تکان ہو جاتی تو اس لکڑی سے جو اس مقام پر نصب کی گئی تھی تکیہ فرمایا کرتے تھے۔ ملک عرب کا ایک شخص مدینہ منورہ میں حاضر ہوا لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ وہ مدینہ ہی کا باشندہ تھا اور کسی انصاری کا غلام تھا اس نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ اگر حضور ﷺ فرمائیں تو ایک ایسا منبر تیار کیا جائے کہ اس پر کھڑے ہونا اور بیٹھنا بھی آسان ہو جائے آپ نے اس کی التماس کو منظور فرمایا اس نے تین درجہ کا ایک منبر تیار کیا اس کا تیسرا درجہ بیٹھنے کا مقام تھا صحیح روایت کے مطابق جب سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منبر کو اس مقام پر رکھا کہ جہاں اب منبر شریف ہے اور مقام معینہ سے جہاں پہلے خطبہ پڑھتے تھے منتقل ہو گئے تو وہ لکڑی جس سے کبھی کبھی آپ تکیہ فرمایا کرتے تھے آپ کے فراق صحبت میں شق ہو گئی اور آہ و بکا شروع کر دی وہ ایسی آواز نکالتی تھی کہ جیسے اونٹنی نکالتی ہے۔ تمام حاضرین نے بھی

اس آواز کو سنا اور یہ لوگ بھی اس عجیب وغریب حال کو دیکھ کر رونے لگے۔ آنحضرت ﷺ منبر سے اُتر آئے اور اس پر دست شفقت رکھ کر فرمایا کہ اگر تو چاہے تو تجھ کو تیری جگہ پر سابقہ حالت میں کر دوں۔ اور اگر چاہے تو بہشت جاوداں میں بٹھال دوں تا کہ اُس کی نہروں اور چشموں سے سیراب ہوا کرے اور دوستان خدا تیرا میوہ کھائیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اصحاب کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ اس نے دارالخلد میں رہنا پسند کیا۔ روایت ہے کہ جب حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو سنتے تو رو دیتے اور فرماتے کہ اے بندگان خدا جب ایک چوب خشک فراق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں فریاد کرتی ہے تو کیا تم اس سے زیادہ اس بات کے لائق نہیں ہو۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حنین کے رونے کی حدیث مشہور ہے بلکہ تواتر کو پہنچی ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر جماعت راوی ہے۔ ستون مذکور بعض اصحاب کے زمانہ تک موجود رہا آخر کار بسبب امتداد زمانہ بوسیدہ ہو گیا اور ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ کے حکم سے جس مقام پر وہ کھڑا تھا وہیں دفن کر دیا گیا۔ قول صحیح میں اس منبر شریف کا طول ایک گز تھا۔ چوڑائی نصف گز تھی اور ہر درجہ کی چوڑائی نصف بالشت۔ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے تک بدستور رہا۔ جس شخص نے سب سے پہلے اس کو جامہ قبطیہ سے لپیٹا ہے وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے انہوں نے اپنی خلافت کے چھ سال بعد نیچے کے درجے سے جس کو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد اختیار کیا تھا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست پر گئے۔ اور ایک قول میں حضرت امیر معاویہ نے سب سے پہلے منبر شریف کو لباس پہنایا تھا۔ اور اپنی امارت کے زمانے میں جب وہ شام سے مدینہ منورہ آئے تو قصد کیا کہ آنحضرت ﷺ کے منبر کو شام لے جائیں اور اسی ارادہ سے جب اس کو اپنی جگہ سے حرکت دی تو اس وقت آفتاب میں ایسا گہن لگا کہ آسمان کے تارے نظر آنے لگے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے ارادے سے باز رہے۔ اور پشیمان ہو کر صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے کہنے لگے کہ میرا قصد اس بات کی تحقیق تھی کہ منبر کو زمین نے نہ کھا لیا ہو اُس

کے بعد چھ درجے زیادہ کیے اور منبر نبوی ﷺ کو اس کے اوپر رکھا۔ اس کے بعد خلیفہ مہدی نے ارادہ کیا کہ اسی قدر اور زیادہ کروں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو منع کیا۔

جب معاویہ والا منبر بھی امتداد زمانہ کے سبب خراب ہونے لگا تو بعض خلفائے عباسیہ نے نیا منبر بنا کر منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بقیہ حصہ کے بقصد تبرک کنگھے بنوائے۔ صحیح یہ ہے کہ جو منبر ۶۵۴ ہجری کی آگ میں جل گیا وہ خلفائے عباسیہ کا منبر تھا لیکن بعض مؤرخ اس بات پر متفق ہیں کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا منبر تھا۔ اور یہ منبر مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی علاوہ تھا۔ لیکن قول اول صحیح ہے واللہ اعلم۔

اس کے بعد ہر بادشاہ نے منبر کی تجدید کرائی اور جو تغیر ممکن ہو سکتا تھا کرتے تھے یہاں تک کہ سلطان روم کے حکم سے سلطان مراد خاں بن سلطان سلیم خاں نے (اللہ اُن کی اور ان کے لشکر کی مدد کرے) ۹۹۸ھ میں ایک بلند منبر سنگ مرمر سے بنایا۔ اور ہفت جوش کی پالش استعمال کی اور بعض فضلائے روم سے اس منبر شریف کی تاریخ تعمیری میں یہ عبارت پائی گئی ہے۔ منبر اعمر سلطان مراد۔

فصل۔ مسجد نبوی ﷺ کے اسطوانات جن سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے آٹھ ہیں۔ اول وہ اسطوانہ جو محراب نبوی کے متصل امام کے داہنی جانب ہے۔ آنحضرت ﷺ منبر تیار ہونے سے پہلے اسی جگہ خطبہ فرمایا کرتے تھے۔ اور وہ ستون جو آنحضرت ﷺ کے فراق میں رویا تھا اسی مقام پر تھا۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ اسطوانہ مخلق اسی کا نام ہے۔ اس نام کا سبب یہ ہے کہ خلوق ایک مشہور خوشبو ہے جو اس پر لگائی گئی تھی۔ اس لیے کہ یہ اسطوانہ کسی مکروہ چیز سے آلودہ ہو گیا تھا۔ بعض لوگ اس مقام کو نفل پڑھنے کے لیے بھی پسند فرماتے ہیں۔

دوسرا اسطوانہ عائشہ ہے اس کو سطوانۃ القرعہ و اسطوانۃ المہاجرین بھی کہتے ہیں۔ لیکن اس شہر پاک کے مؤرخ مطری کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخلق اسی اسطوانہ کا نام ہے یہ اسطوانہ حجرہ شریف کی جانب تیسرے منبر کی طرف ہے اور روضہ مطہرہ کے درمیان واقع ہے سرور انبیاء صلوات اللہ علیہ تحویل قبلہ کی مدت تک اسی ستون کی جانب نماز ادا فرماتے

رہے۔ اس کے بعد جس مقام پر محراب نبوی ہے منتقل ہو گئے بڑے بڑے مہاجرین مثل ابوبکر صدیق وعمر فاروق وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اسی ستون کی جانب نماز پڑھتے اور اجتماع کیا کرتے تھے۔

طبرانی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مسجد میں اس ستون کے آگے ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر لوگ اس کی فضیلت سے واقف ہو جائیں تو قرعہ ڈالے بغیر کسی کو اس ٹکڑے میں نماز پڑھنی میسر نہ ہو۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ روایت بیان کی تو صحابہ رضوان اللہ علیہم میں سے ایک جماعت نے دریافت کیا کہ وہ ٹکڑا کہاں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس قطعہ زمین کا تعین نہ کیا۔ حاضرین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے باہر آ گئے۔ عبداللہ بن زبیر (جو ام المومنین کے بھانجے تھے) اس جماعت میں شامل تھے جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس قطعہ زمین کی بابت دریافت کیا تھا لیکن عبداللہ بن زبیر نے کوئی سوال نہ کیا تھا اور خاموش رہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہی رکے رہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی دوسری جماعت اس خبر کو معلوم کرنے کے لیے مسجد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جواب کی منتظر تھی کہ تھوڑی دیر میں عبداللہ بن زبیر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت سے واپس آ گئے اور اسی اسطوانہ کے دائیں جانب نماز ادا کی۔ لوگوں نے جان لیا کہ جس ٹکڑے کی سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے یہی ہے۔ اور اس اسطوانہ کے قریب دعا قبول ہوتی ہے۔

تیسرا اسطوانہ توبہ ہے یہ حجرہ شریف سے دوسرا اور منبر شریف سے چوتھا اسطوانہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے برابر حجرہ کی طرف ہے۔ کہتے ہیں کہ اسطوانہ اور قبر شریف کے درمیان بیس گز کا فاصلہ ہے واللہ اعلم۔ اس کو اسطوانہ ابولبابہ بھی کہتے ہیں ابولبابہ تھا انصار میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو اس اسطوانہ سے اس لیے باندھ دیا تھا کہ ان کی توبہ دربار رسالت میں قبول ہو جائے۔ اس واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ ان کا یہود کے قبیلہ بنو قریظہ سے عہد و پیمان تھا جس وقت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ

کیا تو یہ لوگ ابولبابہ کے مشورہ سے اُتر آئے اور یہ شرط کی کہ ابولبابہ جو کچھ فیصلہ کر دیں گے ہم اس پر عمل کریں گے پھر بنو قریظہ کے بچے اور عورتیں ابولبابہ کے پیروں پر گر پڑے اور گریہ وزاری کر کے کہنے لگے کہ ہم سب کو دربار رسالت میں لے جا کر سفارش کر دیجیے۔ ابولبابہ نے کہا کہ میں وہی کروں گا جیسا کہ تم لوگ کہتے ہو لیکن اثنائے کلام میں ابولبابہ نے یہ حرکت کی کہ اپنے ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ کیا یعنی انجام کار تمہارا آنحضرت ﷺ کے پاس قتل ہے۔ یہ بات ابولبابہ سے بہ تقاضائے بشریت اور بنو قریظہ کے رونے دھونے کی وجہ سے صادر ہو گئی۔ بعد میں ابولبابہ کو یہ احساس ہوا کہ خدا اور رسول کے معاملے میں مجھ سے ایک بہت بڑی خیانت ہو گئی ہے۔ ابولبابہ نے اس حرکت کی ندامت اور اس قصور کے عذر میں اپنے آپ کو اس لکڑی سے ایک بھاری زنجیر کے ذریعہ باندھ دیا جو اس اسطوانہ کی جگہ پر تھی۔ اور دس روز سے زائد اسی حال میں گریہ وزاری کرتے رہے ان کی لڑکی نماز اور پیشاب پاخانے کے وقت آ کر کھول دیتی تھی۔ بھوک و پیاس کی شدت اور گریہ وزاری کی کثرت سے سماعت تو جاتی رہی تھی اور قریب تھا کہ بینائی بھی جواب دے جائے کہ ان کے حق میں یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ انہوں نے قسم کھائی تھی کہ اپنے آپ کو اس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خود نہ کھولیں اور کھانا پینا بھی نہ استعمال کروں گا یہاں تک کہ یا تو مر جاؤں گا یا حضور ﷺ معاف فرمائیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ پہلے ہی میرے پاس آ جاتے تو میں ان کے لیے استغفار کرتا لیکن چونکہ انہوں نے اپنے آپ کو درگاہ خداوندی میں باندھ رکھا ہے۔ اس لیے اب جب تک کہ حکم خداوندی نہ ہو میں نہیں کھول سکتا۔ یہاں تک کہ صبح کے وقت ان کی توبہ قبول ہونے کی آیت ام سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے آ کر ان کو کھول دیا۔ انہوں نے عہد کر لیا کہ اب بنو قریظہ کے گھر میں قدم نہ رکھوں گا۔ اس لیے کہ وہاں پر خدا اور رسول ﷺ کے گھر میں خیانت واقع ہوئی تھی۔

بعض روایتوں میں بعض قصور کی وجہ سے دوسرے صحابیوں کا بندھنا بھی آیا ہے۔ ابن

زبالہ محمد بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی نفل نماز اسطوانہ توبہ کے پاس ہوتی تھی اور نماز صبح کے بعد بھی اسی جگہ تشریف رکھتے تھے اور کثرت سے کمزور لوگ جو آنحضرت ﷺ کی مسجد کے سوا رات گذارنے کا کوئی ٹھکانہ نہ رکھتے تھے اسی ستون کے گرداگرد بیٹھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ تشریف لاتے اور فقراء و مساکین کے درمیان بیٹھ جاتے اور جتنا قرآن مجید رات میں نازل ہوا ہوتا ان کے سامنے پڑھتے۔ اور ان کو احکام الٰہی سے آگاہ کرتے۔ ان سے خود بھی باتیں کرتے اور ان کی باتیں سنتے اللھم صلی علیٰ ھذا النبی الکریم الذی ارسلتہ رحمۃ للعالمین راحم الفقراء ومحبا للضعفاء والمساکین۔

طلوع آفتاب کے قریب جب مالدار لوگ اور اصحاب شرف و بزرگی آتے اور بیٹھنے کی جگہ مجلس میں نہ پاتے تو اس وقت تالیف قلوب کے خیال سے آنحضرت ﷺ کا دل بھی ان کی طرف مائل ہو جاتا۔ حکم آیا

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ الایتین۔

ترجمہ:- (اور روکے رکھیے اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ جو دعا کرتے ہیں اپنے رب سے صبح و شام ارادہ کرتے ہیں اس کی رضامندی کا)

کبھی اعتکاف کی حالت میں آنحضرت ﷺ کی چارپائی اور بستر بھی اس اسطوانہ کے پیچھے ہوتا تھا اور حضور ﷺ اسی اسطوانہ سے تکیہ لگا کر بیٹھتے تھے۔

چوتھا اسطوانہ سریر ہے جو شرقی جالی سے ملا ہوا ہے اور اسطوان التوبہ کے متصل ہے ہم یہ تسلیم کرتے ہیں آپ کی چارپائی اور چٹائی کا فرش کبھی اسطوانہ توبہ کے قریب اور کبھی اس اسطوانہ کے پاس ہوتا تھا لیکن اس وقت اسطوانہ سریر اسی اسطوانہ کو کہتے ہیں حدیث میں آیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مسجد میں معتکف ہوتے تھے تو عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے سر مبارک میں کنگھا کیا کرتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کے پاس کھجور کی چھال کی ایک چارپائی تھی جس کو آپ کبھی اعتکاف کی جگہ (جو اسطوانہ اور قنادیل کے درمیان میں

ہے) رکھ لیتے تھے اور اکثر اوقات ایک چٹائی تھی جس کو رات میں بچھاتے تھے اور دن میں
اوروں کے لیے ڈال لیا کرتے تھے۔

پانچواں اسطوان محرس تھا اس کو اسطوان علی بن ابی طالب سلام اللہ علیہ بھی کہتے ہیں
اس جگہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اکثر اوقات نماز پڑھا کرتے تھے اور اکثر راتوں میں اس
مقام پر بیٹھ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی کرتے تھے۔ مطری نے کہا ہے کہ یہ
اسطوانہ اس دروازہ کے مقابلہ میں ہے جس دروازہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت
عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں سے ہوتے ہوئے مسجد شریف میں آتے تھے۔

چھٹا اسطوان الوفود اسطوان محرس کے پیچھے شمالی جانب ہے وفود جمع ہے وافد کی اور
وافد اس جماعت کو کہتے ہیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ کو جائے۔ جب عرب کے وفود
مختلف اطراف سے سعادت اسلام حاصل کرنے اور احکام دین سیکھنے کی غرض سے خدمت
اقدس میں آتے تھے تو آپ اسی جگہ بیٹھ کر ان سے ملاقات فرمایا کرتے تھے۔ بڑے بڑے
صحابہ رضی اللہ عنہم اور بڑی بڑی جماعتیں یہیں آپ کی صحبت میں بیٹھتی تھیں۔

ساتواں مربعۃ القبر ہے۔ اس کو مقام جبریل بھی کہتے ہیں۔ جبریل کا اکثر اوقات
وحی لے کر حاضر ہونا اسی مقام پر تھا۔ اس کے اور اسطوان الوفود کے درمیان ایک اور
اسطوانہ ہے۔ جو حجرہ شریف کی جالی سے اور فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے مکان سے ملا ہوا
ہے۔ جب آنحضرت ﷺ حجرہ شریف سے باہر تشریف لاتے تو اسی مقام پر کھڑے ہو
کر علی اور فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام سے خطاب کرکے فرماتے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ
اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۔

ترجمہ (سلامتی ہو تم پر اے اہل بیت اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے تاکہ دور کردے
تم سے نجاست کو اے اہل بیت اور پاک کرے تم کو کامل طور سے)

سید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ آج اس اسطوان سریر کے تبرک کو حاصل کرنے سے لوگ
محروم ہیں کیونکہ حجرہ شریف کے گرداگرد دروازوں کی جالیاں حصول یابی تبرک کی راہ میں مانع

آتی ہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ سید کا مقصود اپنی اس عبارت سے یہ ہے کہ اس اسطوانہ کے کسی بھی طرف نماز پڑھنا اور بیٹھنا ممکنات میں سے نہیں ہے ورنہ حقیقتاً نصف اسطوان سریر تو مغربی جانب سے مسجد کے اندر داخل ہے اس لیے اس کے قرب میں نماز پڑھنا یا بیٹھنا بہت آسان ہے۔ یہی حال اسطوانِ وفود کا ہے۔ پھر تخصیص کی کیا وجہ ہے اور جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اعتکاف کی جگہ اسطوان سریر میں کھڑکی کے داخلی جانب جو حجرہ سے متصل ہے وہی ہے اور اسی سبب سے گویا برکت حاصل کرنے کی محرومی بھی واللہ اعلم۔

آٹھواں اسطوان تہجد

یہ آنحضرت ﷺ کے تہجد پڑھنے کی محراب تھی یہ اس وقت تک موجود ہے اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے حجرے کے پیچھے شمالی جانب ہے۔ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر رات اس مقام پر چٹائی بچھا کر نماز تہجد ادا فرماتے تھے۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ حضور ﷺ ہر رات نماز ادا فرماتے ہیں تو آنحضرت ﷺ کے اتباع کی خواہش میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی نماز شروع کر دی۔ جب آپ نے اجتماع صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایک اژدہام کی شکل میں مشاہدہ فرمایا تو چٹائی لپیٹ کر مکان میں تشریف لے گئے۔ جب صبح ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہر شب آپ نماز پڑھتے تھے تو ہم بھی آپ کے اتباع کی سعادت حاصل کر لیتے تھے۔

آپ نے فرمایا کہ مجھے خوف ہوا کہ تم پر تہجد فرض ہو جائے اور تم اس کو ادا نہ کر سکو۔

یہ مسجد شریف کے بقیہ ستونوں میں سے وہ ستون ہیں جو فضیلت اور برکت کے ساتھ مخصوص ہیں ویسے تو تمام ستون بلکہ تمام مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی متبرک ہے اور اس میں ایسا کوئی ستون نہیں ہے کہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم نے اس جگہ نماز ادا نہ کی ہو۔ صحیح بخاری میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کو میں نے اس حالت میں دیکھا کہ مغرب کے وقت ان میں سے ہر ایک ایک اسطوانہ کی طرف سبقت کرتے تھے اور روضہ شریف میں ہر اسطوان پر ان اسطوانوں کے نام لکھے ہیں۔ اُس

اسطوانہ پر جو محراب نبوی کے مقابل بجانب شمال غربی ہے اسطوان عائشہ لکھا ہوا ہے۔ اسطوان ابی بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم ان اسطوانوں پر لکھا ہے جو اس اسطوان کے متصل مغربی جانب ہیں لیکن اسطوان سعید بن زید اور اسطوان ابن عباس رضی اللہ عنہما ذکر سید علیہ الرحمۃ کی تاریخ میں نہیں ہے۔

فصل۔ صفہ مسجد و اصحاب صفہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صفہ بضم صاد مہملہ و او عام فا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختتام پر ایک سائبان تھا۔ جس میں فقرا و مساکین صحابہ رضی اللہ عنہم جو اہل و عیال نہیں رکھتے تھے رہتے تھے۔ اسی مکان کی نسبت سے ان کو اصحاب صفہ کہتے ہیں۔ اور ذہبی کہتے ہیں کہ تحویل سے پیشتر قبلہ مسجد کے شمالی جانب تھا لیکن جب قبلہ کی تحویل ہوئی تو قبلہ اول کی دیوار اس کی جگہ پر قائم رکھی تاکہ مساکین و فقراء کے لیے بھی جگہ رہے۔ اصحاب صفہ کے نکاح کر لینے، موت آ جانے یا مسافرت کے اختیار کرنے کی وجہ سے ان کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ حافظ ابو نعیم نے اپنی کتاب حلیہ میں ایک سو سے زیادہ ان کے نام شمار کیے ہیں۔ ان کی خوابگاہ بھی مسجد میں تھی۔ یہ لوگ اس کے علاوہ کوئی دوسری جگہ نہیں رکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو بحکم الٰہی وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ۔ ترجمہ:- (اور روکے اپنی جان کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو) ان لوگوں کے ساتھ آپ کی ہم نشینی مخصوص تھی۔

بیت

دلا خوش باش کاں سلطان دیں را
بہر ویشان و مسکیناں سرے ہست

اکثر اوقات ان حضرات کی کئی کئی جماعتیں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے در پر بھوک کی سختی اور انتہائی پریشانی سے پڑی رہتی تھیں۔ انہیں دیکھ کر آنے والوں کو خیال گزرتا تھا کہ شاید یہ دیوانے ہیں۔ آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لاتے اور تسلی دیتے ہوئے فرماتے کہ تم لوگ بہ امن ہو اور مزید فرماتے کہ اگر تم لوگ اپنے اس مرتبہ سے آگاہ

ہو جاؤ جو تمہارا مرتبہ خدا کے سامنے ہے تو تم لوگ یہ خواہش کرنے لگو کہ فقر وفاقہ زائد ہو جائے۔

کبھی کبھی ان میں سے دو دو ایک ایک کو اپنے مالدار اصحاب کے سپرد فرما دیتے تھے کہ ان کی مہمانی کریں جو باقی رہ جاتے ان کو اپنے ساتھ شریک کر لیتے صدقات میں سے جو کچھ آتا ان کو دے دیتے۔ تحفہ تحائف میں بھی ان کا حصہ تھا۔ ان کو اضیاف المسلمین کہتے تھے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں (یہ خود اصحاب صفہ میں سے ہیں) میں نے اصحاب صفہ میں سے ستر ایسے آدمیوں کو دیکھا جن کے پاس سوائے ایک تہبند کے جو آدھی پنڈلیوں تک پہنچتا تھا اور کوئی کپڑا نہ تھا۔ سجدہ کے وقت ان کو ہاتھ سے پکڑ لیتے تھے تا کہ ستر نہ کھل جائے۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں اکثر بھوک کی شدت میں پیٹ سے پتھر باندھ لیتا تھا اور کلیجے کو زمین پر مارتا تھا۔ ایک دن میں قوم کی رہگزر پر بیٹھا ہوا تھا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس راستے سے گزرے میں نے قرآن کی ایک آیت اُن کو سنانے کے لیے پڑھی تا کہ وہ میری حالت کو دریافت کریں لیکن انہوں نے کچھ توجہ نہ کی اور چلے گئے اس کے بعد ابوالقاسم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ نے مجھے اس حالت میں دیکھا تو مسکرا کر فرمایا اے ابو ہریرہؓ میں نے عرض کیا کہ لبیک یا رسول اللہ۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہاں آؤ میں اُٹھا اور حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے حجرہ شریف پر پہنچا۔ ہدیہ میں دودھ کا پیالہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ دودھ ہی کتنا ہے جس کے لئے اصحاب صفہ طلب فرمائے جاتے ہیں۔ اگر مجھے ہی دے دیتے تو میں پی لیتا اور تھوڑی دیر آرام پاتا لیکن خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ میں اصحاب صفہ کے پاس گیا اور ان کو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں بلا لایا سب آ گئے اور حضور ﷺ کے حجرہ میں ایک جگہ بیٹھ گئے۔

آپ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ۔ فرمایا دودھ کا

پیالہ لو اور اصحاب کو دو۔ پھر تو پیالہ اُٹھا کر میں نے ان اصحاب کو دیا ہر ایک آسودہ ہو کر پیتا تھا اور دودھ اپنی مقدار میں باقی رہتا تھا۔ جب سب پی چکے تو میں نے پیالہ کو آنحضرت ﷺ کے سامنے رکھ دیا۔ تبسم کر کے فرمایا کہ بس ہم اور تم باقی رہ گئے۔ میں نے عرض کیا صَدَقْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فرمایا بیٹھو اور جس قدر بھوک ہو پیو۔ میں نے دودھ خوب سیر ہو کر پیا۔ باقی حضور ﷺ کو دیا۔ حق جل وعلا کا خطبہ شکر پڑھ کر پیالہ میں جو دودھ باقی بچا تھا نوش فرمایا۔ اور دوسرے وقت کے لیے بھی طعام میں کثرت اور برکت اور اصحاب صفہ کے لیے کافی ہونے کی روایت بھی ابو ہریرہ کے ذریعہ ثبوت کو پہنچی ہے۔ متعدد روایتوں میں آیا ہے کہ جملہ انصاری اپنی کھجور سے خوشے لاتے تھے اور ان خوشوں کو ایک رسی سے باندھ کر مسجد کے دو اسطوانوں کے درمیان لٹکا دیتے تھے اس کے نیچے اصحاب صفہ کو بٹھاتے اور خوشوں کو لکڑی سے جھاڑتے تھے تاکہ یہ لوگ بے تکلف کھائیں ایک دن ایک آدمی نے خراب خرمہ کے خوشے لا کر لٹکائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس صدقہ کا مالک اس سے بہتر خرمے لانا چاہتا تو لا سکتا تھا لیکن اس نے نہ چاہا کہ قیامت کے دن اس سے بہتر خرمہ کھائے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عن اصحابہ اجمعین)۔

فصل: حجرات شریف کا بیان۔ جس وقت سید انبیاء صلوٰۃ اللہ وسلامہٗ نے مسجد شریف کی بنیاد رکھی تھی اس وقت آنحضرت ﷺ کے نکاح میں صرف دو بیبیاں تھیں ان کے لیے دو حجرے بنائے تھے۔ سودہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما نے بھی ان کے بنانے میں ہاتھ بٹایا تھا۔ بعد ازاں جتنے نکاح کئے ہر ایک کے لیے ایک نیا حجرہ بنا دیا۔ حارثہ بن نعمان ایک انصاری تھے ان کا مکان مسجد شریف کے قریب تھا ایک مدت گزرنے کے بعد انہوں نے اپنا کل مکان آنحضرت ﷺ کو دے دیا۔ اکثر مکان حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنائے جو عرب میں جرید نخل سے تھے۔ کمبل سے ڈھکے ہوئے کمبل ہی دروازے پر لٹکا ہوا تھا۔ اور سب مکان بجانب قبلہ اور مشرق وشام کے تھے۔ مسجد کے غربی جانب کوئی گھر نہ تھا۔ بعضے مکان کچی اینٹ کے بھی تھے۔ ہر مکان میں ایک حجرہ کھجور کی چھال سے تھا جس پر کہگل کی ہوئی تھی۔ اکثر گھروں کے دروازے مسجد کی طرف تھے۔ چھت کی بلندی قدِ

آدم سے ایک ہاتھ اونچی رکھی ہوئی تھی اس سے زیادہ نہ تھی۔ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا مکان بھی اسی جگہ تھا اور اب تک قبر شریف کی صورت میں اسی مقام پر ہے۔ ان کے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کے درمیان (جو عائشہ رضی اللہ عنہا کا حق تھا) ایک کھڑکی تھی جس کو خوخہ کہتے تھے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر آمدورفت اسی کھڑکی کی طرف سے تھی۔ جب تشریف لاتے حضرت فاطمہ، علی، حسن اور حسین سلام اللہ علیہم کی مزاج پرسی فرماتے۔ آدھی رات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ادھر تشریف لائیں حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اس کھڑکی کے متعلق کچھ گفتگو ہوئی اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے التماس کی آپ نے کھڑکی بند کردی۔

طبرانی ابی ثعلبہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ سفر سے واپس آتے تو مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے اس کے بعد حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے پاس آتے اور خیریت دریافت کرکے امہات المومنین کے مکانوں میں تشریف لے جاتے۔ امیرالمومنین علی سلام اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ میرے یہاں تشریف لائے میں نے آپ کے لیے کھانا تیار کرایا۔ ام ایمن نے میرے واسطے دودھ بھیجا تھا۔ میں نے وہ بھی کھانے کے ساتھ حاضر کیا۔ حضور ﷺ نے کھانا تناول فرمایا اور دودھ پیا اس کے بعد میں نے ہاتھ دھلائے جب ہاتھ دھوئے تب آپ نے دست مبارک اپنے روئے انور اور ریش مبارک پر پھیر کر دعا کی اور سجدہ میں جا کر آنسوؤں سے رونے لگے۔ کسی کو بوجہ ہیبت مجال نہ تھی جو رونے کا سبب دریافت کرتا۔ اسی اثنا میں حسین سلام اللہ علیہ آپ کی پشت مبارک پر چڑھ کر بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا رونا بھول گئے اور نواسے کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا حُسَیْن ۔ ترجمہ (میرے ماں باپ تم پر قربان ہو جائیں اے حسین) کیوں روتے ہو؟

حسین کہنے لگے کہ اے پدر بزرگوار میں نے آپ کو اس حالت میں کبھی نہیں دیکھا۔ جس طرح کہ آج دیکھ رہا ہوں۔ بتائیے کیا حال ہے؟

آپ نے فرمایا اے بیٹے آج مجھ کو تمہارے جمال مسرت مآل کے دیکھنے سے ایسا سرور اور خوشی حاصل ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی لیکن جبریل علیہ السلام دربار خداوندی سے آئے اور مجھے خبر دی کہ تمہاری امت کے بعض لوگ حسین کو بحالت غربت ہلاک کر ڈالیں گے۔ میں سجدہ میں گر کر دعا کرنے لگا کہ اگر دنیا کے محن و مصائب تمہارے سر پر آئیں تو آئیں لیکن تمہاری آخرت اچھی ہو جائے۔

فصل۔ ابتدا میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے مکانات کے راستے مسجد نبوی ﷺ میں سے تھے آنحضرت ﷺ نے آخر میں بحکم الٰہی ارشاد فرمایا کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے دروازے جو مسجد میں ہیں بند کر دیے جائیں۔ لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دروازہ کھلا رہے۔ صحیح حدیثوں میں متعدد طریقہ سے آیا ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ ایام مرض میں جب کہ حضور ﷺ کے وصال کو چند روز باقی رہ گئے تھے منبر پر تشریف لائے اور ایک خطبہ بلیغہ پڑھ کر فرمایا کہ پروردگار عالم نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو مختار بنایا ہے کہ اگر چاہے تو دنیا میں رہے ورنہ جوار قدس کی طرف آوے۔ اور اس بندہ نے اس بات کو اختیار کیا کہ اپنے مولا کے پاس جائے۔ دربار میں جس قدر صحابہ رضی اللہ عنہم حاضر تھے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا کسی نے بھی اس مضمون کو نہ سمجھا اس لیے رو پڑے اور سمجھ گئے کہ آپ اپنی حالت کی خبر دے رہے ہیں اور اب آنحضرت ﷺ کا سفر آخرت قریب آ گیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ تمام آدمیوں سے زائد مجھ پر خرچ کرنے والے اور میری مدد کرنے والے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اگر میں خدا کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا لیکن اخوت اسلام اور ان کی دوستی باقی ہے۔ مسجد میں جس قدر دروازے ہیں سوائے دروازہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سب بند کر دو اور بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ کوئی خوخہ مسجد میں نہ چھوڑو سوائے خوخہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے۔ خوخہ اس طاق کو کہتے ہیں جو گھر کی دیوار میں روشنی کے لیے چھوڑتے ہیں۔ اگرچہ یہ خوخہ مکان کے پس پشت ہو تو اس سے آنا جانا بھی ممکن ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خوخہ اسی طریقہ کا تھا اکثر اوقات اس خوخہ سے مسجد میں آیا کرتے تھے اسی وجہ سے اس کے لیے حدیث میں لفظ

دروازہ بولا گیا ہے۔ ورنہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کا دروازہ مسجد کی جانب نہیں تھا۔
علمائے سنت والجماعت کے لیے اس حدیث میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی دلیل ہے اور جمیع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ علی الخصوص ایسی حالت میں جب کہ اس فرمان کا وقوع آخر حیات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوا ہے۔

بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے التماس کی کہ اپنے گھر کی دیوار میں ایک روشندان اس لیے چھوڑیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت نماز کے لیے تشریف لائیں تو آپ کے جمال پر نظر پڑے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں جائز نہیں رکھتا اگرچہ وہ سوئی کے ناکے کے برابر ہو۔ دوسری جماعت اس فرمان کے متعلق چہ میگوئیاں کرنے لگی کہ اپنے دوست کو تو کشادگی کی اجازت دی اور دوسروں کو باہر کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میری جانب سے نہیں ہے بلکہ حکم الٰہی ہے۔ مجھ کو اس میں کوئی اختیار نہیں اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر ایک نور دیکھتا ہوں اور تمہارے دروازہ پر ظلمت۔ بعضے علماء اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس حدیث سے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں بلکہ مراد باب خلافت ہے۔ اور دوسروں کا دروازہ بند کر دینے سے یہ مراد ہے کہ لوگوں کو خلافت کی خواہش سے منع کیا جائے۔ ورنہ ابی بکر رضی اللہ عنہ کا کوئی مکان متصل مسجد نبوی نہ تھا بلکہ اُن کا ایک مکان مدینہ کے عوالی میں تھا اور دوسرا مکان سُنح میں۔ یہ کلام بغیر تکلف کے نہیں ہے اور جو شخص کہتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان مسجد کے متصل نہ تھا۔ اس کے لیے تحقیق یہ ہے کہ ان کے متعدد مکان تھے جتنی بیبیاں تھیں اتنے ہی مکان تھے۔ جس مکان کے دروازے کو کھولنے کا حکم ہوا تھا وہ مسجد کے متصل باب السلام اور باب الرحمۃ کے درمیان تھا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ چار ہزار درہم میں فروخت کر دیا اور یہ رقم اس جماعت پر خرچ کر دی جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس کسی جگہ سے آئی تھی۔ شیخ ابن حجر عسقلانی بھی فتح

بخاری کی شرح میں بیان کرتے ہیں کہ اس باب میں دوسری حدیثیں بھی آئی ہیں جن کا ظاہر اس مذکورہ مسئلہ کے خلاف ہے۔ ان کے تجملہ سعد بن وقاص کی حدیث ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دروازے کے سوا جن دروازوں کے راستے مسجد میں ہیں سب کو بند کر دو۔ اس حدیث کے اسناد قوی ہیں اور اس حدیث کے مخرج احمد ونسائی ہیں۔ طبرانی نے اس حدیث کو اوسط میں ثقہ لوگوں سے نقل کیا ہے کہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم جماعت کی شکل میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے سب کے دروازے تو بند کرا دیے اور علی رضی اللہ عنہ کا دروازہ کھلا رکھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دروازے میں نے نہ بند کیے نہ کھولے خدا نے بند کیے اور اسی نے کھولے مجھے تو خدا نے حکم دیا ہے کہ سوائے علی رضی اللہ عنہ کے سب دروازے بند کرا دو۔ امام احمد ونسائی ثقہ لوگوں کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کے دروازے کے سوا سب دروازوں کے بند کر دینے کا حکم دیا۔ ان کا دروازہ مسجد میں تھا۔ ان کے لیے کوئی دوسرا راستہ بھی نہ تھا وہ غسل کی حاجت میں بھی اسی راستے سے آتے تھے۔

امام احمد ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم لوگ سب سے بہترین شخص سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جانتے تھے اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کو۔ مواہب لدینہ (نام کتاب) میں بخاری کی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ابوبکر کو افضل جانتے تھے ان کے بعد عمر کو اور عمر کے بعد عثمان رضی اللہ عنہما کو۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہم ان تین آدمیوں کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔ اور سید علیہ الرحمۃ نے بھی ابوبکر اور عمر کی بابت یہی بات کہی ہے اور اس میں اتنا اضافہ کر دیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس کلام کے بعد علی ابن طالب کو تین فضیلتیں دی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی میرے لیے ہوتی تو میں اپنے کو دنیا و مافیہا سے بہتر جانتا۔

اول پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لڑکی ان کے نکاح میں دی اور ان سے اولاد ہوئی۔

دوسرے تمام دروازے سوائے دروازۂ علی سلام اللہ علیہ کے بند کر دیے۔

تیسرے خیبر کے دن آپ نے ان کو جھنڈا دیا۔

نسائی بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کے حق میں کیا کہتے ہیں انہوں نے اسی حدیث کو پڑھا اور اس کے بعد کہا کہ علی رضی اللہ عنہ کے متعلق مت دریافت کرو اور ان کو کسی اور پر مت قیاس کرو۔ دیکھتے ہو کہ ان کا درجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کتنا بڑا ہے کہ ہم سب کے دروازے بند کر دیے بجز علی رضی اللہ عنہ کے دروازے کے۔

شیخ ابن حجر کہتے ہیں کہ ان حدیثوں میں سے ہر حدیث استدلال کے لائق ہے خاص کر ایسی صورت میں جب کہ بعضے طرق بعض کی تائید کر رہے ہوں۔ اور وہی ابن حجر کہتے ہیں کہ ابن جوزی نے اس حدیث کو جو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں ہے موضوعات میں لکھا ہے اور اس کے بعض طرق پر کلام کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ اس صحیح حدیث کے مخالف ہے جو ابی بکر کے دروازے کے متعلق آئی ہے۔ رافضیوں نے اس حدیث کو اس صحیح حدیث کے مقابلہ میں گڑھ لیا ہے۔ اور ابن حجر ہی کہتے ہیں کہ ابن جوزی نے اس باب میں بڑی غلطی کی ہے کہ اس حدیث کو محض معارضہ کے وہم پر وضع اور افترا کی طرف منسوب کر دیا۔ اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں جن میں سے بعض طرق تو درجہ صحت اور مرتبہ حسن کو پہنچے ہوئے ہیں۔ اور وہ ابی بکر والی حدیث میں معارض نہیں ہیں اور دونوں حدیثوں میں توافق ثابت ہے۔ بزار اپنی مسند میں اس حدیث کو لائے ہیں اور کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق جو حدیث ہے وہ اہل کوفہ کی روایات میں سے ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث اہل مدینہ کی روایات میں سے ہے۔ توافق کا خلاصہ یہ ہے کہ ابتدا میں جب دروازوں کے بند کرنے کا حکم ہوا ہوگا تو علی رضی اللہ عنہ کا دروازہ اس سے استثناء کر دیا ہوگا اس لیے کہ ان کا دروازہ مسجد کی جانب تھا اور ان کے لیے کوئی دوسرا راستہ بھی نہ تھا جس

سے آمدورفت ہو سکے۔ اس کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جو ترمذی میں ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے علی سلام اللہ علیہ سے فرمایا کہ اس مسجد میں ہمارے اور تمہارے سوا کوئی شخص جنابت کی حالت میں نہ آئے گا پس اس وقت میں علی کے دروازے کے سوا سب دروازوں کو بند کرنے کا حکم فرمایا۔ اور دوسرے وقت جب روزن اور خوخہ بند کرنے کا حکم ہوا تو اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں مستثنیٰ فرمادیا اس لیے کہ ان کے کوئی دروازہ نہ تھا جس کا راستہ مسجد میں ہوتا جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ کا دروازہ تھا۔ بس ایک کھڑکی مسجد کی جانب تھی۔ چنانچہ علمائے تاریخ وعلمائے حدیث نے بھی اس کی تحقیق کی ہے اور طحاوی نے مشکل الآثار اور معانی الاخبار میں اس توجیہ کی تصریح کی ہے۔ سید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ جو عبارت علی کے دروازہ کو کھلا رکھنے کی تقدیم پر دلالت کرتی ہے وہ اس طرح ہے کہ ابن زبالہ بیان کرتے ہیں جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کے سوا سب اصحاب کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا تو حمزہ بن عبدالمطلب نے اس حکم کی فرمانبرداری میں کچھ توقف سے کام لیا اور دربار رسالت میں حاضر ہوئے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ اپنے چچا کو باہر نکال پھینکا اور چچا کے لڑکے کو اندر بلالیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے میرے چچا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ مجھ کو اس امر میں کچھ اختیار نہیں ہے۔ سید کے ذکر سے اس روایت میں اتنی وضاحت ہو گئی ہے کہ علی سلام اللہ علیہ کا واقعہ پہلے کا ہے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا واقعہ آنحضرت ﷺ کے مرض موت میں ہوا ہے کیونکہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت غزوہ احد میں ہوئی تھی سید نے احادیث کے شمار اور کثرت طرق کے بیان میں علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کوتاہی نہیں کی ہے۔

منجملہ ان حدیثوں کے ایک یہ حدیث بھی ہے کہ ابن زبالہ ویحیٰ (جو سند رکھتے ہیں) ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ ایک منادی نے آواز دی۔ ایھا الناس سدوا ابوابکم ترجمہ:- (اے لوگو! اپنے دروازوں کو بند کرو) اس کے سننے سے لوگوں میں ایک بیداری تو پیدا ہوئی لیکن کوئی

شخص اٹھا نہیں دوسری مرتبہ آواز آئی

ایھا الناس سدوا ابوابکم قبل ان ینزل العذاب

ترجمہ (اے لوگو! دروازوں کو بند کرو عذاب ہونے سے پہلے)۔

سب کے سب باہر نکل آئے اور آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے۔ علی مرتضیٰ بھی تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا تم کیوں کھڑے ہو۔ یہاں سے جاؤ اپنے گھر بیٹھو اور اپنے گھر کے دروازوں کو بدستور چھوڑ دو۔ لوگوں میں اس بات کے سننے سے چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں اور دلوں میں وسوسے پڑے۔ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ سلم کو غصہ آیا، منبر پر تشریف لے گئے اور مولیٰ کی حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ ایک مسجد بناؤ جو طہارت کی صفت سے موصوف ہو لیکن اس میں سوائے تمہارے اور ہارون کے کوئی نہیں رہ سکتا۔ ہارون کے لڑکے شبر وشبیر بھی رہیں۔ اسی طرح سے مجھ پر وحی بھیجی گئی کہ ایک پاک مسجد بناؤں اور اس میں کوئی نہ رہے۔ سوائے میرے اور علی اور ان کے بیٹے حسن وحسین کے۔ میں مدینہ میں آیا اور ایک مسجد بنائی۔ مجھ کو مدینہ میں آنے اور مسجد بنانے میں ہرگز کوئی اختیار نہ تھا۔ میں وہی کام کرتا ہوں جو مولیٰ کراتے ہیں اور میں کچھ نہیں جانتا۔ مگر جو بات کہ وہ بتلاتے ہیں۔ میں اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر باہر آیا۔ قبائل انصار میرے سامنے آئے تا کہ ان کے پاس اُتر کر سکونت اختیار کروں۔ میں ان کے کہنے پر نہیں اُترا۔ میں نے کہا کہ میری اونٹنی کا راستہ تنگ مت کرو وہ حکم کی گئی ہے جس جگہ بیٹھے گی میری جائے قیام وہی ہو گی۔ خدا کی قسم میں نے نہ دروازوں کو بند کیا ہے نہ کھولا ہے اور علی کو میں نہیں لایا ہوں ان کو خدا لایا ہے اس میں میں کیا کر سکتا ہوں۔

حق تو یہ ہے کہ ابی بکر کی حدیث بھی اپنی صحت کی وجہ سے واجب القبول ہے اور علی کی حدیث سے بھی کثرتِ طرق کے سبب انکار نہیں کر سکتے۔ پس دونوں قضیہ حق ہیں اور توفیق کی وجہ وہ ہے جو مذکور ہوئی۔ چنانچہ شیخ ابن حجر نے علمائے حدیث سے نقل کیا ہے۔

وباللہ التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق ۰

باب ہفتم

وہ تبدیلیاں اور اضافے جو آنحضرت ﷺ کی رحلت کے بعد ائمہ کرام، امراء اور سلاطین نے مسجد شریف میں فرمائے ان کے اوضاع اور احوال کا مختصر اور اجمالی ذکر

مسجد نبوی ﷺ میں جو اضافے آنحضرت ﷺ کے بعد ہوئے ہیں۔ اُن میں پہلا اضافہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یا تو فرصت نہ ملی یا مصلحت کا تقاضا نہ تھا کہ مسجد نبوی میں کوئی تغیر کیا جائے بجز اس کے کہ بعض ستون گر پڑے تھے۔ آپ نے ان کی جگہ اسی قسم کے ستون کھجور کے تنوں سے لگا دیے۔ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اشارتاً رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملے میں اجازت پا چکے تھے اس لیے ۱۷ھ ہجری میں قبلہ وشام اور مغرب کی جانب اضافہ کیا اور مشرقی جانب کو چھوڑ دیا۔ اس طرف امہات المومنین کے حجرات ہیں اس صورت میں قبلہ کی طرف سے بجانب شام مسجد کا طول ایک سو چالیس گز اور اس کا عرض مشرق سے مغرب کی طرف ایک سو بیس گز ہو گیا۔ پھر فرمایا کہ اگر میں حضرت رسالتماب ﷺ سے نہ سنتا جو مجھ سے فرمایا تھا کہ مسجد میں زیادتی کر۔ دنیا میں ہرگز نہ کرتا۔ اگرچہ لوگوں پر جگہ تنگ ہو جاتی۔

عمر رضی اللہ عنہ کی تعمیر بھی از قسم تعمیر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تھی یعنی کچی اینٹ، کھجور کی چھال اور خرمے کی لکڑیوں کے ستون تھے۔ نقل ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا مکان مسجد کے نزدیک تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ مسجد مسلمانوں پر تنگ ہو گئی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس میں وسعت کی جائے۔ مسجد کے

ایک طرف تو امہات المومنین کے حجرے ہیں اور دوسری جانب آپ کا مکان ہے۔ امہات المومنین کے مکانوں کو ہٹانے کی مجال نہیں۔ اب رہا آپ کا مکان تو اسے یا تو فروخت کر دیجیے اور جو قیمت آپ طلب کریں گے اسے بیت المال سے ادا کر دوں گا یا جو جگہ مدینہ میں آپ پسند کریں گے اس کے عوض میں آپ کو دلا دوں گا یا اس کو مسلمانوں پر تصدیق کیجیے۔ آپ کو چار ناچار ان تین باتوں میں سے ایک بات اختیار کر لینی چاہیے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم تمہاری ان تینوں باتوں میں سے مجھے ایک بھی منظور نہیں۔ یہ مکان رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے جدا کر دیا ہے اور اس کو پسند فرمایا ہے۔

اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو اس معاملے میں حکم مقرر کیا انہوں نے ایک حدیث جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا حق سبحانہٗ تعالیٰ نے داؤد علیٰ نبینا وعلیہ السلام پر وحی بھیجی کہ میرے لیے ایک مکان بناؤ کہ وہاں پر لوگ مجھے یاد کیا کریں۔ داؤد علیہ السلام نے حکم الٰہی سے بیت المقدس کی تعمیر شروع کی ناگاہ ایک جانب سے عمارت کا خط کسی بنی اسرائیل کے مکان کے گوشے پر واقع ہوا۔ داؤد علیہ السلام نے اس شخص سے کہا کہ تو اپنے مکان کو بیچ ڈال۔ بنی اسرائیل نے قبول نہیں کیا۔ حضرت داؤد مکان کی قیمت مقرر کرنے لگے۔ آپ جتنی قیمت زیادہ کرتے تھے صاحب خانہ اسے نہیں مانتا تھا۔ داؤد علیہ السلام نے اپنے دل میں کہا کہ اس مکان کو اس سے زبردستی لے لینا چاہیے اسی وقت وحی آئی کہ اے داؤد میں نے تم کو ایک مکان بنانے کا حکم دیا ہے تاکہ لوگ اس میں میری عبادت کریں لیکن تم لوگوں کے مکان غصب کرتے ہو۔ تمہاری سزا یہ ہے کہ میں تم کو اس مکان کے بنانے سے منع کرتا ہوں۔ داؤد علیہ السلام نے التماس کی کہ خداوند میری اولاد میں سے کسی کو مقرر فرما جو اس مکان کو پورا کرے۔ چنانچہ سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے ان کے بعد اس مکان کو تعمیر کرایا۔ جب اُبی بن کعب نے یہ حدیث پڑھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اب میں کچھ نہ کہوں گا۔ اس کے بعد عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب میں اس مکان کو مسلمانوں کے لیے تصدیق کرتا ہوں اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے اس مکان کو مسجد میں داخل کر لیا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مکان سے متصل ایک دوسرا مکان جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اس کا نصف حصہ ایک لاکھ درہم میں خرید کر مسجد شریف میں داخل کیا۔ اور اس مکان کا بقیہ نصف حصہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں داخل مسجد کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے شام کی جانب سے مشرق کی طرف مسجد کی پچھیت کے پاس مسجد رحبہ یعنی صفہ تعمیر کرائی۔ اس کو بطحا بھی کہتے ہیں تا کہ اگر کوئی شخص اشعار پڑھنا چاہے یا بہ آواز بلند باتیں کرنا چاہے تو یہاں بیٹھے اور مسجد شریف میں کوئی شخص بلند آواز سے نہ تو باتیں کرے نہ شعر پڑھے۔ ایک دن مسجد میں دو آدمی بلند آواز سے باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی سے فرمایا کہ جاؤ دیکھو تو یہ کون لوگ ہیں۔ لوگوں نے واپس آ کر عرض کیا کہ یہ طائف کے باشندے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ مسافر نہ ہوتے تو اپنے کئے کی سزا پاتے یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہے اس میں آواز بلند کرنا جائز نہیں۔

سعید ابن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن عمر رضی اللہ عنہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے وہ مسجد میں بیٹھے شعر پڑھ رہے تھے۔ آپ نے تیز نظر سے ان کی طرف دیکھا۔ حسان نے کہا آپ کیا دیکھتے ہیں۔ میں نے ان کی موجودگی میں بھی شعر پڑھتا تھا جو تم سے بہتر تھے۔ یعنی سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہاں ابوہریرہ بھی موجود تھے۔ حسان نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم کو قسم ہے رب العزت کی۔ تم نے بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے اللھم ایدحسانا بروح القدس ترجمہ:- (اے اللہ مدد کیجیے حسان کی بذریعہ جبریل کے) ابوہریرہ نے کہا اللھم نعم ہاں ایسا ہی فرماتے تھے جیسا کہ تم کہتے ہو۔

فائدہ:- مسجد میں جن اشعار کے پڑھنے کی ممانعت آئی ہے وہ جاہلیت اور جھوٹوں کے اشعار ہیں اور وہ اشعار جن میں دروغ گوئی سے کام لیا گیا ہو ورنہ ترمذی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ایک منبر حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے رکھا تھا تا کہ اس پر کھڑے ہو کر کفار کی ہجو کریں اور

فیصلہ کن بات۔ اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

الشعر کلام حسنہ حسن وقبیحہ قبیحی

ترجمہ (شعر ایک کلام ہے اس کے عمدہ مضامین اچھے اور بُرے مضامین بُرے ہیں)

دوسرا اضافہ

امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اضافہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اضافہ سے بہت زیادہ تھا۔ آپ نے اس کی دیواریں اور ستون منقش پتھروں سے بنوائے اور چھت ساکھو کی لکڑی سے تیار کرائی۔ اور تعمیر اول جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی تھی اور جس پر عمر رضی اللہ عنہ نے اضافہ فرمایا تھا اس کو شہید کر دیا اور اس کے ستونوں کو لوہے اور رانگ سے مستحکم کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیشتر اضافہ شام کی جانب فرمایا یہ حصہ مسجد کے شمالی جانب ہے یہ اضافہ قبلہ اور مغرب کی جانب بہت کم ہے۔ مشرقی جانب کو حجرات شریف کے حرمت کی وجہ سے اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعمیر کی ابتدا ربیع الاول ۲۹ھ ہجری میں اور اس کی تکمیل پہلی محرم ۳۰ھ میں ہوئی۔ کام کرنے کی پوری مدت دس مہینے تھی۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ کی تعمیر آپ کی خلافت کے اخیر سنہ میں ہوئی۔ آپ کا آخری سال خلافت ۳۵ھ ہجری ہے۔ قول اوّل زیادہ مشہور ہے۔ واللہ اعلم۔

صحیح مسلم میں آیا ہے کہ جب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے اس معاملے میں تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے من بنی مسجد اللہ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ۔ ترجمہ:- (جو شخص اللہ کے لیے مسجد بناتا ہے اللہ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بناتا ہے)۔ غالباً لوگوں کا اس امر میں تعاون سے انکار کر دینا تعمیر اوّل کے انہدام اور پتھروں کو منقش کرنے کے خیال سے تھا۔ مسجد میں وسعت اور اضافہ کی وجہ سے لوگوں نے انکار نہیں کیا تھا۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اضافہ فرمایا تھا۔ مسجد میں توسیع اور اضافہ کی اجازت حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی مرحمت فرما

چکے تھے۔ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس میری مسجد کو صنعاء یمن تک بنا دیا جائے تو بھی یہ میری ہی مسجد رہے گی۔ بیان کرتے ہیں کہ ۲۹ھ میں جب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر بیٹھے تو لوگوں نے مسجد کے تنگ ہونے کی شکایت کی۔ یہ تنگی جمعہ کے دن ہو جایا کرتی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس شکایت پر مشورتاً ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے جو اہل فتویٰ اور اصحاب رائے سمجھے جاتے تھے۔ مسجد نبوی میں توسیع اور اضافہ پر جب سب نے اتفاق کر لیا تو آپ منبر پر تشریف لائے اور اس کے متعلق ایک خطبہ ارشاد فرمایا حدیث نبوی ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فعل اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع کو استدلال میں پیش فرمایا۔ چنانچہ اس وقت تک لوگوں کے دلوں میں شبہ کا جو غبار بیٹھ گیا تھا وہ دور ہو گیا اس کے بعد آپ نے معماروں کو طلب فرمایا۔ اور مسجد کی تعمیر شروع کرا دی۔ آپ بذات خود کام کرتے تھے۔ صیام دہر اور قیام لیل ہونے کے باوجود آپ مسجد سے باہر نہیں آتے تھے۔ ابن شیبہ کعب احبار سے روایت کرتے ہیں کہ اس وقت جب عثمان رضی اللہ عنہ تعمیر کرا رہے تھے کعب احبار کہتے تھے کہ کاش یہ تعمیر پوری نہ ہو اگر اس کی ایک سمت بن چکے تو یہ دوسری طرف سے گر جائے لوگوں نے دریافت کیا اے ابا اسحٰق ایسا کیوں کہتے ہو۔ کیا تم نے یہ حدیث نہیں روایت کی ہے کہ اس مسجد میں ایک نماز ان ہزار نمازوں سے افضل ہے جو دوسری مسجد میں پڑھی جائیں۔ مسجد حرام اس سے مستثنیٰ ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں میں اب بھی اسی اعتقاد پر ہوں لیکن جب یہ عمارت تیار ہو جائے گی تو ایک فتنہ آسمان سے نازل ہو گا وہ فتنہ نازل ہونے کے لیے مستعد ہے اس فتنہ اور زمین میں ایک بالشت سے زائد فاصلہ نہیں ہے۔ لیکن اس کا نزول اس عمارت کے تمام ہونے پر موقوف ہے۔ جس دن یہ عمارت تکمیل کو پہنچے گی تو وہ فتنہ آیا ہی سمجھو۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ وہ کیا فتنہ ہے۔ کہا وہ فتنہ ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہو جانا۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ ان کا قتل کیا مثل قتل عمر ابن خطاب کے نہیں ہے۔ انہوں نے جواب دیا بلکہ اس سے لاکھ وجہ زائد ہے۔ اس قتل کے بعد عدن سے لے کر روم تک قتل

عام ہو گا اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ کعب کا اشارہ اُن باتوں کی طرف تھا جو اکثر لوگ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے اپنے دلوں میں رکھے ہوئے تھے پھر مسجد نبوی کی بنیاد کو شہید کرنا اور اس میں تغیر کرنا ان باتوں کے لیے اشتعال انگیز ثابت ہوا اور وہ جماعت جو انتقام کی فکر میں رہتی تھی اس نے اپنے ارادہ کو مسجد نبوی ﷺ کی تکمیل تک ملتوی کر رکھا تھا تاکہ اس کی فراغت کے بعد فتنہ کو برانگیختہ کریں اور اکثر لڑائیوں کا قوی سبب جو آخر زمانہ مروانیہ تک وجود میں آتی رہیں یہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل تھا۔ آپ کے قتل کے انتقام کا جذبہ ہی ان سب میں کارفرما رہا ہے۔ واقعہ حرہ کے بیان میں اس کا کچھ اشارہ مل سکتا ہے واللہ اعلم۔

تیسرا تغیر

جو اس مسجد شریف میں ہوا یہ اضافہ ولید ابن عبدالملک بن مروان نے کیا تھا اس سے پہلے خلفاء یا امراء میں سے کسی نے بھی عمارت عثمانی میں دست اندازی نہیں کی تھی۔ اس وقت ولید کی جانب سے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ کے عامل تھے۔ ولید نے ان کو لکھا کہ مسجد نبوی کے گرداگرد جس شخص کا بھی مکان ہو اس سے خرید لو۔ اگر کوئی بیچنے سے انکار کرے اس کے مکان کو گرا دو اور اس کے عوض مال دے دو۔ اگر وہ عوض لینے سے بھی انکار کرے تو مکان لے لو اور اس کی قیمت کو فقراء میں تقسیم کر دو۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے حجرات بھی مسجد میں داخل کر لو۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ولید کے حکم کے موافق عمل کیا اور حجروں کو منہدم کر کے مسجد میں داخل کر لیا۔ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں جس دن ولید کا حکم آیا اور امہات المومنین کے حجرے منہدم کیے جانے لگے تو لوگ ایک عظیم مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اس کو دیکھ کر روتا نہ ہو۔ سعید بن المسیب کہتے تھے۔ کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجروں کو بحال خود چھوڑ دیا جاتا تاکہ لوگ یہ دیکھتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دار فانی میں کس طرح زندگی بسر کی ہے۔ ابن زبالہ بعض اہل علم سے روایت کرتے ہیں کہ جب ولید بن عبدالملک حج کے لیے آیا تو ارکان حج ادا کرنے کے

بعد مدینہ منورہ بھی آیا۔ وہ ایک دن منبر پر خطبہ پڑھ رہا تھا کہ یکایک اس کی نظر حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم کے جمال پر پڑی جو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے آئینہ ان کے ہاتھ میں تھا اس میں آپ اپنے جمال جہاں آرا کو دیکھ رہے تھے۔ ولید نے منبر سے اتر کر عمر ابن عبدالعزیز کو بلا کر ڈانٹا کہ ان کو ابھی تک کس لیے یہاں چھوڑ رکھا ہے انھیں تم نے باہر کیوں نہیں کیا۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کو اس کے بعد بھی یہاں دیکھوں مکان کو ان سے خرید کر مسجد میں داخل کر لو۔

فاطمہ بنت حسین اور حسن بن حسن نیز اُن کی اولاد رضی اللہ عنہم گھر میں موجود تھے۔ انہوں نے باہر آنے سے انکار کیا ولید نے حکم دیا کہ اگر یہ لوگ باہر نہ نکلیں تو مکان کو ان ہی پر گرا دو۔ اور مکان کا اسباب ان کی رضامندی کے بغیر ہی باہر پھینک دو مکان کو ویران کر دو۔

یہ حضرات مجبوراً باہر نکلے اور روز روشن میں اہل بیت کی پردہ نشین مدینہ منورہ سے باہر چلی گئیں ایک مکان اپنی سکونت کے لیے اختیار کیا۔ بعض روایتوں میں یہ واقعہ ولید کی آمد سے پہلے کا ہے جو ولید کے حکم سابق کی وجہ سے عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے واقع ہوا تھا۔ عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سات ہزار دینار مکان کی قیمت میں ان کو دیتے تھے۔ حسن ابن حسن رضی اللہ عنہما نے قسم کھائی کہ ہم قیمت نہیں لیں گے۔ عمر بن عبدالعزیز ؒ نے یہ واقعہ ولید کو لکھا کہ وہ قیمت لینے سے انکار کرتے ہیں۔ اس نے حکم بھیجا کہ اگر قیمت نہیں لیتے تو نہ لیں۔ بہتر ہے تم مکان کو لے لو اور ان کو باہر کر دو۔ مکان کی قیمت بیت المال میں داخل کر دو۔

ایسا ہی جھگڑا حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے سلسلے میں پیش آیا۔ حضرت حفصہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور یہ حجرہ ان کی اولاد کے قبضہ میں تھا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم اس مکان سے ہرگز نہ نکلیں گے اور رسول خدا ﷺ کے مکان کی قیمت نہ لیں گے۔ اس زمانے میں حجاج بن یوسف مدینہ ہی میں تھا اس نے حکم دیا کہ مکان کو ان کے اوپر گرا دو۔ لیکن جب یہ مقدمہ ولید کے پاس پہنچا تو اس نے عمر بن عبدالعزیز ؒ کو

لکھا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اولاد کے راضی کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی جائے۔ مکان کی قیمت دو اگر نہ لیں تو ان کا اکرام کرو اور مکان کا ایک ٹکڑا ان کے لیے چھوڑ دو اور اس میں ایک دروازہ بھی جانب مسجد چھوڑ دو۔

ولید کے زمانہ میں مسجد کا طول دو سو گز اور چوڑائی ایک سو ستر گز تھی۔ اس نے عمارت کے بنانے میں انتہائی تکلف سے کام کیا۔ چھت، دیوار اور ستون سب کے سب منقش، سنہرے اور روپہلے بنائے ولید نے قیصر روم کو لکھا تو اس نے اپنے شہر کے چالیس اُستادِ فن، چالیس قبطی، اسی ۸۰ ہزار دینار اور چاندی کی زنجیریں اور قندیلیں روانہ کر دیں۔ ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ چالیس ہزار مثقال سونا اور طرح طرح کا روپہلی سامان بھی اس کے ساتھ پیش کیا تھا۔ محراب کی جو علامت اس وقت مسجدوں میں رائج ہے اسی کی ایجاد ہے یہ اس سے پہلے نہ تھی بیان کیا جاتا ہے کہ رومی معمار نے یہ چاہا تھا کہ حجرہ شریف میں پیشاب کرے۔ وہ یہ مذموم ارادہ کرتے ہی زمین پر گر پڑا اور اس کا سر پاش پاش ہو گیا۔ ان معماروں میں سے بعضوں نے اس کی یہ حالت دیکھ کر سلام قبول کر لیا اُنہیں معماروں میں سے کسی شخص نے مسجد میں قبلہ رخ دیوار پر خنزیر کی صورت بنادی۔ عمر ابن عبدالعزیز نے حکم دیا کہ اُس کی گردن مار دو۔ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص کسی درخت کا نقشہ بہتر کھینچتا اس کو مزدوری سے تیس درہم زائد انعام کے طور پر دیے جاتے تھے۔ ابن زبالہ بیان کرتے ہیں کہ جب ولید مدینہ میں آیا مسجد کی تعمیر پوری ہو چکی تھی ایک روز مسجد کی عمارت دیکھنے کے لیے ٹہل رہا تھا جب اس کی نظر مسجد کے حجرے کی چھت پر پڑی تو بہت تعریف کی اور کہا کہ تمام مسجد کی چھت ایسی ہی کیوں نہ بنائی گئی۔ عمر نے کہا کہ اس کے لیے بہت خرچ چاہیے تھا تب ایسی بنتی۔ ولید نے کہا کیا ہوا جو کچھ چاہیے تھا خرچ کرتے۔ عمر نے کہا اے امیر المومنین آپ کو کچھ خبر ہے کہ محض قبلہ کی دیوار پر کس قدر خرچ ہوا ہے پینتالیس ہزار دینار تو صرف اس کے نقش و نگار کا خرچ ہے۔ ولید نے جب یہ بات سنی تو پشیمان ہوا اور کہنے لگا کہ اس قدر خرچ کس واسطے کیا۔ شاید یہ خزانہ تم نے اپنے باپ کا جمع رکھا تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ ولید جب یہ مسجد دیکھ رہا تھا تو عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد میں

سے بھی کوئی وہاں موجود تھا ولید نے اس سے کہا کہ دیکھو تمہارے باپ کی عمارت کیا تھی اور ہماری عمارت کیسی ہے انھوں نے کہا کہ ہاں میرے باپ کی عمارت تو مسجدوں کی سی تھی۔ اور تمہاری عمارت گرجوں کی سی ہے۔

ولید کی تعمیر کی ابتدا ۸۸ ہجری میں اور انتہا ۹۱ ہجری میں ہوئی تھی۔ تین سال تک تعمیر کا کام جاری رہا۔ اس عمارت میں مسجد کے چاروں کونوں پر چار منارے تھے۔ لیکن اس کے بعد جب سلیمان بن عبدالملک حج کو آیا تو جو منارہ باب السلام کے پاس تھا اس جگہ مروان کا گھر تھا۔ مروان کے مکان کے آنگن میں اس کا سایہ پڑتا تھا حکم دیا کہ اس منارہ کو گرا دیا جائے۔ سمہودی کے ظاہری کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تعمیر سے پہلے منارہ کا دستور نہ تھا واللہ اعلم۔ اسی کے زمانے میں مسجد نبوی ﷺ میں نماز جنازہ کی ادائیگی ممنوع قرار پائی۔

چوتھی توسیع مہدی کی طرف سے ہوئی۔ یہ خلفائے عباسیہ میں سے ہیں۔ مہدی عباسی سے پہلے کسی شخص نے بھی ولید کی عمارت پر توسیع نہیں کی تھی۔ مہدی نے یہ توسیع ۱۶۱ ہجری میں کی۔ فقط دس ستون مسجد میں بجانب شام بنوا دیے اور اس نے تکلف کا وہی طریقہ برقرار رکھا جو ولید کی عمارت میں پہلے سے موجود تھا۔ مہدی عباسی کے بعد کسی شخص نے توسیع نہیں کی ہے لیکن بعض بیان کرتے ہیں کہ ۲۰۲ ہجری میں خلیفہ مامون الرشید نے مہدی کی عمارت میں توسیع کی تھی۔ واللہ اعلم۔

فصل۔ اس حجرہ شریفہ کا بیان جو قبور شریف کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا حجرہ ہے۔ یہ بھی تمام حجرات مصطفویہ کی طرح کھجور کی چھال سے تعمیر ہوا تھا۔ جب حکم الٰہی کے بموجب سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن یہی حجرہ شریف قرار پایا تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی اسی حجرہ میں قیام فرما تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور قبر شریف کے درمیان کوئی پردہ نہ تھا۔ قبر شریف کے پاس جب لوگ کثرت سے آنے جانے لگے اور یہاں کی خاک بھی بطور تبرک لے جانے لگے تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس مکان کے دو حصے کر دیے اور اپنی سکونت اور قبر شریف کے درمیان

ایک دیوار کھینچ دی۔ جب تک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی قبر اس حجرہ شریف میں نہیں بنی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کبھی کبھی جس طرح بھی ممکن ہوتا آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قبر پر آتی رہتی تھیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں پر دفن ہو گئے تو آنے میں پردہ کا خیال فرمانے لگیں۔ جب تک کامل پردہ اور پورا لباس نہ استعمال کرتیں قبروں پر نہیں آیا کرتی تھیں۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مسجد میں اضافہ کیا تھا تو اس حجرہ کو کچی اینٹ سے تعمیر کرا دیا تھا۔ ولید کی تعمیر کے زمانے تک یہ حجرہ برقرار رہا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ولید ابن عبدالملک کے حکم سے اس کو منہدم کر کے منقش پتھروں سے تیار کیا۔ اس کی پشت پر ایک دوسرا احاطہ بنوا دیا اور ان دونوں عمارتوں سے کسی میں کوئی دروازہ نہیں چھوڑا۔ بعضوں نے یہ کہا ہے کہ شام کی جانب ایک بند دروازہ ہے لیکن تحقیق یہی ہے کہ پہلا قول صحیح ہے عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ اگر حجرہ شریف کو اس کے حال پر ہی چھوڑ دیا جائے اور اس کے گرد ایک عمارت تیار کی جائے تو زیادہ اچھا ہو۔ عمر نے کہا کہ مجھے امیر المومنین نے جیسا حکم دیا ہے اس کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ محمد ابن عبدالعزیز سے روایت ہے کہ حجرہ کی بنیاد کھودتے وقت ایک پاؤں نظر آیا۔ تحقیق حال کے بعد معلوم ہوا کہ وہ پاؤں امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جو تنگی مکان کی وجہ سے حجرہ کی بنیاد میں تھا اس لیے قبور شریفہ کے بننے میں صحیح ترین قول یہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کے پاس ہے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا سر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سینہ کے مقابل ہے جس کی صورت یہ ہے۔

قبر شریف سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

قبر شریف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

قبر شریف عمر فاروق رضی اللہ عنہ

اس صورت میں اگر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا پاؤں حجرہ کی دیوار میں ہو تو کچھ بعید

نہیں ہے۔ عمر ابن عبدالعزیزؒ کی تعمیر کے بعد سے آج تک ان قبور کے حجرہ میں آنا ممکن ہو گیا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ پانچ سو اڑتالیس ہجری میں حجرہ شریف کے اندر ایک آواز دھماکے کی سنی گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے عمارت میں سے کچھ گرا ہے۔ حجرہ میں ایک ایسے شخص کو بھیجنا تجویز کیا گیا جو مشائخ صوفیہ میں سے تھے اور طہارت، صفائی، مجاہدہ اور ریاضت جیسی صفات سے موصوف تھے۔ انہوں نے مزید صفائی اور پاکی کے لیے چند روز تک غذا نہیں استعمال کی اس کے بعد اپنے کو رسی سے باندھ کر کھڑکی کی راہ سے (جو چھت میں ایک طرف تھی) نیچے لٹکایا۔ غالباً کچھ مٹی چھت سے گری ہوئی تھی اس کو دور کیا اور اپنی ڈاڑھی کو جھاڑو بنا کر آستانہ کی صفائی کی۔ اسی تاریخ مذکورہ کے قریب ہی قریب کسی ایسی ہی دوسری مصلحت سے جو اس مقام شریف کی صفائی سے تعلق رکھتی تھی ایک اور شخص کو جو حجرہ شریف کی خدمت پر مامور تھے عمارت کے متولی کے ساتھ نیچے اُتار کر اس مکان مقدس کی صفائی کرائی اور ۵۵۷ھ ہجری میں جمال الدین اصفہانی جو صاحب کمال لوگوں میں سے ہیں وہیں دفن کیے گئے۔ مدینہ منورہ میں جمال الدین کی نیکیاں اور بھلائیاں زمانے کے اوراق پر لکھی ہوئی ہیں اور ان کے اوصاف اور مناقب کا ذکر مسجد شریف کے خطیبوں کی زبان پر رہتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جو شرقی کھڑکی ہے اور جس کو اس زمانے میں باب جبرئیل کہتے ہیں اس کے مغرب میں رباط خورد ہے اور یہ رباط عجم کے نام سے مشہور ہے۔ جمال الدین یہیں دفن کیے گئے ہیں انہوں نے حجرہ شریف کے گرد ایک جالی صندل کی کھینچی تھی انہیں ایام میں ابن ابی الہیجا نے سرخ ریشمی نقوش سے منقش سفید دیبا اس حجرہ شریف پر لٹکانے کی غرض سے بھیجا۔ اس دیبا پر سورہ یٰسین لکھی ہوئی تھی۔ ابن ابی الہیجا شاہان مصر کے وزیروں میں سے تھے اور ان کا نام بعضے مساجد ماثورہ میں جو مسجد فتح کی سمت میں لکھا ہوا ہے۔ مذکورہ منقش دیبا خلیفہ مستضی باللہ سے اجازت حاصل کر کے لٹکایا گیا تھا۔ اس کے بعد ہر بادشاہ نے اپنی تخت نشینی کے وقت اس پردہ کا بھیجنا اپنے فرائض اور دستور میں شامل کر لیا۔ سلاطین روم کا اب تک یہی قاعدہ ہے کہ ہدیتہً ایک پردہ بھیج دیتے ہیں۔

۶۷۸ ہجری میں قلاؤن صالحی نے تانبے کی جالیوں کے ساتھ قبہ خضرا بنوایا جو حظیرہ شریفہ کے اوپر مسجد کی چھت سے بلند ہے اور اب تک اسی طرح سے موجود ہے۔ اس سے پیشتر قبہ کی بلندی مسجد کی چھت سے آدمی کے نصف قد سے زائد نہ تھی۔ یہ مسجد شریف جو اس وقت (۱۰۰۱ھ) موجود ہے وہ قاتیبا بادشاہ مصر کی تعمیر سے ہے۔ یہ ۸۸۸ ہجری میں آیا تھا (۱۰۰۱ھ سے مراد ہے کہ اس سن ہجری میں یہ اوراق تحریر کیے ہیں) یہ خادم حرمین شریفین بادشاہ ملوک شراکیہ سے تعلق رکھتا تھا اور اس وقت میں نہایت سعادت مند تھا۔ اس کی بڑائی اور عظمت کا اظہار رباط کی تعمیر وظائف کا تعین اور حرمین شریفین کے لیے اوقات کے قیام سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ قاتیبا نے ارکان حج ادا کرنے کے وقت تمام سلاطین وقت سے امتیاز حاصل کر لیا تھا۔ اس نے روضہ شریف کے فرش کو بطور تبرک اس کی قدیم حالت پر چھوڑ دیا تھا اس لیے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک اس خاک پر پڑ چکے تھے اس لیے پتھر کا فرش لگانا اچھا نہ سمجھا۔ قاتیبا کی سلطنت کی بنیاد سلاطین روم کے ہاتھ سے منقطع ہو گئی۔ اس کے بعد سلطان سلیمان رومی نے دسویں صدی کے وسط میں روضہ متبرکہ میں سنگ مرمر کا فرش لگایا جو تا حال موجود ہے اور بعض دوسری تعمیریں بھی کیں۔ جیسے دیوار روضہ اقدس' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تعمیر پر کچھ اضافہ اور جائے تہجد کی تعمیر وغیرہ۔ یہ سب سلطان سلیمان مذکور کی یادگار ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل۔ جملہ نادر امور اور حوادثات عجائبہ جو درحقیقت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہیں۔

حجرہ شریف میں سرنگ لگانے کا واقعہ ۵۵۷ ہجری میں واقع ہوا۔ بیان کرتے ہیں کہ سلطان نور الدین محمود شہید بن عماد الدین زنگی (جس کا وزیر جمال الدین مذکور تھا) نے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات میں تین بار خواب میں دیکھا کہ آپ دو آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ جلد آؤ اور یہ دو آدمی جو کھڑے ہیں مجھے ان کے شر سے بچاؤ۔ نور الدین نے اپنی دانائی سے تاڑ لیا کہ کوئی عجیب وغریب امر مدینہ منورہ میں واقع ہوا ہے اس کے لیے مدینہ منورہ ضرور پہنچ جانا چاہیے۔ سلطان مذکور اسی وقت اخیر

رات میں تیز رفتار سانڈ نیوں پر اپنے بیس خاص آدمیوں کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ اپنے ساتھ کثیر مال بھی لے گیا۔ سولہ دن تک لگاتار سفر کرنے کے بعد شام کے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہو گئے اور فوراً ان دونوں طعونوں کی حاضری اور شناخت کرنے کی سبیل پیدا کی۔ نورالدین نے اعلان کیا کہ مدینہ کا ہر باشندہ حاضر ہو اور سلطانی سخاوت میں سے اپنا حصہ حاصل کر لے۔ چنانچہ اس اعلان کے بعد ہر شخص باری باری سلطان سے ملتا وہ اس کو مالا مال کر کے رخصت کر دیتا۔ مگر ان لوگوں میں وہ دونوں شکلیں نہ دکھلائی دیں جو خواب میں دکھلائی تھیں۔ نورالدین نے کہا کہ اہل شہر میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو حاضر نہ ہوا ہو لوگوں نے عرض کیا کہ اہل مدینہ میں کوئی شخص باقی نہیں رہا۔ لیکن دو عابد و زاہد جو مغرب کے رہنے والے ہیں باقی رہ گئے ہیں۔ یہ دونوں شب و روز عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور کسی سے بات چیت نہیں کرتے۔ اُن کو اُس کے ساز و سامان سے اور دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی وجہ سے یہ دونوں حاضر نہ ہو سکے۔ نورالدین نے حکم دیا کہ اُن دونوں کو بھی لایا جائے۔ جب وہ دونوں سامنے آئے تو بادشاہ نے پہلی ہی نظر میں انہیں پہچان لیا کہ یہی وہ ہیں جن کی طرف خواب میں آنحضرت ﷺ نے اشارہ فرمایا تھا۔ نورالدین نے دریافت کیا کہ تم لوگ کہاں مقیم ہو۔

انہوں نے جواب دیا کہ حجرہ شریف کے مغربی جانب (اس وقت یہ مکان کھنڈر پڑا ہوا ہے) رہتے ہیں اس مکان سے ایک کھڑکی مسجد کی دیوار میں چھوڑی ہوئی ہے۔ سلطان نے یہ معلوم کر کے ان کو تو وہیں چھوڑا اور خود اس مکان میں پہنچ گیا جس میں یہ دونوں مقیم تھے۔ دیکھا کہ ایک طاق میں دو کلام مجید اور وعظ کی چند کتابیں رکھی ہوئی ہیں۔ ایک طرف غربا اور مساکین کے واسطے کچھ غلہ رکھا تھا ان کے سونے کی جگہ ایک چٹائی پڑی ہوئی تھی۔ سلطان شہید نے چٹائی کو اٹھایا تو وہاں سے ایک گہرا گڑھا برآمد ہوا جو خواب گاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھدا ہوا تھا۔ اس کے ایک گوشہ میں ایک کنواں دیکھا جس میں گڑھے کی مٹی ڈالی جاتی تھی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ چمڑے کے تھیلے رکھے پائے۔ رات میں مٹی اس میں بھر کر بقیع کے اطراف میں لے جا کر ڈالتے تھے۔ ان کو ڈرا دھمکا کر اس

حرکت کا سبب دریافت کیا تو ان کو ظاہر کرنا پڑا کہ ہم عیسائی ہیں اور نصاریٰ نے ہم کو مغربی حاجیوں کے لباس میں زر کثیر دے کر اس لیے بھیجا تھا کہ ہم کسی حیلہ سے حجرہ شریف میں داخل ہو کر حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے ساتھ گستاخی کریں۔ جس رات میں یہ نقب قبر شریف کے قریب پہنچنے والی تھی کثرت سے ابر آیا۔ بارش ہونے لگی اور گرج وچمک نے وہ زور باندھا کہ زلزلہ عظیم پیدا ہو گیا۔ اسی رات کی صبح کو سلطان نور الدین پہنچ گئے۔

ان باتوں کے سننے سے سلطان کی آتشِ غضب برانگیختہ ہو گئی ساتھ ہی رقت بھی طاری ہو گئی وہ بہت رویا اور بالآخر حجرہ شریف کی جالی کے نیچے ان دونوں ناپاکوں کی گردن ماردی گئی اور دن کے آخری حصے میں ان کی نامبارک لاش کو جلا کر خاک کر دیا گیا اس کے بعد حجرہ کے چاروں طرف اتنی گہری خندق کھدوائی کہ پانی نکل آیا پھر سیسہ پگھلا کر اس خندق میں بھروا دیا تاکہ کسی مفسد ملعون کے لیے قبر شریف تک پہنچنا دشوار ہو جائے۔ ایک دوسری روایت میں ایک یہ واقعہ لکھا ہے جس کو ابن النجار نے تاریخ بغداد میں بیان کیا ہے کہ بعضے زندیق جو امراء عبیدیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہی لوگ مصر کے حاکم تھے اور حرمین شریفین کی ولایت بھی انہیں کے قبضہ تصرف میں تھی۔ تاریخ دانوں پر ان بدبختوں کی حالت واضح ہے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم' ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے اجسام مبارک مصر میں منتقل کر لیے جائیں تو ساکنانِ مصر کے لیے بڑی منقبت حاصل ہو جائے اور تمام دنیا کی مخلوق زیارت کے لیے اس ملک میں آنے لگے۔ حاکم مصر نے اس خیال محال کے پیش نظر ایک عظیم الشان عمارت اور اس کا شاندار احاطہ تعمیر کرایا۔ اس کے بعد اپنے معتمد کو جس کو ابو الفتوح کہتے تھے قبور شریف سے تینوں اجسام پاک کو نکال لانے کے لیے مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ اس شہر مبارک کے اکابرین اور باشندے ابو الفتوح کی آمد اور اس آمد کے مقصد سے پہلے ہی واقف ہو چکے تھے۔ پہلی ہی مجلس میں جب اس کو دیکھا تو ایک قاری نے اس آیت کریمہ کی تلاوت شروع کر دی۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا

أَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنتَهُونَ ○ أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○

ترجمہ (اگر وہ لوگ اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں بعد عہد کر لینے کے اور طعنہ ماریں تمہارے دین میں تو قتل کر دو کفر کے سرداروں کو بے شک ان کی قسم نہیں باقی رہی تاکہ وہ باز رہیں کیوں نہیں مقاتلہ کرتے ہو تم اس قوم سے کہ جنہوں نے توڑ ڈالا اپنی قسموں کو اور ارادہ کیا رسول کے نکالنے کا اگر ہو تم ایمان والے۔)

کچھ ایسی عظمت اور پرشکوہ انداز میں پڑھی کہ لوگوں میں ایک حرکت و ہیجان پیدا ہو گیا حاضرین مجلس نے ارادہ کیا کہ ابوالفتوح کو اسی وقت قتل کر دیں لیکن چونکہ اس شہر کی حکومت انہیں بدبختوں کے ہاتھ میں تھی اس لیے قتل میں جلدی نہ کی۔ ابوالفتوح بھی خوفزدہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم اگر اس کام میں میرا سر بھی چلا جائے تو بھی میں راضی نہ ہوں گا اور اپنا ہاتھ قبر شریف کی طرف کبھی بھی دراز نہ کروں گا۔

اسی رات میں اتنی زبردست آندھی آئی جس سے ایسا محسوس ہونے لگا کہ کرۂ زمین اس کی شدت اور زور کے ہاتھوں ایک جگہ سے دوسرے جگہ چلا جائے گا۔ اونٹ اپنے پالانوں سمیت اور گھوڑے اپنی زین کے ساتھ گیند کی طرح ڈھلکتے تھے ابوالفتوح نے جب یہ حالت دیکھی تو اس پر عبرت اور خوف کی کیفیت طاری ہو گئی۔ دل سے حاکم کا خوف جاتا رہا وہ اپنے خیال خام سے قطعی طور پر باز رہا اور سلامتی اور صدق نیت کے ساتھ واپس چلا گیا۔ انہی عجیب و غریب واقعات میں واقعہ خسف بھی ہے جو بعض بے دینوں کا واقعہ ہے۔

ریاض نضرہ میں محب طبری بیان کرتے ہیں کہ حلب کے رافضیوں کی ایک جماعت مدینہ منورہ کے امیر کی پاس آئی۔ یہ جماعت اپنے ساتھ بہت سا قیمتی سامان اور تحائف نادرہ بھی لائی تھی۔ اس نے یہ چیزیں مدینہ کے امیر کی خدمت میں پیش کر دیں اور اس کے صلے میں امیر سے یہ طے کیا کہ حجرہ شریفہ میں ایک طرف سے ابوبکر صدیق

اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے جسموں کو نکال لے جائیں۔ مدینہ کے امیر نے اپنی مذہبی بے حسی اور حب دنیا کی وجہ سے اس بات کو قبول کر لیا اور انہیں اس بات کی اجازت دے دی۔ امیر مدینہ نے حرم شریف کے ارکان کو حکم دیا کہ جب یہ جماعت آئے تو ان کے لیے حرم کا دروازہ کھول دینا اور اس میں یہ لوگ جو کام کرنا چاہیں مت منع کرنا دربان کا بیان ہے کہ جب عشاء کی نماز ہو چکی اور سب دروازے بند ہو گئے تو چالیس آدمی پھاوڑے، کدال، شمع اور گرانے اور کھودنے کے اوزار لے کر آ گئے۔ یہ لوگ باب السلام کے دروازے پر آ کر کھڑے ہو گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا میں نے امیر کے حکم کی وجہ سے دروازہ کھول دیا اور ایک گوشے میں جا کر بیٹھ گیا۔ میں روتا تھا اور دل میں سوچتا تھا کہ کب قیامت قائم ہو گی۔ لیکن سبحان اللہ ابھی یہ لوگ منبر شریف کے مقابل بھی نہیں پہنچے تھے کہ ان سب کو ان کے اسباب و آلات سمیت (جو ان کے ساتھ تھا) اس ستون کے نزدیک جو تو سیع عثمان کے قریب ہے زمین نے نگل لیا۔ امیر مدینہ ان کی واپسی کا منتظر تھا اور اس تاخیر کا سبب سوچ رہا تھا اس نے مجھ کو بلایا اور پوچھا کہ جماعت کا کیا حال ہے۔ میں نے جو کچھ دیکھا تھا صاف صاف بیان کر دیا کہ ایسا واقعہ پیش آیا ہے امیر نے کہا کیا تو دیوانہ ہو گیا ہے۔ سوچ سمجھ کر بات کہہ۔ میں نے جواب دیا کہ آپ خود تشریف لے چلیں اور دیکھ لیں کہ خسف کا اثر اور بعضے کپڑے جو قریب ہی اوپر تھے باقی ہیں۔ طبری اس قصہ کی نسبت اُن ثقہ لوگوں کی طرف کرتے ہیں جو سچائی اور دیانت میں مشہور ہیں مدینہ منورہ کے بعض مؤرخین نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ تاریخ سمہودی میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے واللہ اعلم۔

باب ہشتم

مسجد شریف کے فضائل، روضہ مبارک کی خصوصیات اور منبر عالی مرتبت کے اوصاف کا بیان

منجملہ فضائل مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری میں ہے
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ فی مسجدی ھذا خیر من الف صلوۃ فیما سواہ من المساجد الا المسجد الحرام۔
ترجمہ: (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز بہتر ہے ہزاروں نماز سے جو اس کے سوائے اور مسجدیں ہیں سوائے مسجد حرام کے)
اس حدیث کو مسلم نے بھی تھوڑے سے اضافہ کے ساتھ روایت کیا ہے
فانی اخر الانبیاء و مسجدی اخر المساجد
ترجمہ (میں آخر الانبیاء ہوں اور میری مسجد آخر المساجد ہے)
مدینہ منورہ کی مسجد میں ایک نماز کی فضیلت دوسرے انبیا کی مساجد کی ہزار نماز کے برابر ہے ان میں مسجد اقصیٰ بھی شامل ہے جو سلیمان علیہ السلام کی مسجد ہے۔ مسجد حرام اس سے مستثنیٰ ہے جو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ السلام کی ہے۔ چنانچہ دوسری حدیثوں میں یہی مضمون بالتصریح آیا ہے۔ طبرانی نے معجم کبیر میں ثقہ لوگوں سے نقل کیا ہے کہ ایک بار ارقم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت المقدس جانے کی اجازت طلب کی آپ نے دریافت فرمایا کہ کیوں جاتے ہو کیا تجارت کا قصد ہے؟ ارقم نے عرض کیا نہیں۔ میں وہاں محض اس لیے جانا چاہتا ہوں کہ وہاں نماز ادا کروں۔ آپ

نے ارشاد فرمایا کہ میری مسجد کی ایک نماز وہاں کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے اور بعض حدیثوں میں یہ بھی آیا ہے کہ بیت المقدس میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ مدینہ منورہ کی مسجد میں ایک نفل نماز دوسری مسجدوں کی ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے لیکن اس میں مسجد حرام کا استثنیٰ ہے الا المسجد الحرام۔ اس میں دو احتمال موجود ہیں یا تو مکہ اور مدینہ کی مسجد میں مساوات ہے یا مکہ کہ مسجد میں فضیلت کی زیادتی ہے مدینہ کی مسجد پر۔ لیکن بعضے علماء نے مساوات کو ترجیح دی ہے۔ امام مالک ﷫ اور ان کے متبعین کی ایک جماعت نے دوسری بات کو ترجیح دی ہے وہ کہتے ہیں کہ مدینہ کی مسجد میں نماز تمام مسجدوں کی نماز سے ہزار درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے اور مکہ کی مسجد میں ہزار سے کم فضیلت رکھتی ہے بعض مالکیہ اس بات کے قائل ہیں کہ فضیلت ہزار کی نہیں سو کی ہے اور بعضوں نے نو سو کا ذکر کیا ہے لیکن ہر ایک نے اس مسئلہ کو احادیث سے مستنبط کیا ہے۔ جمہور علماء بھی اسی طرف گئے ہیں کہ ثواب کی زیادتی میں مدینہ منورہ کی مسجد پر مسجد حرام کو فضیلت سو درجہ زیادہ ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ مسجد حرام کو مدینہ منورہ پر فضیلت حاصل ہونے کی احادیث وارد ہیں لیکن مدینہ منورہ کی مسجد کو دنیا کی دوسری تمام مساجد پر ایک ہزار درجہ فضیلت حاصل ہے مگر مکہ کی مسجد کو تمام مساجد پر ایک لاکھ درجہ فضیلت حاصل ہے جیسا کہ ایک حدیث میں بالتشریح ہے

الصلوٰۃ فی المسجد الحرام بمائۃ الف صلوٰۃ و الصلوٰۃ فی مسجدی بالف صلوٰۃ و الصلوٰۃ فی بیت المقدس لخمسمائۃ صلوٰۃ

ترجمہ (مسجد حرام کی نماز فضیلت رکھتی ہے لاکھ نمازوں کی اور میری مسجد میں نماز ہزار نماز کی فضیلت رکھتی ہے اور بیت المقدس میں نماز پڑھنا پانچ سو نماز کی فضیلت رکھتی ہے)

احادیث کی چھان بین سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مسجدوں کو بعض مسجدوں پر فضیلت دینے میں جو تعداد بیان کی گئی ہے اس میں کمی بیشی کے اعتبار سے اختلاف ہے۔ ممکن ہے

کہ یہ کمی بیشی اوقات مختلفہ میں وحی سماوی کے نزول اور مساجد کے حقائق منکشف ہونے کی وجہ سے ہو حالانکہ کم تعداد کا ہونا زائد کے صحیح ہونے پر کوئی تعرض نہیں رکھتا ہے واللہ ورسولہ اعلم۔

مدینہ منورہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے اشارتاً کہا گیا ہے کہ نتائج کا اظہار تعداد کی کثرت اور مقدار کی زیادتی پر منحصر کیا گیا ہے لیکن ثواب کی حقیقی عظمت اور کیفیت ذاتی کی قوت پروردگار عالم کی قبولیت کے اعتبار سے ہے۔ بالکل ممکن ہے کہ پروردگار عالم کے نزدیک کم تعداد کو زائد پر فضیلت حاصل ہو۔ چنانچہ یہ نکتہ اس جگہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور یہاں پر جو بات ضروری اور بیان کرنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ زیادتی فضیلت مذکور آیا مسجد نبوی کی ان حدود سے مخصوص ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھیں اور ان توسیعات سے پہلے کی حدود پر ہیں جو حضور ﷺ کے بعض خلفاء وامراء کی تعمیر اور اضافہ سے پہلے تھیں یا عام ہے کہ کل توسیعات اور اضافوں پر فضیلت رکھی گئی ہے۔ مذہب مختار جو احادیث اور علم سلف کے موافق ہے اور جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے کہ وہ کامل مسجد نبوی ﷺ ہی ہے مع تمام اضافوں کے حدیث میں آیا ہے کہ لو مد هذا المسجد الی کان مسجدی ترجمہ (اگر یہ مسجد بڑھا دی جائے صنعا تک تو میری ہی مسجد ہے) اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے (لو مد مسجد رسول اللہ الی ذالحلیفة کان منه) ترجمہ (اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ذی الحلیفہ تک بڑھا دی جائے تو مسجد ہی ہے) نیز عثمان وعمر رضی اللہ عنہما کا نماز کی حالت میں محراب کے اندر کھڑا ہونا جو اس کے اضافوں میں سے ہے زیادتی ثواب کے معاملہ میں اصل مسجد کے ساتھ اس کے مساوات پر ایک فیصلہ کن دلیل ہے۔ ورنہ ان حضرات کا ایسی فضیلت کو ترک کرنا خیال میں بھی نہیں آتا۔ اگرچہ حضور ﷺ کی جائے قیام کو دوسرے تمام مقامات پر افضلیت باقی ہے۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ سلف سے خلف تک کسی شخص کو اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا مقصود مخالفت کی نفی میں تاکید اور مبالغہ ہے ورنہ کوئی شک نہیں ہے کہ بعض علماء انفرادی حیثیت سے اصل مسجد کے احکام کی خصوصیت

کے قائل ہوئے ہیں۔ امام نووی کی بعض کتب میں اس مسئلہ پر اختلاف موجود ہے اگرچہ محب طبری نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے اس قول سے ہی رجوع کیا ہے (یہی اچھا ہے)۔

فائدہ: اکثر علماء کے نزدیک زیادتی مذکور میں فرض اور نفل برابر ہیں۔ لیکن بعضے علمائے حنفیہ اور اکثر مالکیہ اس حکم کو فرض ہی کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور اس کے جواز میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں افضل صلوٰۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ ترجمہ (مرد کی افضل نماز اپنے گھر میں ہے سوائے فرض کے) لیکن وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ فضیلت زیادتی رکعت کے بغیر ہوگی اور اس کے باوجود مکہ اور مدینہ کے گھروں میں ادا کی جائیں۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر عسقلانی نے بیان کیا ہے اور جس طرح ان مقامات شریفہ کی نماز کو ثواب کے معاملے میں زیادتی اور افضلیت حاصل ہے اسی طرح سے تمام نیک کاموں اور بقیہ عبادتوں کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ چنانچہ بیہقی نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الصلوٰۃ فی مسجدی ھذا افضل من الف صلوٰۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام والجمعۃ فی مسجدی ھذا افضل من الفجمعۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام وشھر رمضان فی مسجدی ھذا افضل من الف شھر رمضان فیما سواہ الا المسجد الحرام۔

ترجمہ (نماز میری اس مسجد میں افضل ہے ہزار نمازوں سے جو دوسری مسجد میں ہوں سوائے مسجد حرام کے اور جمعہ میرا اس مسجد میں افضل ہے ہزار جمعوں سے جو دوسری مسجد میں ہوں سوائے مسجد حرام کے اور رمضان کا مہینہ میری اس مسجد میں افضل ہے ہزار مہینے کے رمضان سے جو دوسری مسجد میں ہو۔ سوائے مسجد حرام کے)

یہاں پر یہ بہت ہی واضح اور ظاہر ہے جس کے بیان کی حاجت نہیں کہ مذکورہ اعمال کی فضیلت بہ حیثیت ثواب کے ہے نہ کہ بحیثیت ساقط کرنے تکلیف شرعی کے تاکہ

کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ ایک دن کی نماز پڑھ لو جو ایک ہزار نماز بلکہ ایک لاکھ نماز سے کفایت کرتی ہے۔ علماء میں سے ایک شخص نے کہا ہے کہ میں نے مسجد حرام کی ایک نماز کا حساب جوڑا تو پچپن برس چھ مہینے بیس دن کے برابر نکلا۔ اس بات کے قطع نظر کہ تین مسجدوں کے سوا ہر مسجد میں اگر ایک نیکی کرو تو دس لکھی جائیں گی۔ جماعت اور مسواک کی فضیلت کے ساتھ ہی اور باتیں بھی اس درجہ فضیلت کو پہنچتی ہیں جن کا شمار کرنا بہت دشوار ہے۔ منجملہ اس کے ایک اور حدیث ہے کہ احمد اور طبرانی ثقہ لوگوں کے ذریعہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ من صلی فی مسجدی اربعین صلوٰۃ وزاد الطبرانی لا تفوته صلوٰۃ کتب له براۃ من النار وبراۃ من العذاب وبراۃ من النفاق ترجمہ (جو شخص میری مسجد میں چالیس نمازیں پڑھے اور طبرانی نے زائد کا ذکر کیا ہے کہ نہ فوت ہو اس سے کوئی نماز تو لکھ دی جاتی ہے اللہ کے یہاں اس کی نجات آگ سے اور عذاب سے اور نفاق سے) چالیس کے عدد میں جو حکمت ہے اس کو اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے لیکن اس بات کی حصولیابی صدق اور اخلاص کے بغیر کسی منافق کو میسر نہیں آسکتی۔ نفاق بدترین مرض ہے جب اس سے خلاصی ہو جائے تو سمجھ لو کہ یقیناً دنیا اور آخرت کے عذاب سے چھٹکارا حاصل ہو گیا ہے اور دارین کی سعادت مترتب ہو گئی ہے۔ منجملہ اس کے ایک حدیث بیہقی نے روایت کی ہے کہ جو شخص بہ طہارت اپنے گھر سے اس غرض سے نکلے کہ میری مسجد میں ایک نماز ادا کرے گا تو اس کے نامہ اعمال میں ایک حج کامل کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص اس مسجد میں اچھی بات سیکھنے یا سکھانے کی غرض سے آئے وہ بمنزلہ اس شخص کے ہے جو راہ خدا میں جہاد کرتا ہے لیکن اگر کوئی شخص اس نیت سے نہ آئے بلکہ اس کی غرض مخلوق کی مصاحبت یا اُن سے باتیں کرنا ہو تو اس کی مثال اس شخص جیسی ہو گی جو اپنے محبوب کو دوسروں کے قبضے میں دیکھتا ہو۔

فصل: روضہ شریف اور منبر کی فضیلت کے بیان میں :- بخاری اور مسلم میں ہے مابین بیتی ومنبری روضة من ریاض الجنة۔ ترجمہ (میرے حجرے اور میرے منبر

کے درمیان جو جگہ ہے وہ ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے) اور بعض رواتیوں میں یہ ہے کہ مابین قبری ومنبری وزاد البخاری ومنبری علی حوضی۔ ترجمہ (میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جو جگہ ہے اور بخاری نے زیادہ کیا ہے کہ میرا منبر میرے حوض پر ہے۔)

اور بعض رواتیوں میں ہے وان منبری علی ترع من ترع الجنۃ ترجمہ (بیشک میرا منبر اوپر ترعہ کے ہے جنت کے ترعوں سے) ترعہ کی تفسیریں مختلف ہیں۔ بعضوں نے اس کی تفسیر دروازہ سے کی ہے' بعض نے زینہ سے اور بعضوں نے اس باغ سے کی ہے جو بلند جگہ پر واقع ہو۔ ایک دن سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف پر کھڑے تھے۔ فرمایا کہ اس وقت میرا قدم ترعہ پر ہے جنت کے ترعوں میں سے۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ میرا منبر میرے حوض پر ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ فرمایا میں اس وقت اپنے حوض کے عقر پر کھڑا ہوں۔ عقر وہ مقام ہے جہاں سے حوض میں پانی آتا ہے۔ منبر شریف کے نزدیک جھوٹی قسم کھانے والے پر سخت سزا مقرر کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر منبر شریف کے پاس کوئی شخص اس غرض سے جھوٹی قسم کھاوے کہ کسی مسلمان کا حق تلف کرے گا تو وہ دوزخ میں جانے کے لیے تیار رہے۔ حدیث میں آیا ہے فعلیہ لعنۃ اللّٰہ والملائکۃ والناس اجمعین ترجمہ (اُس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی) چونکہ یہ جگہ آیہ کریمہ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا کے بموجب حقیقتاً بہشت میں سے ہے دار دنیا میں جھوٹ بولنا ممنوع اور حرام ہے جیسا کہ دار آخرت میں ناممکن ہوگا۔ بعض حدیثوں میں آیا ہے ما بین حجرتی ومصلائی روضۃ من ریاض الجنۃ۔ ترجمہ (میرے حجرے اور میرے مصلے کے درمیان میں باغیچہ ہے جنت کے باغیچوں سے) بعضے علماء مصلے کو مسجد نبوی کا مصلہ خیال کرتے ہیں جو حجرہ شریف کے بہت قریب ہے اور بعضے اس کو مصلائے عید (عیدگاہ) قیاس کرتے ہیں جو مدینہ مطہرہ کی حد سے باہر مکہ معظمہ کے راستے پر ہے۔ لہٰذا نقل کرتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیث سنی تو اپنا مکان مسجد اور مصلائے عید کے درمیان میں بنایا کیونکہ پوری مسجد

نبوی ﷺ اس توسیع اور اضافے کے ساتھ جو بجانب مغرب ہے سب کی سب ریاض الجنت ہوگی اس کی کوئی تخصیص نہیں رہے گی کہ منبر اور حجرہ شریف کے درمیان جتنی جگہ ہے صرف وہی ریاض الجنۃ ہو۔ ان احادیث کی تحقیق وتاویل میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعضے تو یہ کہتے ہیں کہ منبر کا حوض پر ہونا اس بات کا اشارہ ہے کہ اس کے پاس نیک عمل کیے جاتے ہیں اور اس سے تبرک حاصل کرتے ہیں۔ اس وجہ سے حضور ﷺ کے حوض پر پہنچ کر اس کا پانی پینے کو ملے گا۔ اور بعض دوسرے علماء کا خیال ہے کہ وہ منبر شریف جس کو سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قدوم سے مشرف فرمایا ہے کل بروز قیامت جس طرح تمام مخلوق وہاں جمع ہوگی یہ منبر بھی جس کو ترعہ جنت کہا گیا ہے حوض کے کنارے رکھا جائے گا تعظیما النبیہ وتنو یھا لشانہ ترجمہ (واسطے تعظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ کی شان کے لئے) ایک جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ یہ خبر اس منبر کے لیے ہے جو قیامت کے دن سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حوض پر اس منبر کے علاوہ دوسرا منبر رکھا جائے گا لیکن یہ قول حدیث کی عبارت سے بالکل علیحدہ ہے۔ کیونکہ آپ تو فرماتے ہیں کہ میرے منبر اور میرے حجرہ کے درمیان ایک روضہ ہے ریاض جنت سے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔ اس کلام سے تو یہی منبر سمجھا جاتا ہے۔ روضہ مقدسہ کا ذکر بھی اسی طریقہ پر آیا ہے۔ اس میں بھی علماء اختلاف کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں پر جنت سے مراد خطہ شریف کو جنت کے باغ سے تشبیہہ دینا ہے۔ اور یہ تشبیہہ خلق اللہ کے ذکر کی وجہ سے رحمت کے نزول اور سعادت کے حصول کے جب دی گئی ہے۔ چنانچہ مسجدوں کو ریاض جنت کے ساتھ نام رکھنا حدیث میں آیا ہے۔ اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا۔ ترجمہ (جب گزرو تم جنت کے باغ میں پس چگو)۔

اس حدیث کے اشارہ کا پرتو اس پر پڑتا ہے خاص کر آنحضرت ﷺ کے زمانے میں علوم کے ثمرات اور ذکر کے انوار لوگ آپ کی مجلس سے حاصل کیا کرتے تھے۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اس مقام میں عبادت اور طاعت کی شرافت کا بیان کرنا مقصود ہے کہ جو جنت میں پہنچائے گی۔ جیسا کہ کہتے ہیں الجنۃ تحت ظلال السیوف والجنۃ

تحت اقدام الامہات ترجمہ (جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے۔ اور جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے)۔ اس اعتبار سے تلواروں کا استعمال کرنا اور ماؤں کی خدمت کرنا جنت میں پہنچانے کا ذریعہ ہوں گے۔ یہ دونوں قول نہایت کمزور ہیں۔ کیونکہ نزول رحمت اور داخلہ جنت کی وجہ سے اس کو باغ جنت سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اور اس نوع کے ثواب عظیم کے مترتب ہونے کا جہاں تک تعلق ہے تمام مساجد اور جملہ خطہ خیر اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ کچھ اسی مسجد شریف کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی رحمت خاص سے مراد لی جائے اور روضہ مبارک سے مخصوص جنت ہی کو تصور کیا جائے تو بھی یہ بات تکلف سے خالی نہیں ہے لیکن اور تحقیق یہی ہے کہ یہاں پر حقیقی معنی ہی مراد ہیں اور آنحضرت ﷺ کے حجرہ اور منبر شریف کے درمیان حقیقت میں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اس اعتبار سے کہ کل قیامت کے دن اس جگہ کو فردوس بریں میں داخل کیا جائے گا اور تمام زمین کی طرح اس کو فنا و برباد نہ کیا جائے گا۔ جیسا کہ ابن فرحون اور ابن جوزی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے اور ساتھ ہی ایک جماعت کے علماء کا اتفاق بھی اس کے ساتھ شامل ہے۔ شیخ ابن حجر عسقلانی اور اکثر علمائے حدیث نے بھی اس قول کو ترجیح دی ہے ابن ابی حمزہ جو علمائے مالکیہ میں بہت بڑے عالم ہیں' فرماتے ہیں کہ اس کا احتمال ہے۔ یہ خطہ شریف بعینہٖ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہو اور وہاں سے دنیا میں بھیج دیا گیا ہو جیسا کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم کی شان میں ہے اور قیام قیامت کے بعد اس کو اپنے اصلی مقام پر پہنچا دیا جائے۔ اور نزول رحمت واستحقاق جنت اس مقام کے مرتبہ کی عظمت کے لیے لازمی ہے اور درحقیقت یہی معانی ان تمام معنوں کے مقابلہ میں جامع ہیں جو دوسرے لوگوں نے بیان کئے ہیں اور یہ معنی اُس خاص بھید کے حاصل کرنے کے علاوہ جس کا حاصل کرنا اہل باطن کے ساتھ مخصوص ہے اور بغیر تاویل اور مجاز کے ظاہری معنی لینے سے مراد ہے کہ آنحضرت ﷺ کی عظمت اور کمال مرتبہ کو محفوظ رکھا جائے جس طرح مراتب خلیلیہ ابراہیمیہ نے ایک جنت کے پتھر سے امتیاز پایا ہے اسی طرح مرتبہ حبیبیہ محمدیہ نے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ کی وجہ سے خصوصیت پائی

ہے۔ اگر ظاہری نظر میں بھی دنیا کی تمام اراضی اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس دنیا میں جب تک انسان پر طبیعت کثیفہ کا حجاب مانع ہے اور یہ عادت بشریہ سے مغلوب ہے۔ اصل حقیقت کا انکشاف اور آخرت کا ادراک اس سے نہیں ہو سکتا۔ اور جو کلام ثواب کی فضیلت پر استدلال کرنے سے مانع ہو سکتا ہے وہ ایسی احادیث ہیں جو جبل اُحد وغیرہ کی شان میں آئی ہیں جیسے کہ ارشاد ہوا کہ اُحد جنت کے پہاڑوں میں سے ہے اور دوسرے پہاڑ دوزخ کے پہاڑوں میں سے۔ لیکن علماء میں سے کسی شخص نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ اُحد کے قریب کی عبادت جنت میں پہنچائے گی اور کسی دوسرے پہاڑ کی قربت جہنم کو۔ آخرت میں اُحد جنت کے دروازہ پر ہوگا اور دوسرے پہاڑ جہنم کے کنارہ پر۔ اس مقام پر دل میں یہ وسوسہ نہیں آنا چاہیے کہ احد کی ظاہری کیفیات میں جنت کی نشانیاں نہیں پائی جاتیں تو یہ خطہ جب کہ حقیقتاً جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے تو یہاں پر پیاس اور برہنگی وغیرہ بھی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ان چیزوں کا غیاب جنت کی خصوصیات میں سے ہے۔ پھر پیاس اور برہنگی اس مقام پر کیوں ہوں۔ جیسا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ لَکَ اَنْ لَّا تَجُوْعَ فِیْھَا وَلَا تَعْرٰی

ترجمہ (جنت میں نہ تم بھوکے نہ برہنہ)

تو اس کے لیے بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس ٹکڑے کو جنت سے جدا کرنے کے بعد اس سے جنت کی خصوصیات جدا کر دی گئی ہوں گی اور پھر حجر اسود اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے متعلق کیا کہا جائے گا۔ کیوں کہ ان میں بھی تو جنت کی خصوصیات موجود نہیں ہیں اور اگر کوئی یہ کہے کہ یہ اُمور شریعت سے سنے بغیر ثابت نہیں ہو سکتے۔ جب کہ اس کے مقابلہ میں رکن یمانی اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے متعلق کافی دلائل موجود ہیں۔ اس لیے ان پر ایمان لانا واجب ہو گیا اور حدیث میں ایسا نہیں ہے اس لیے میں یہ کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کی خبر کے مقابلے میں کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ رکن یمانی اور مقام ابراہیم علیہ السلام کی حقیقت کی خبر بھی ہمیں آنحضرت ﷺ ہی سے معلوم ہے

اسی طرح روضہ شریف اور منبر شریف کی حالت بھی آپ ہی سے ظاہر ہوئی ہے۔ اگر مقام ابراہیم وغیرہ میں کوئی تاویل کی جائے تو یہاں بھی اس کی گنجائش ہے۔ اور اگر مقام میں حقیقی معنے لیے جائیں تو ہمیں یہاں بھی ویسا ہی کرنا پڑے لہٰذا فرق کی کوئی وجہ نہیں ہے واللہ اعلم۔

باب نہم

مسجد قبا کی بنیاد ڈالنے کا بیان اور اُن مساجد کا ذکر جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص ہیں اور مشاہدہ گاہِ انوارِ مصطفوی ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین)

آنحضرت ﷺ کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری کا ذکر پہلے ہی آ چکا ہے کہ مدینہ مبارک میں داخل ہونے سے پیشتر آنحضرت ﷺ کا نزول بنی عمرو بن عوف کے پاس ہوا تھا جو قبا کے باشندے تھے۔ آپ نے تین دن باختلاف روایات تین دن سے زیادہ اسی جگہ قیام فرما کر مسجد قبا کی بنیاد ڈالی اور ایک روایت میں ہے کہ خود اہل قبا نے یہ درخواست کی تھی کہ ہم لوگوں کے لیے ایک مسجد بنوا دیجیے۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم کیا کہ تم میں سے ایک شخص ہمارے ناقہ پر سوار ہو کر اسے پھرائے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور ناقہ کی پشت پر بیٹھ گئے لیکن اونٹنی اپنی جگہ سے نہ اٹھی اس کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ سوار ہوئے یہ پھر بھی نہ اٹھی اُس کے بعد علی مرتضے رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر اپنا پیر رکاب میں رکھا ہی تھا کہ اونٹنی کھڑی ہو گئی آپ نے فرمایا کہ اس کی لگام کو چھوڑ دو یہ حکم کی گئی ہے جس طرف بھی گھومے گھومنے دو۔ آخرکار اونٹنی کی سیر پر مسجد قبا تعمیر فرمائی اہل قبا کو حکم دیا کہ پتھر جمع کرو۔ آپ نے اپنی چوب دستی سے قبلہ کے تعین کے لیے ایک خط کھینچا اور اپنے دستِ اقدس سے ایک پتھر بنیاد میں رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ ہر شخص ایک ایک پتھر ترتیب سے رکھے اور بعض روایتوں میں جو آیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آ کر قبلہ کا تعین کیا تھا تو یہ شاید دوسری تعمیر میں ہوا ہو جو تحویل قبلہ کے بعد واقع ہوئی تھی۔ پہلی تعمیر کے زمانے میں تو قبلہ بیت المقدس کی جانب تھا۔ ثقہ روایتوں سے یہ بھی

ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ اس مسجد کی تعمیر کے لیے خود بذات شریف پتھر ڈھوتے تھے اور آیہ قرآنی

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ۔

ترجمہ (البتہ مسجد وہ ہے کہ جس کی بنیاد رکھی گئی ہے تقوے پر پہلے دن سے)

کا نزول بقول اکثر مفسرین مسجد قبا کی شان میں ہے۔ دین اسلام میں یہی پہلی مسجد تعمیر ہوئی ہے اس مسجد کو متعلقین کے لیے یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی ہے۔

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝

ترجمہ (اس مسجد میں بہت سے مرد ہیں جو طہارت کو محبوب رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ طاہرین کو محبوب رکھتے ہیں)

آپ نے فرمایا کہ اے بنی عمرو تم کیا عمل کرتے ہو کہ اس قدر تعریف کے مستحق ہو گئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم کوئی عمل نہیں جانتے سوائے اس بات کے کہ ہم ڈھیلہ استعمال کرنے کے بعد پانی سے مزید طہارت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس منقبت کا یہی سبب ہے اس لیے اس عمل کو اپنے لیے لازم کرلو۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس مسجد سے مراد مسجد اعظم نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے بعض حدیثیں بھی اس قول کی تائید میں وارد ہوئی ہیں لیکن حق بات یہ ہے کہ اس آیت کا مضمون دونوں مسجدوں پر صادق آتا ہے اور ممکن ہے کہ دونوں ہی مراد ہوں۔ جیسا کہ بعض علماء حدیث کے کلام میں اسی طرف اشارہ ہے واللہ اعلم۔

امام احمد ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت آنحضرت ﷺ کے پاس آئی آپ نے فرمایا کہ مسجد تقوٰی کی طرف جاؤ ان کے پیچھے آپ بھی اس طرح تشریف لے گئے کہ آپ کے دونوں دست مبارک ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے۔ یہ حدیث اس بات کی تائید کرتی ہے کہ مسجد تقوٰی مسجد قبا ہی کا نام ہے۔

امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ فرمایا نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے وہ مسجد جس کی بنیاد تقوے پر ہے وہ اوّل دن سے مسجد قبا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اُس مسجد میں بہت سے مرد ہیں جو طہارت کو محبوب رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ دوست رکھتے ہیں پاکوں کو۔ صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبا کی زیارت کے لیے کبھی سوار اور کبھی پیادہ پا تشریف لے جاتے تھے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ایک دوسری روایت آئی ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ سوار اور پیدل مسجد قبا میں تشریف لایا کرتے تھے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ ابن شیبہ نے دوشنبہ کے دن بھی روایت کی ہے۔ محمد بن المنکدر سے روایت ہے کہ آنحضرت رمضان کی سترہ تاریخ صبح کو قبا میں تشریف لایا کرتے تھے۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد قبا کی زیارت کو آئے۔ کسی شخص کو وہاں پر نہ پایا فرمایا قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا ہے کہ اپنے اصحاب کے ہمراہ اس مسجد کی تعمیر کے لیے پتھر ڈھوتے تھے خدا کی قسم اگر یہ مسجد اطراف عالم کے کسی دور دراز گوشہ میں بھی ہوتی تو ہم اپنے اونٹوں کے کلیجے اس کی طلب میں فنا کر دیتے اس کے بعد آپ نے خرمہ کی شاخیں منگائیں اور اس سے ایک جھاڑو باندھا اور کوڑا کرکٹ مسجد سے صاف کیا۔ لوگوں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! کیا ہم کافی نہیں ہیں یہ خدمت ہمیں دیجیے۔ آپ نے فرمایا واللہ تم کافی نہیں ہو۔

ابن زبال زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

الحمد لله الذی قرب منا مسجد قبا ولو کان با فق من الافاق

نضرب الیه اکباد الابل

ترجمہ (اللہ کا شکر ہے کہ قریب کر دیا ہم سے مسجد قبا کو۔ اگر یہ دنیا کے کسی گوشہ میں ہوتی تو ہم اس کے لیے اونٹوں کے جگر کو مارتے)

اور صحیح سندوں کے ساتھ متعدد طرق سے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مسجد قبا میں دو رکعت ادا کرنا میرے نزدیک اس بات سے

زیادہ محبوب ہے کہ دو مرتبہ بیت المقدس کی زیارت کروں اور کہا کہ اگر تم یہ جان لو کہ اس مسجد میں کیا بھید پوشیدہ ہیں تو اس کی زیارت کے لیے ہر امکانی کوشش کیا کرو۔ اور اسی طرح سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ حدیث میں ہے:

من صلی فی مساجد الاربعۃ غفرلہ ذنوبہ۔

ترجمہ (جس نے نماز پڑھی چار مسجدوں میں بخش دیے جائیں گے گناہ اُس کے)

چار مسجدوں سے مراد مسجد حرام۔ مسجد نبوی ﷺ۔ مسجد اقصےٰ اور مسجد قبا ہے۔

ترمذی شریف کی حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

الصلوٰۃ فی مسجد قبا کعمرۃ

ترجمہ (نماز پڑھنا مسجد قبا میں عمرہ کے برابر ہے)

اور انہیں معنوں کی اور بہت سی حدیثیں ہیں اور بعض طرق میں چار رکعت کی تصریح آئی ہے اور صحن میں جو چبوترہ ہے کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی اونٹنی یہیں بیٹھی تھی اور سمہودی نے کہا ہے کہ ابن جبیر کی بات کے علاوہ اس کلام کی اصلیت مجھے نہیں ملی لیکن لوگوں میں مشہور یہی بات ہے۔ مسجد قبا کا طول و عرض چھیاسٹھ گز بیان کیا جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ اس کا وہ حصہ جو منارہ کی جانب ہے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے اضافہ میں سے ہے۔ عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے مسجد اعظم نبوی کی تعمیر کے ساتھ اس کی تعمیر میں بھی تکلف کیا تھا جو طول زمانہ کے سبب سے منہدم ہو گیا اس کے بعد دنیا کے سلاطین و امراء نے یکے بعد دیگرے اس کی تجدید کی اور وہ چیز جس کی وجہ سے اس مسجد شریف میں تبرک لازم ہے۔ سعد بن خیثمہ کا گھر ہے یہ بجانب قبلہ تھا۔ اس کے پہلے دروازے میں مکان کے صحن کی جانب مسجد بھی تھی جو بند کر دی گئی۔ آنحضرت ﷺ کا مصلا تیسرے ستون کے نزدیک ہے۔ جب کہ اس کے قدیمی راستے سے آیا جائے۔ مسجد کے غربی رکن کے قبلے میں ایک مقام ہے اس کو مسجد علی کہتے ہیں۔ سمہودی کہتے ہیں کہ یہ مسجد وہی سعد ابن خیثمہ کا گھر ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے آرام فرمایا وضو کیا اور نماز پڑھی ہے۔ بیر اریس بھی مسجد قبا کے قریب ہے۔ متبرک کنوؤں کے ذکر میں اس کا بیان کیا جائے گا۔

مسجد ضرار

انصار کے ہم نشینوں کی ایک جماعت جو کفر ونفاق کے مرض میں گرفتار تھی اس نے مسجد قبا کے مقابلے میں یہ مسجد بنائی تھی چونکہ اس کی تعمیر میں ان کے اغراض فاسدہ شامل تھے۔ اس لیے آیہ کریمہ نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا الاية

ترجمہ (اور وہ لوگ کہ جنھوں نے مسجد ضرار بہ نیت کفر بنائی آخر تک)

بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ابو عامر نے منافقین سے کہا کہ تم ایک مسجد تعمیر کرو اور محمد ﷺ کو کسی حیلے سے نگاہ میں رکھے رہو میں قیصر روم کے پاس جاتا ہوں اور وہاں سے ایک بڑی فوج لا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کو نکال دوں گا۔ یہ لوگ مسجد کی تعمیر سے فراغت پا کر سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہم نے ایک مسجد بنائی ہے اور اس کی تکمیل سے فارغ ہو چکے ہیں اگر آپ اپنے اصحاب کے ساتھ اس مسجد میں نماز ادا فرمائیں تو اس کی برکت وسعادت کا سبب ہو۔ وحی آئی

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ الى قوله وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ

ترجمہ (آپ اس مسجد میں کبھی نماز نہ پڑھیں بے شک وہ مسجد کہ جس کی بنیاد اول دن سے تقوے کے اوپر ہے۔ زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں اور اللہ تعالیٰ قوم ظالمین کو ہدایت نہیں کرتے ہیں)۔

بعضوں نے یہ بیان کیا ہے کہ جس جگہ مسجد قبا کی بنیاد واقع ہوئی ہے وہ جگہ ایک عورت کی ملکیت تھی اس کا نام لینہ تھا۔ اس کا ایک گدھا تھا جو اس مسجد شریف کی جگہ میں باندھا جاتا تھا۔ مسجد ضرار والوں نے کہا کہ ہم لینہ کے گدھے کی سار میں نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے۔ ہم اپنے لیے ایک دوسری مسجد تعمیر کریں گے تاکہ جب ابو عامر آ جائے تو ہمارا امام بنے۔ ابو عامر ایک کافر تھا جو خدا ورسول سے بھاگ کر اہل مکہ سے جا ملا تھا۔ اس کے

بعد ملک شام چلا گیا اور وہاں عیسائی ہو گیا اور اسی مذہب میں جہنم واصل ہوا۔ آخر کار بحکم خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مسجد ضرار کو آگ لگا کر ویران کر دیا۔

طبری نے کسی عالم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے مسجد ضرار کو جعفر منصور کے زمانے میں دیکھا کہ اس سے دھواں نکلتا تھا۔ اس وقت اُس مسجد کے کوئی آثار موجود نہ تھے اور اس کا کوئی مقام معین نہ تھا۔ لیکن یہ مسجد قبا کے اطراف ہی میں تھی۔ واللہ اعلم۔

مسجد الجمعہ

اس کو مسجد الوادی اور مسجد عاتکہ بھی کہتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے تذکرہ میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جب جمعہ کے دن حضور پُر نور ﷺ قبا سے مدینہ منورہ کو متوجہ ہوئے۔ ابھی آپ قبیلہ بنی سالم بن عوف میں پہنچے ہی تھے کہ جمعہ کی نماز کا وقت آ گیا۔ آپ نے جمعہ کی نماز اسی مقام میں ادا فرمائی۔ تشریف آوری مدینہ منورہ کے بعد جو سب سے پہلا جمعہ قائم ہوا وہ یہی تھا۔ اس مسجد کے قریب ایک وادی ہے بنی عوف کے مکانات اس وادی کے غربی جانب واقع تھے۔ ان کے مکانوں کے نشانات ابھی تک باقی ہیں۔ عتبان بن مالک کا مکان بھی اس وادی میں تھا۔ عتبان کا قصہ بخاری میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا یا رسول اللہ میری نگاہ کمزور ہو گئی ہے جس کی وجہ سے کثرت بارش کے دوران جب سیلاب آ جاتا ہے تو میں بینائی کی کمی کے سبب قبیلہ کی مسجد میں لوگوں کے ساتھ نماز با جماعت نہیں ادا کر سکتا۔ آپ میرے مکان میں تشریف لے چلیں اور وہاں نماز ادا فرمائیں تاکہ میں اس مقام کو اپنے لیے نماز کی جگہ بنالوں اور ضرورت کے وقت وہیں نماز ادا کر لیا کروں۔

بعض علمائے تاریخ نے فرمایا ہے کہ بنی سالم میں دو مسجدیں تھیں ایک تو یہی اور دوسری جمعہ مسجد۔ ان دونوں مسجدوں میں مذکورۂ بالا مسجد چھوٹی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ بڑی مسجد ہو جو حدیث میں مشہور ہے۔ اس مسجد کی قدیم عمارت منہدم ہو گئی تھی ۹۰۰ ہجری میں بعض نجیبوں نے اس کی تجدید کرا دی تھی اس میں ایک چھت ہے ایک احاطہ ہے۔ اس کا طول قبلہ سے

شام تک بیس گز اور عرض شرق سے غرب تک ساڑھے سولہ گز ہے۔

مسجد الفضیخ

اب اس کو مسجد الشمس کہتے ہیں۔ مسجد قبا کے قریب یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے جو مسجد قبا سے مشرقی جانب ایک بلند مقام پر سیاہ پتھروں سے بنی ہوئی ہے اس کی چھت ندارد ہے۔ مربع گیارہ در گیارہ گز ہے۔ جس وقت حضور ﷺ نے بنی النضیر کا محاصرہ کیا تھا اور ان کے قریب خیمہ لگایا تھا تو چھ روز تک اسی مسجد کی جگہ پر نماز ادا فرمائی تھی۔ اس کے بعد وہاں مسجد تعمیر کی گئی۔ ابن شیبہ اور ابن زبالہ بیان کرتے ہیں کہ ابوایوب اور انصار کی ایک جماعت اس مسجد کی جگہ پر بیٹھ کر فضیخ استعمال کیا کرتے تھے۔ (یہ ایک پینے کی چیز ہے) جب شراب کی حرمت کے لیے آیت نازل ہوگئی تو اس خبر کو سن کر مشکیزہ کا منہ کھول دیا اور مشک میں جتنی فضیخ تھی اسی مقام پر گرادی۔ اس وجہ سے اس کو مسجد فضیخ کہتے ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ شاید یہ قصہ مسجد کی تعمیر سے پہلے کا ہو۔ یا شراب کی نجاست کا علم اس کے بعد حاصل ہوا ہو۔ امام احمد اپنی مسند میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ اسی مقام پر آنحضرت ﷺ کے پاس فضیخ کا ایک کوزہ لایا گیا تھا جس کو آپ نے نوش فرمایا تھا۔ اسی سبب سے اس کو مسجد فضیخ کہتے ہیں۔ بعض علماء اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

شیخ مجدالدین فیروز آبادی کہتے ہیں کہ مسجد شمس کے ساتھ اس مسجد کی شہرت کا کوئی ظاہری سبب نہیں ہے۔ اس کے قریب جو مکانات بنے ہوئے ہیں ان کی جگہ بلند ہے اس بلندی کی وجہ سے جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کے اوپر پہلے نمودار ہوتا ہے اس وجہ سے اس کو مسجد الشمس کہتے ہیں۔ اور شیخ ہی نے یہ بھی کہا ہے کہ ایسا گمان نہیں کرنا چاہیے کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے آفتاب کو واپس لوٹایا گیا تھا کیونکہ واپسی آفتاب کا قصہ صہبا میں ہوا ہے اور صہبا خیبر کے شہروں میں سے ہے جس طرح قاضی عیاض نے اس کی تشریح کی ہے۔ اعادہ شمس کی حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے حسن ثابت ہوئی ہے اور اس حدیث کے متعدد طرق ہیں۔ طحاوی نے اس کی

تصحیح کی ہے۔لیکن ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔شیخ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ ابن جوزی نے غلطی کی ہے جو اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔

مسجد بنی قریظہ

یہ مسجد مسجد شمس کے شرقی جانب حرہ شرقیہ کے نزدیک باغات کی انتہا پر واقع ہے۔ جس وقت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کا (جو یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا) محاصرہ کیا تھا تو آپ نے اسی جگہ نزول فرمایا ایک روایت میں آیا ہے کہ اس مقام کے پڑوس میں ایک عورت کا مکان تھا آنحضرت ﷺ نے اس میں نماز ادا فرمائی تھی۔ ولید ابن عبدالملک نے مسجد کی تعمیر کے وقت اس مکان کو بھی مسجد بنی قریظہ میں داخل کر دیا۔ یہ مقام مسجد کے غربی شمالی گوشہ میں ہے۔قدیم عمارت میں اُس جگہ پر مسجد قبا کے منارے جیسا ایک منارہ تھا جو استداد زمانہ کے ہاتھوں منہدم ہو گیا۔ ۹۱۰ ہجری تک اس کے آثار موجود تھے اُس کے بعد اُس جگہ آدمی کے نصف قد کے برابر ایک چبوترہ بنا دیا گیا۔ جو اس وقت بھی موجود ہے۔ اس مسجد کی قدیم عمارت اپنی وضع، چھت، ستون اور منارہ کی بناوٹ میں مسجد قبا جیسی تھی۔ اس وقت صرف ایک احاطہ موجود ہے جو قبلہ سے شام تک چالیس گز اور مشرق سے مغرب کی جانب ۴۳ گز ہے۔

بنی قریظہ کے محاصرہ کا قصہ یہ ہے کہ جب سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق سے فراغت فرما کر مدینہ منورہ کو واپس تشریف لائے ابھی آپ غسل خانہ ہی میں بیٹھے ہوئے تھے اور سر مبارک میں ایک طرف کنگھا فرما کر یہ چاہتے تھے کہ پورا غسل کر کے تکان دور کریں کہ اچانک جبرئیل علیہ السلام گھوڑے پر سوار ایک گرد آلودہ زرہ پہنے ہوئے سلطان الانبیاء کے دروازہ پر پہنچے اور عرض کیا کہ ابھی تک فرشتوں نے بدن سے ہتھیار نہیں کھولے ہیں۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ پاؤں رکاب میں رکھیے اور بنو قریظہ پر حملہ کر دیجیے۔ میں بھی وہیں چلتا ہوں تا کہ ان کو اُن کے مکانوں سے باہر کیا جائے اور انہیں اچھی طرح سے جھنجوڑ دیا جائے تا کہ وہ سست اور بزدل ہو جائیں۔

جبرئیل علیہ السلام یہ خبر پہنچا کر واپس ہوئے۔ کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں

ملائکہ کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے گرد بلند ہو رہی تھی لیکن کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا تھا آپ نے حکم فرمایا کہ بلال با آواز بلند لوگوں کو آگاہ کر دیں کہ جو شخص اللہ کے حکم کو سن کر اطاعت کرے وہ عصر کی نماز بنی قریظہ میں پڑھے اور علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کو اپنا خاص جھنڈا دے کر انہیں لشکر اسلام کا پیش رو بنا دیا اور پچیس روز تک بنو قریظہ کو محاصرہ میں رکھا یہاں تک کہ وہ عاجز ہو گئے اور ان کے دلوں پر ایک رعب بیٹھ گیا۔ آخر کار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ پر جو اس قوم کے حلیف تھے قلعہ سے باہر آ گئے بنو قریظہ نے یہ کہا تھا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو کچھ فیصلہ کریں گے ہم اس پر راضی ہیں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے غزوۂ خندق میں ایک تیر لگا تھا جس کی وجہ سے اب تک ان کے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ سعد بن معاذ کو حاضر کرو۔ ان کے زخم سے جو خون بہتا تھا رک گیا۔ سعد بن معاذ جب مجلس میں آئے تو سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ سے فرمایا کہ قوموا السید کم۔ یعنی کھڑے ہو جاؤ اپنے سردار کی اعانت کے لیے بعض علماء نے اس قول سے مہمان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جانے کی دلیل پکڑی ہے۔ لیکن علمائے محققین یہ کہتے ہیں کہ یہ قیام آنے والے کی تعظیم کا نہ تھا بلکہ اس لیے تھا کہ سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ خود بخود سواری سے اُتر آتے۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ اٹھو اور ان کو اُتار لو اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے حکم کو اس جماعت کے لیے مخصوص کر دیا تھا یہ حکم تمام حاضرین کے لیے نہ تھا۔ گویا یہ سعد بن معاذ کے فیصلے کو ماننے کے لیے تمہید تھی جو ان لوگوں کے لیے سعد بن معاذ کرنے والے تھے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اے سعد بنی قریظہ کے متعلق کیا فیصلہ کرتے ہو۔ سعد نے کہا میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کا مال مجاہدین پر تقسیم کر دیا جائے۔ عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ کی شان میں فرمایا کہ بے شک تم نے ٹھیک وہ فیصلہ کیا جو آسمانوں کے سات پردوں سے نازل ہوا ہے۔ چھ سو آدمی اور ایک روایت میں ہے کہ کچھ کم زائد کی مدینہ کے بازار میں گردنیں جدا کی گئیں۔ اور انا الضحوك القتول

کا بھید بھی دیت کی تجلی سے ظاہر ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے غضب سے بچائیں۔

مسجد مشربہ ام ابراہیم

یہ مسجد بنی قریظہ کے شمالی جانب حرہ شرقیہ کے نزدیک نخیل کے درمیان واقع ہے۔ جنگل میں ایک احاطہ بغیر چھت کا ہے۔ یہ قبلہ سے شام کی جانب گیارہ گز اور شرقاً غرباً چودہ گز ہے۔ آنحضرت ﷺ نے وہاں پر نماز ادا فرمائی ہے۔ مشربہ سے مراد باغ اور ام ابراہیم سے مراد ماریہ قبطیہ (والدہ ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ ان کا یہاں پر ایک باغ تھا اور پیدائش سیدنا ابراہیم کی بھی وہیں پر ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کے صدقات یہاں پر تھے جو فقراء کے لیے آپ نے وقف فرمائے تھے۔ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ماریہ قبطیہ نہایت ہی جمیل تھیں۔ آنحضرت ﷺ کو ان کے ساتھ بہت دلچسپی تھی سب سے پہلے آپ نے ان کو حارثہ بن نعمان کے گھر میں رکھا۔ مجھے ان کے ساتھ رہنے میں غیرت آتی تھی۔ اس لیے عوالئ مدینہ میں اس جگہ جہاں پر یہ مسجد ہے ان کو لے گئے اور وہاں کبھی کبھی ان کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ مجھ پر یہ بات پہلے سے بھی سخت ہوئی۔ پھر حق سبحانہٗ نے ان کو ایک لڑکا عطا کیا اور ہم اس نعمت سے محروم رہے۔ جس وقت آنحضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ماریہ قبطیہ کے ہمراہ تھے۔ ماریہ قبطیہ کے قصے کی یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی اس آیت کا شان نزول یہی قصہ ہے جو مشہور ہے۔

مسجد بنی ظفر

اب اس کو مسجد بغلہ کہتے ہیں اور عوام الناس سفرہ پیغمبر کہتے ہیں۔ یہ بقیع کے شرقی جانب اس قبا کے راستہ سے ہے جو فاطمہ بنت اسد اُم امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بنی ظفر کے محلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں ابن مسعود اور معاذ بن جبل وغیرہ شامل تھے پہنچ کر نماز ادا فرمائی تھی۔ وہاں پر ایک پتھر رکھا تھا۔ آپ اس پر بیٹھے اور قاری کو

حکم فرمایا کہ قرآن پڑھے جب قاری اس آیت پر پہنچا

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا

ترجمہ (پس کیا حال ہوگا جب کہ ہم ہر امت سے گواہ کو لائیں گے اور آپ کو ان سب کے اوپر گواہ بنائیں گے)

سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے اور فرمایا کہ خداوندا میں جن لوگوں میں موجود ہوں ان کا گواہ ہوں اور جن لوگوں کو میں نے نہیں دیکھا ہے ان کو میں کیا جان سکتا ہوں۔

بعض علمائے تاریخ نے لکھا ہے کہ جس عورت کا حمل قرار نہ پاتا ہو اگر وہ اس پتھر پر بیٹھے تو حمل قرار پا جائے۔ اس کی یہ خصوصیت عہد مدینہ میں زمانہ قدیم سے عہد موجود تک شہرت کے درجے کو پہنچی ہوئی ہے۔ مطری کہتے ہیں کہ اس حرہ میں جو اس مسجد کے قبلہ جانب واقع ہے کئی پتھر ایسے ہیں جن کے اوپر نشانات ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ نشانات آنحضرت ﷺ کے خچر کے کھر کے ہیں۔ ایک پتھر پر کہنی کا نشان ہے کہتے ہیں کہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پتھر پر ٹیک فرما کر کہنی مبارک رکھی تھی ایک دوسرے پتھر پہ انگلیوں کے نشانات ہیں لوگ ان تمام پتھروں سے برکات حاصل کرتے ہیں اور اسی محراب میں ایک ایسا پتھر ہے جس پر لکھا ہے: خلد اللہ ملك الامام ابی جعفر المنصور المستنصر باللہ امیر المؤمنین عمر سن ثلثین ثمانیة۔

مسجد الاجابۃ

یہ بقیع کے شمالی جانب واقع ہے۔ جس جگہ شہداء کی قبور کا احاطہ ہے۔ اگر آپ اس طرف چلیں تو یہ مسجد بائیں جانب پڑے گی۔ بقیع میں یہ مسجد زمین پر واقع ہے۔ اس کا طول اور عرض قبلہ سے شام کی جانب تقریباً بیس گز اور شرقاً غرباً تقریباً پچیس گز ہے اس کو مسجد بنی معاویہ بھی کہتے ہیں۔ بنی معاویہ اس کا ایک قبیلہ تھا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم عوالئے مدینہ سے تشریف لا رہے تھے کہ آپ کا گزر بنی معاویہ کی مسجد میں ہوا۔ آپ نے اس میں دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ آپ کے ساتھ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے بھی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد آپ نے نہایت لمبی دعا کی۔ جب

آپ واپس ہونے لگے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے تین دعائیں کیں مجملہ ان کے دو قبول ہو گئیں اور ایک کے لیے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا۔ میں نے دعا کی کہ میری اُمت کو قحط کی بلا سے نہ مارا جائے قبول کر لی گئی۔ دوسری دعا یہ تھی کہ ان کو غرقابی سے ہلاک نہ کیا جائے یہ دعا بھی قبول کر لی گئی۔ تیسری یہ تھی کہ میری اُمت آپس میں خانہ جنگی نہ کرے۔ مجھے اس دعاہ سے منع کر دیا گیا اور یہ دعا قبول نہیں کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری اُمت کی ہلاکت تلوار کے تحت ہو گی۔

آنحضرت ﷺ نے دعاؤں کے قبول ہونے کی وجہ سے اس مسجد کو مسجد الاجابۃ کہتے ہیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ نے مؤطا میں ان تینوں دعاؤں میں غرقابی سے ہلاکت والی دعا کا ذکر نہیں کیا ہے۔ آپ نے اس کی جگہ اس دعا کا ذکر کیا ہے کہ ان پر کافروں کو غلبہ نہ حاصل ہو۔ سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز ادا کی اور کھڑے ہو کر دعا فرمائی۔ محمد ابن طلحہ کی روایت ہے کہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا مصلیٰ محراب کے دائیں جانب دو گز کے فاصلے پر تھا جو ذوق، لذت اور نور مشغولی عبادت کے بعد دعا، استغراق، حضور ﷺ کے ذکر اور اس مسجد سے باہر آنے پر یکا یک قبر شریف پر نظر پڑ جانے سے اس کے مشتاقوں کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کی صحیح کیفیت کا علم اس میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ فرقت اور جدائی کی گھڑیوں کو ان اوقات بابرکات کی حمایت میں رکھے اور پھر دوبارہ ان لذات وحالات کو ہمیں میسر کرے آمین[1]۔

مسجد طریق السافلہ

جب آپ سید الشہدا حمزہ بن عبدالمطلب کے مشہد کو تشریف لے جائیں تو یہ مسجد شرقی راستے کے داہنی جانب پڑے گی۔ یہ مسجد ابی ذر غفاری کے نام سے بھی مشہور ہے۔ بیہقی شعب الایمان میں عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کرتے ہیں کہ مسجد نبوی ﷺ کے صحن میں لیٹا ہوا تھا ناگاہ آنحضرت ﷺ صحن سے متصل دروازے سے باہر تشریف لے

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ (صاحب تصنیف ہذا) نے ایک عرصہ مدینہ منورہ میں گزارا تھا اس کے بعد اپنے پیر کے حکم سے ہندوستان واپس تشریف لائے۔ یہ عبارت اسی دور مفارقت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

چلے میں بھی حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ آپ اسواف کے ایک باغ میں گئے۔ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی۔ آپ نے نماز کے بعد ایک نہایت ہی طولانی سجدہ ادا کیا۔ میں نے خیال کیا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح پاک کو علیین میں بلا لیا ہے۔ اس خیال اور حالت کے مشاہدہ سے مجھ کو رونا آ گیا۔ کچھ دیر بعد آپ نے سر مبارک اُوپر اُٹھایا اور فرمایا۔ کیا ہوا؟ تو کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اتنا لمبا سجدہ فرمایا کہ مجھ کو خوف ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے شاید آپ کی روح پُر فتوح کو آسمان پر بلا لیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دربار خداوندی سے جبریل علیہ السلام یہ وحی لائے کہ آپ کا پروردگار فرماتا ہے جو شخص آپ پر درود بھیجے میں اس پر درود بھیجتا ہوں۔ اور جو شخص آپ پر سلام بھیجے میں اس پر سلام بھیجتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص آپ پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اس کے لیے دس نیکیاں لکھتا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ دس صلوٰۃ بھیجتا ہوں۔ میں نے اپنے پروردگار کی اس نعمت پر اس کا سجدہ شکر ادا کیا۔

بیہقی حاکم سے روایت ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور سجدۂ شکر کے متعلق اس سے صحیح تر ایک اور حدیث وارد ہوئی ہے۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے سجدہ شکر کا تذکرہ بغیر نماز کے کیا ہے۔ یہ مسجد چھوٹی ہے اور اس کا طول اور عرض صرف آٹھ گز ہے۔

مسجد البقیع

جب کوئی شخص بقیع کے دروازے سے باہر نکلے تو یہ مسجد داہنے ہاتھ پر پڑے گی۔ مشہد عقیل اور امہات المومنین کے مزارات غربی جانب ہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بعضے علماء کو اس مسجد کے متعلق کوئی قوی سند نہیں ملی ہے۔ اس لیے بعض یہ کہتے ہیں کہ شاید یہی وہ مقام ہے جو بقیع میں حضور ﷺ کی عید کا مصلےٰ قرار پایا تھا اور سمہودی بعضے علامات اور دلائل پر نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بظاہر یہ ابی بن کعب کی مسجد ہے۔ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اکثر اوقات تشریف لاتے رہتے تھے۔ اور نماز بھی ادا فرماتے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر لوگوں کی واپسی کا خوف نہ ہو تو میں اکثر اوقات اسی میں

نماز ادا کروں۔ واللہ اعلم۔

مصلی العید

یہ مدینہ منورہ سے باہر ہے۔ مصری دروازہ کے غربی جانب اس جگہ پر جہاں سے مکہ معظمہ کا قافلہ آتا ہے یہ مسجد وہیں پر واقع ہے۔ ۲ھ میں مدینہ منورہ کی تشریف آوری کے بعد پہلی مرتبہ عید کی نماز آنحضرت ﷺ نے یہیں پڑھی تھی۔ ابن زبالہ ابی ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں جس جگہ پہلی بار عید الفطر اور عید الاضحیٰ ادا فرمائی وہ جگہ حکیم بن العدا کے مکان کے قریب تھی۔ بعض اصحاب تاریخ بیان کرتے ہیں کہ باب السلام سے اس کا فاصلہ ہزار گز کا ہے۔ اب وہاں پر ایک مسجد ہے جو مصلاّ کے نام سے مشہور ہے۔ اور سمہودی دلائل وعلامات پر نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غالباً یہ وہ ہی مسجد ہے جس کو مسجد علی کہتے ہیں۔ پہلے زمانہ میں مدینہ منورہ کا بازار اسی مقام پر تھا اور حکیم ابن العدا کا مکان بھی اسی جگہ تھا۔ واللہ اعلم۔

اسی مقام پر ایک دوسری مسجد بھی ہے جس کو مسجد ابوبکر کہتے ہیں۔ یہ بھی منہدم ہوگئی تھی لیکن مدینہ کے شیخ الحرم نے اس زمانے میں اس کی تجدید کر کے دوبارہ نہایت صاف ستھری بنادی ہے۔ اس کے گرداگرد رہاط تعمیر کر کے پانی بھی جاری کر دیا ہے۔ اور اس کے اطراف کو سبزہ زار بنادیا ہے۔ اس مسجد کے قریب ہی ایک پرانا باغ تھا جو عریضہ کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے کچھ آثار اب بھی باقی ہیں دوسری مسجد علی ہے جو اسی کے قریب واقع ہے بعضے عجمیوں نے اس کی بھی تجدید کرادی ہے۔ یہ ایک بڑی مسجد ہے اور اس کا صحن بہت ہی کشادہ ہے۔ کہتے ہیں علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کے زمانے میں اپنے گھر سے نکل کر اسی مقام پر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اور عید کی نماز بھی یہیں ادا کی تھی۔ اور سمہودی اس مسجد کو آنحضرت ﷺ کا مصلائے عید قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ علی مرتضےٰ کا اس جگہ نماز ادا فرمانا حصول برکت کے خیال سے تھا۔ کیونکہ یہ مقام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلائے عید سے تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مصلائے عید کی کوئی عمارت نہ تھی۔ بلکہ آپ نے اس کی تعمیر سے منع فرمادیا

تھا۔ خطبہ عید بھی منبر پر نہیں پڑھا جاتا تھا۔ پہلا شخص جس نے عید کے خطبہ کے لیے منبر بنایا، مروان بن الحکم تھا۔ لیکن جیسا کہ شیخ ابن حجر عسقلانی نے بعض حدیثوں سے استنباط کیا ہے۔ اور ابن شیبہ بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے منبر پر خطبہ دیا۔ اور ترمذی کی روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے استقا کی نماز مصلا پر ادا فرمائی اور منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھا۔ بعضے علماء کہتے ہیں کہ ممکن ہے استقاء کو منبر کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہو۔ تا کہ عام لوگوں کو چادر کی تحویل اور رفع یدین وغیرہ کو جو نماز استقا کی خصوصیات میں داخل ہیں دکھلایا جا سکے۔ جس کے بعد عید کے خطبہ کے لیے منبر کا بنانا اسی پر قیاس کر لیا گیا ہو واللہ اعلم۔

سید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ یہ ظاہر ہے کہ ان تینوں مساجد کی تعمیر عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ہوئی۔ مصلا شریف کی فضیلت اور اس کے قریب دعا کی اجابت میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں حدیث: ما بین بیتی و مصلای روضۃ من ریاض الجنۃ۔ ترجمہ (جو فاصلہ کہ میرے مکان اور میرے مصلےٰ کے درمیان میں ہے وہ ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے) بھی اسی قبیل سے ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں مقاموں کے درمیان کی فضیلت میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے یہ اس وجہ سے کہ یہاں سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر و بیشتر ورود ہوتا رہتا تھا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس تشریف لایا کرتے تھے تو اسی مصلا پر رو بقبلہ کھڑے ہو کر دعا کرتے تھے۔ نجاشی شاہ حبشہ کے جنازہ کی نماز بھی آپ نے اسی مصلےٰ پر پڑھی تھی۔ سعید بن المسیب کی روایت کے مطابق بھی یہی وہ جگہ تھی۔

مسجد الفتح

دوسری مسجدیں جو اس کے قبلہ کی جانب ہیں۔ ان سب کو مساجد فتح کہتے ہیں لیکن عوام الناس ان کو اربع مساجد کہتے ہیں۔ مسجد الفتح وہی مسجد ہے جو بلند ہے اور سلع پہاڑ کے غربی قطعہ پر واقع ہے۔ شرقی وشمالی جانب اس میں چند درجے ہیں اس کو مسجد الاحزاب ومسجد اعلیٰ بھی کہتے ہیں۔ احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ثقہ لوگوں کی روایت سے جابر بن

عبداللہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد فتح میں متواتر تین روز تک دعا کی۔ دوشنبہ۔ سہ شنبہ اور چہار شنبہ۔ چہار شنبہ کے دن دو نمازوں کے درمیان میں دعا فرمائی اور قبولیت کی بشارت پائی جس کی خوشی کا اثر چہرہ انور سے ظاہر ہوتا تھا۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب مجھے کوئی سخت حاجت پیش آتی ہے تو اسی وقت میں مسجد فتح کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں اور اجابت دعا کی بشارت پاتا ہوں۔ اور دوسری روایت میں جابر رضی اللہ عنہ سے آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس جگہ تشریف لائے جہاں مسجد فتح تعمیر ہوئی ہے۔ آپ نے کھڑے ہو کر ہاتھوں کو اٹھایا اور ان کفارانِ قریش پر جو خندق کے دوسری طرف جمع ہو گئے تھے بددعا کی لیکن نماز نہیں ادا فرمائی۔ دوبارہ پھر تشریف لائے اور پھر اُسی طرح بددعا کی۔ اس بار نماز بھی ادا فرمائی۔ ابن زبالہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مسجد فتح میں احزاب کے دن بددعا فرمائی۔ اور دشمنوں کے خوف سے نماز ظہر وعصر و مغرب ادا نہ کر سکے۔ مغرب کے بعد آپ نے سب نمازوں کو پڑھا۔ روز احزاب وروز خندق ایک ہی چیز ہے اس کو غزوہ خندق وغزوہ احزاب بھی کہتے ہیں۔ یہ آخری غزوہ تھا جس میں کفار قریش مکہ سے مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے اور بہت زور باندھا تھا۔ جب مسلمان بہت زیادہ پریشان ہو گئے تو سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اُٹھ کر دعا فرمائی۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ایک تیز آندھی بھیجی کفار اس کو برداشت نہ کر سکے اور شکست کھا کر فرار ہو گئے۔ چنانچہ قرآن مجید میں سورۂ احزاب کے اندر یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اب اس کے بعد قریش مسلمانوں کے مقابل ہرگز نہ ہوں گے اور نہ کبھی حملہ آور ہوں گے۔ اسی وجہ سے اس مسجد کو مسجد فتح و مسجد احزاب کہتے ہیں۔ آثار فتح اور انوار اجابت اس مسجد کے اندر اور اس کے اطراف میں ظاہر اور ہویدا ہیں۔ اس کے داہنی جانب ایک وادی ہے جس کو سیح کہتے ہیں۔ اس میں کھجور کے درخت کثرت سے ہیں۔ اور یہ ایک پُر فضا مقام ہے۔

امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ اپنے آبائے کرام کی سند سے بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ مسجد فتح میں تشریف لائے تو ایک دو قدم چل کر کھڑے ہو گئے اور

اپنے دونوں دستِ مبارک پوری طرح سے اٹھا کر دعا کی۔ یہاں تک کہ چادر شریف آپ کے شانہ مبارک سے زمین پر گر گئی۔ آپ اسی طرح دعا میں مشغول رہے۔ متعدد روایتوں میں آیا ہے کہ آپ کے دعا کی اصل جگہ مسجد فتح میں درمیانی ستون ہے۔ سید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ چونکہ اب اس کی عمارت متغیر ہو گئی ہے اس لیے یہ چاہیے کہ مسجد کے صحن میں محراب کے مقابل کھڑا ہو۔ لیکن دوسری روایتوں کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا قیام مغرب کی جانب سے بہت ہی قریب تھا۔ آپ شمالی زینہ سے چڑھے تھے نہ شرقی سے۔ جب آپ وہاں سے دو قدم آگے بڑھیں گے تو سید انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قیام کی جگہ پر پہنچ جائیں گے۔ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی دعا یہ تھی:

اللھم لک الحمد ھدیتنی من الضلالۃ فلا مکرم لمن اھنت ولا مھین لمن اکرمت ولا معز لمن اذللت ولا مذل لمن اعززت ولا ناصر لمن خذلت ولا خاذل لمن نصرت ولا معطی لما منعت ولا مانع لما اعطیت ولا رازق لمن حرمت ولا حارم لمن رزقت ولا رافع لمن خفضت ولا خافض لمن رفعت ولا خارق لمن سترت ولا ساتر لمن خرقت ولا مقرب لمن باعدت ولا مباعد قربت یا صریخ المکروبین ویا مجیب المضطرین اکشف ھمی وغمی وکربی فقد تری حالی وحال اصحابی۔

جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ آپ کے پروردگار نے آپ کی دعا سن لی ہے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو دشمن کے حول سے محفوظ کر دیا ہے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ دو زانو بیٹھ گئے اور دونوں دست مبارک کشادہ فرمائے۔ آنکھیں نیچی کر کے کہنے لگے شکرا کما رحمتنی ورحمت اصحابی۔ بیان کرتے ہیں کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی دعا کو اس وقت پڑھا جب انہیں ہارون رشید کی جانب سے تکلیف پہنچی تھی اس کی برکت سے دشمنوں کے اس شر و آفت سے نجات پالی جس سے وہ ڈرتے تھے۔ اور معاذ

بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسجد فتح اور دیگر مساجد میں جو اس کے تحت میں ہیں نماز ادا فرمائی ہے۔ پہلی مسجد جو مسجد فتح کے قریب قبلہ کی جانب ہے اس کو مسجد سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اور جو اس مسجد کے پیچھے ہے اس کا مسجد علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نام رکھتے ہیں۔ اور وہ مسجد جو پہاڑ کی جڑ میں ہے اور سب مساجد سے چھوٹی قبلہ کی جانب ہے مسجد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہی جاتی ہے۔ لیکن ان مسجدوں کو ان حضرات کے نام سے منسوب کرنے کی وجہ نہیں معلوم ہو سکتی تاہم ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ احزاب کے دن ان حضرات کے مقامات انہیں جگہوں میں واقع ہوئے ہوں گے اور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے پاس تشریف لا کر نماز ادا فرمائی ہو گی۔ واللہ اعلم۔

ان مسجدوں کی تعمیر اصل میں عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے کی ہے۔ جب ان کی تعمیر طول زمانہ کے سبب سے منہدم ہو گئی تو سیف الدین حسین ابن ابی الہیجا جو عبید یمن کے وزراء میں سے تھا مسجد اعلیٰ کو ۵۷۵ ہجری میں اور دوسری مسجدیں جو اس کے پیچھے ہیں ان کی ۵۷۷ ہجری میں تجدید کرائی۔ اس کی تعمیر کے بعد جو مسجد علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے بوسیدہ ہو گئی تھی اس کی امیر مدینہ زین الدین ضیغم منصوری نے ۸۷۶ ہجری میں تجدید کی۔ لیکن جو مسجد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام سے منسوب کی جاتی تھی اس کو قدماء اور متاخرین میں سے کسی نے ہاتھ تک نہ لگایا وہ اسی طرح خراب پڑی رہی ۹۸۲ھ میں بعض لوگوں کو اس کی تعمیر کی توفیق ہوئی۔ مساجد فتح کے درمیانی راستے میں سلع پہاڑ کا درہ ہے۔ جب مدینہ منورہ سے چلا جائے تو چلنے والے کے داہنی جانب مسجد بنی حرام ہے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں تشریف لا کر نماز ادا فرمائی تھی۔ عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اس کی تجدید کر کے اس کی اصل بنیاد پر چھت اور ستونوں کا اضافہ کیا ہے۔ اب صرف ایک احاطہ باقی ہے اسی درہ کے قریب ایک غار ہے جو ایام خندق میں سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف صحبت سے مشرف ہو چکا ہے۔ اور بعض اوقات آپ نے وہاں شب باشی بھی

فرمائی ہے۔

طبرانی ابوقتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے ملنے کی خواہش میں آئے۔ جب آپ کو امہات المومنین کے حجروں میں نہ پایا تو اس کوچہ کی طرف چلے جہاں حضور ﷺ بیٹھنے کے عادی تھے۔ آخر کار پہاڑ کی جانب گئے۔ احادیث پر نظر کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ وہ پہاڑ سلع تھا لوگوں سے پتہ پا کر معاذ بن جبل پہاڑ پر چڑھ گئے اور دائیں بائیں نظریں دوڑانے لگے۔ دیکھا کہ اس پہاڑ میں ایک غار ہے۔ سرور انبیاء ﷺ اُس غار کے اندر سجدہ کی حالت میں نظر آ گئے۔ معاذ اس مقام کی ہیبت اور حضرت سید الانام علیہ اکمل الصلوۃ وافضل السلام کا طول سجدہ دیکھ کر پہاڑ سے اُتر آئے اور تھوڑی دیر بعد پھر چڑھے تو دیکھا کہ آنحضرت ابھی تک سجدہ ہی میں ہیں آپ کو گمان گزرا کہ آپ کی روح مبارک کو شاید عالم بالا میں لے گئے۔ اس کے بعد آپ نے سجدہ سے سر اقدس اُٹھایا اور فرمایا کہ جبریل امین آئے تھے اور کہتے تھے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ آپ کو سلام کہتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ آپ کو معلوم ہے میں آپ کی اُمت کے ساتھ کیا معاملہ کروں گا۔ میں نے کہا اے اللہ تو خوب جاننے والا ہے۔ میں کیا جان سکتا ہوں اس کے بعد پھر جبریل امین آئے اور کہا کہ آپ کے پروردگار فرماتے ہیں کہ آپ اپنے دل کو خوش رکھیے۔ آپ کی امت کے ساتھ ہرگز وہ بات نہ کروں گا جو آپ کو ناپسند ہو یا آپ کی دل آزاری کا سبب بنے۔ پھر میں نے سجدہ میں سر رکھ دیا۔ اور اس نعمت عظمیٰ کا شکریہ بجالایا اے معاذ سب سے بہترین حالت جو بندہ کو مولےٰ سے قریب کر دیتی ہے سجدہ ہے۔

مسجد القبلتین

یہ مساجد فتح کے غربی جانب نصف میل یا اس سے کچھ کم فاصلہ پر وادی عقیق اور بیر رومہ کے نزدیک واقع ہے۔ محمد ابن اخنس سے روایت ہے کہ قبیلہ بنی سلمہ میں ام بشر ایک بیوی تھیں۔ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مزاج پرسی کے لیے وہاں تشریف لے گئے۔ انھوں نے آپ کے لیے کھانا مہیا کیا۔ کھانا تناول فرمانے کے دوران اُم بشر ارواح کا

احوال دریافت کرنے لگیں اس حدیث کا شانِ نزول جو ارواح مومنین وکافرین کے متعلق آئی ہے اسی مجلس کا واقعہ ہے۔ جب ظہر کا وقت آیا آپ بنی سلمہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے نکلے۔ دو رکعت نماز ادا فرمائی تھی کہ وحی آئی۔ قبلہ بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی جانب پھیر دیا گیا۔ آپ نے نماز ہی کی حالت میں مڑ کر کعبہ کی جانب منہ کر لیا اور آخری دو رکعت کعبہ کی طرف ادا فرمائیں۔ اسی وجہ سے اس کو مسجد قبلتین کہتے ہیں۔ اور ابن زبالہ محمد ابن جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بنی سلمہ کا ایک گروہ اپنی مسجد میں آپ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا۔ اور دو رکعت نماز پڑھ چکے تھے کہ تبدیلی قبلہ کی خبر ان تک پہنچی آپ نماز ہی کی حالت میں کعبہ کی طرف پھر گئے۔ اس روایت میں آنحضرت ﷺ کی نماز کا ذکر اس مسجد میں تبدیلی قبلہ کے وقت نہیں ہے۔

شیخ مجد الدین فیروز آبادی کہتے ہیں کہ اس نام کے لیے مسجد قبا زیادہ حق دار اور اولیٰ ہے۔ کیونکہ بخاری اور مسلم میں آیا ہے کہ تحویل قبلہ کا وقوع مسجد قبا ہی میں ہوا ہے۔ اور بعض علماء نے قول اول کو ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم۔

مسجد الذباب

اب اس کو مسجد الرایہ کہتے ہیں۔ جب مدینہ منورہ سے روانہ ہوں تو یہ شامی راستہ کے داہنی جانب اُس پہاڑ پر ملے گی جس کا نام ذباب ہے۔ اس کی بنیاد عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے ہے پھر منہدم ہو گئی تھی۔ مدینہ منورہ کے بعض امراء نے اس کی تجدید کی ہے۔ مسجد فتح اور اس کے درمیان میں کوہ سلع حائل ہے۔ مساجد فتح پہاڑ کے غربی جانب ہیں اور مسجد الذباب شرقی جانب نہایت بلند مقام پر ہوادار اور منور ہے۔ مدینہ مطہرہ اور قبلہ منورہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اس مسجد سے تجلی خاص اور مشاہدہ مخصوص رکھتا ہے۔ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جبل ذباب پر نماز ادا فرمائی تھی۔ جس وقت غزوۂ تبوک کو روانہ ہوئے تھے اسی پہاڑ پر خیمہ لگایا گیا تھا۔ حارث بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ یمن میں مروان بن الحکم کا ایک عامل تھا۔ اس کا نام ذباب تھا مروان نے اس کو جبل ذباب پر دار میں کھینچا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہلا بھیجا کہ تجھ

پر افسوس ہے جس مقام پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی ہے تو نے اس کو مصلوب کیا اس کے بعد بعض اُمراء نے بھی اس کے اس بُرے دستور پر عمل کیا۔ آخر کار بعض بزرگوں کے منع کرنے سے باز رہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ذباب پر خیمہ لگانا خندق کے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے۔ خندق کی کھدائی غزوۂ احزاب میں ہوئی ہے۔ خندق کی وسعت سلع کے غربی جانب سے مصلی عید تک اور مساجد فتح سے جبل ذباب تک تھی۔ چنانچہ اس کی تفصیل کتب سیر و تواریخ میں موجود ہے۔ اب کوئی اثر خندق کا باقی نہیں ہے۔ سوائے مذکورہ مقامات کے کہ ان سے برکات حاصل کر سکتے ہیں۔ بعض علماء نے اس مسجد کا پتہ ثنیۃ الوداع پر دیا ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ثنیۃ وداع مسجد سے قریب ہے۔

مسجد الفسح

یہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے مشہد کے شمالی جانب جبل احد کے دامن میں ہے۔ کہتے ہیں کہ آیہ کریمہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ

ترجمہ (اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے کہ کشادہ ہو کر مجلسوں میں بیٹھو۔

آخر آیت تک)

اسی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

مطری کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ظہر اور عصر کی نماز اُحد کے دن لڑائی سے فارغ ہونے کے بعد اسی مقام پر ادا فرمائی تھی۔ ابن شیبہ نے بھی اسی کے مطابق نقل کیا ہے۔ لیکن کسی خاص وقت کا تعین نہیں کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

مسجد عینین

بجانب قبلہ مشہد سید الشہداء کے ہے۔ اس جبل کو جبل الرمات کہتے ہیں۔ تیر انداز لشکر اسلام اُحد کے روز اسی مقام پر کھڑے تھے۔ اس مسجد کا اکثر حصہ منہدم ہو چکا ہے۔ سید

الشہداکو وحشی کا حربہ بھی اسی مقام پر لگا تھا۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ظہر کی نماز اُحد کے دن ٹیل کے نزدیک جبل عینین پر پڑھی تھی اور بھی روایت میں آیا ہے کہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے مع اپنے اصحاب کے صبح کی نماز مقام قنطرہ میں ہتھیار بند ادا فرمائی تھی۔

مسجد الوادی

یہ جبل عینین کے شامی کنارہ پر واقع ہے۔ مطری نے کہا ہے کہ سید الشہدا رضی اللہ عنہ کی شہادت کا مقام بھی یہی ہے حربہ لگنے کے بعد اول مقام سے اس جگہ آ کر گر پڑے تھے۔ ابن شیبہ نقل کرتے ہیں کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ مقتول ہونے کے بعد جبل رمات ہی کے مقام پر رہے۔ اُس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بطن وادی سے اٹھا کر جس مقام پر اب آپ کی قبر ہے دفن کیے گئے۔ بعض علماء نے اس مسجد کو مسجد العکر بھی کہا ہے۔

مسجد السُقیا

سُقیا ایک کنوئیں کا نام ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بدر کے لشکر کو یہیں پر روکا تھا اور اسی مقام پر نماز ادا فرمائی تھی۔ اہل مدینہ کے لیے یہیں پر دعائے برکت کی تھی۔ بعضے علماء نے اس مسجد کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس مسجد کے مقام کے تعین میں بھی متردد ہیں۔ سید سمہودی کہتے ہیں کہ میں اس مسجد کی تحقیق میں کوشاں ہوا۔ یہاں تک کہ زمین کے نیچے سے اس کی بنیاد نکل آئی اور تقریباً نصف نصف ہاتھ ہر جانب سے اس کی دیوار ظاہر ہو گئی۔ اس کے بعد لوگوں نے اسی بنیاد پر تجدید کر دی۔ مسجد سُقیا اس مسجد کو کہتے ہیں جو مکہ کے راستے میں مدینہ کے اطراف کے قریب ہے۔ جو لوگ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے مکہ معظمہ سے آتے ہیں ان کے لیے پہلی متبرک جگہ یہی مسجد ہے۔ گو یہ چھوٹی ہے مگر مقدار دو ہفت در ہفت واللہ اعلم۔

یہ مسجدیں وہ ہیں جو معلوم اور مشہور ہیں۔ خلق اُن کی زیارت سے مشرف ہوتی

ہے۔ ان کے علاوہ دوسری مساجد بھی ہیں جو چالیس سے زائد ہیں۔ جن کے بارے میں سمت کے سوا کچھ معلوم نہیں۔ تعیین جہت میں بھی بعض ایسے مقامات مذکور ہوئے ہیں کہ ڈھونڈنے میں طالب کو حیرت اور تردد کے سوا کچھ نفع نہیں پہنچ سکتا۔ اسی وجہ سے اُن کا ذکر نہیں کیا گیا۔ سید سمہودی علیہ الرحمۃ نے ان سب کا تذکرہ کیا ہے۔

واللہ الموفق۔ وہ کل مسجدیں جن کا ان اوراق میں ذکر ہوا ہے بائیس ہیں۔

باب دہم

اُن مبارک کنوؤں کا بیان جو حضور نبی کریم ﷺ کی وجہ سے مشہور ہیں

کنوئیں بھی مسجدوں کی طرح بہت ہیں لیکن اُن میں سے بعض منہدم ومعدوم ہو چکے ہیں۔ اُن کا کوئی نشان باقی نہیں۔ سید علیہ الرحمۃ نے اپنی تاریخ میں بیس سے زیادہ بیان کیے ہیں۔ لیکن اس وقت جن کنوؤں کی زیارت مشہور ہے وہ صرف سات ہیں جن کا بیان تخصیص کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

بیرِ اریس

بروزن جلیس۔ یہودیوں میں سے ایک شخص کے نام سے منسوب ہے جس کا نام اریس تھا۔ یہ مسجد قبا کے قریب مغرب کی جانب ہے اس کا پانی نہایت لطیف اور شیریں ہے۔ متعدد روایتوں میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا تھا۔ اس وقت سے اس کے پانی میں لطافت اور شیرینی پیدا ہوئی ہے ورنہ اس سے پہلے یہ شیریں نہ تھا۔ بیہقی بیان کرتے ہیں کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب قبا میں آئے تو اس کنوئیں کا پتہ دریافت کیا ان کو ایک شخص نے اریس کے کنوئیں پر پہنچا دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کنوئیں پر تشریف لائے اور اس آدمی سے جو پانی بھر رہا تھا ایک ڈول پانی طلب فرمایا اور پیا بقیہ پانی کو مع لعاب دہن مبارک کنوئیں میں ڈال دیا اس کے بعد آپ پیشاب کے لیے تشریف لے گئے اور پھر کنوئیں پر آ کر وضو فرمایا دونوں موزوں پر مسح کر کے نماز ادا فرمائی اور بعضوں نے اس قصہ

کو بیر عرض کے متعلق بیان کیا ہے واللہ اعلم۔

جو کچھ بیر اریس کے متعلق صحت کو پہنچا ہے اور صحیحین میں آیا ہے یہ ہے کہ ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں میں نے وضو کیا اور گھر سے بقصدِ صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلا اور عہد کیا کہ آج آپ کی خدمت سے جدا نہ ہوں گا۔ میں مسجد شریف میں آیا۔ یہاں آپ کو نہ پایا۔ لوگوں نے کہا کہ حضور ﷺ تو ابھی قبا کی جانب تشریف لے گئے ہیں۔ میں بھی آپ کے قدموں کے نشان پر چل دیا۔ لوگوں نے پتہ دیا کہ آپ بیر اریس پر تشریف رکھتے ہیں میں اس احاطہ کے دروازے پر پہنچا جس کے اندر وہ کنواں واقع ہے۔ میں بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے حاجت ضروری سے فراغت پا کر وضو کیا۔ اس کے بعد میں بھی آپ کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کنوئیں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ساق مبارک کو کھولے ہوئے پاؤں کو کنوئیں میں لٹکائے ہوئے ہیں۔ میں سلام کر کے واپس آ گیا اور دروازے پر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنے دل میں ٹھان لیا کہ آج سرور انبیاء ﷺ کی دربانی کروں گا ایک ساعت کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے کہا کون ہے جواب دیا کہ ابوبکر۔ میں نے کہا کہ کھڑے رہیے میں حضور ﷺ کو خبر کر دوں۔ میں نے جا کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ابوبکر آئے ہیں اور اجازت مانگتے ہیں آپ نے فرمایا آنے دو اور ان کو جنت کی خوش خبری دے دو۔ میں ابوبکر صدیق کے پاس آیا اور جنت کی خوشخبری سنا دی۔ پھر ابوبکر باغ میں داخل ہوئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنی جانب بیٹھ گئے اور آپ کی اتباع میں اپنے پاؤں کو کنوئیں میں لٹکا دیا۔ میں واپس آ کر پھر دروازے پر بیٹھ گیا۔ میں اپنے اس بھائی کا منتظر تھا جس کو گھر چھوڑ آیا تھا۔ میں وضو کر رہا تھا اور دل میں کہتا تھا کہ کاش اس وقت وہ بھی آ جاتا۔ کیونکہ آج پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وقت خاص ہے۔ اگر وہ آ جائے تو وہ بھی حضور ﷺ کی بشارت سے مشرف ہو جائے۔ اسی اثنا میں عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے دریافت کیا کون ہو۔ کہا: عمر! میں نے کہا ٹھہرے رہو تا کہ حضور ﷺ کو خبر کر دوں۔ میں نے جا کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمر آئے ہیں اور اجازت

طلب کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا آنے دو۔ اور ان کو بھی جنت کی خوش خبری دے دو۔
میں عمر کے پاس آیا۔ ان کو جنت کی خوشخبری دی۔ حضرت عمر بھی باغ میں داخل ہوئے۔
سرور انبیاء ﷺ کے بائیں جانب جس طرح آنحضرت ﷺ بیٹھے ہوئے تھے بیٹھ
گئے۔ میں واپس آ کر دروازے پر بیٹھ گیا اور منتظر تھا کہ کاش میرا بھائی آ جاتا۔ تھوڑی دیر
بعد عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ آئے میں نے ان کی بھی خبر پہنچائی آپ نے فرمایا کہ آنے
دو اور ان کو بھی جنت کی بشارت دو مع اس بلا کے جو ان کے سر پر آئے گی۔ میں نے عثمان
کے پاس آ کر کہا کہ اندر آ جایئے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو جنت کی بشارت
دیتے ہیں اُس بلا کے ساتھ جو تمہارے سر پر آئے گی۔ حضرت عثمان اندر آئے۔ چونکہ
آنحضرت ﷺ کی نشست کی جانب اور ابوبکر و عمر کی طرف بھی جگہ تنگ تھی اس لیے ان
کے روبرو دوسری جانب بیٹھ گئے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی انگوٹھی جو دستِ اقدس میں رہا کرتی تھی
وہ آپ کے بعد ابوبکر پھر عمر کے ہاتھ میں رہی۔ ان حضرات کے بعد عثمان کے ہاتھ میں
آئی۔ ایک دن حضرت عثمان کنوئیں پر بیٹھے ہوئے تھے اور انگوٹھی مبارک کو اُتار کر عادت
کے موافق پھرا رہے تھے۔ انگوٹھی کنوئیں میں گر پڑی۔ تین روز تک جستجو کی اور پانی بھی کھینچا
لیکن نہ ملی اور صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ انگوٹھی معیقیب کے
ہاتھ سے گری جو عثمان رضی اللہ عنہ کے خادم تھے ان دونوں حدیثوں میں مجاز اور تاویل کر
لیجیے واللہ اعلم۔ انگوٹھی کا گرنا آپ کی خلافت کے چھ سال گزر جانے کے بعد پیش آیا اور
اسی دن سے آپ کی خلافت میں فتنہ شروع ہوا۔ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کی خاتم
شریف میں کوئی اسرار ضرور پنہاں ہوگا۔ جیسا کہ خاتم سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے گم
ہونے میں تھا کہ اس کی گم شدگی سے آپ کے ملک میں خلل واقع ہو گیا تھا۔ بعض نے کہا
ہے وہ دوسرا کنواں تھا اور یہ صدقات عثمانیہ میں سے تھا اور یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا
حصہ تھا۔ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے مالوں میں سے اس کو حضرت عثمان
کے لیے مخصوص کر دیا تھا اور دوسرا مال جو عبدالرحمٰن بن عوف سے چالیس ہزار دینار میں

خرید کر اُمہات المومنین اور ان کے علاوہ فقیروں پر وقف کر دیا تھا اس مال کو بھی بیر اریس ہی کے نام سے موسوم کرتے ہیں واللہ اعلم۔

بیر اریس میں سیڑھیاں تھیں جن کے ذریعہ سے کنوئیں میں اُترنا اور اس سے وضو کرنا آسان تھا۔ ۷۱۴ ہجری میں اس کنوئیں کی تجدید کی گئی۔ اب اس میں اترنے کا راستہ بند ہے۔ اس کے اُوپر کی عمارت بھی نہیں باقی ہے۔ کہتے ہیں کہ رومیوں کے کسی غلام نے جو خباثتِ نفس اور نفاق کے مرض میں گرفتار تھا اس کا ایک باغ تھا اس نے نشاناتِ مصطفویہ ﷺ کو مٹانے کی غرض سے اُترنے کا راستہ بند کر دیا۔ اور عمارت کو منہدم کر دیا۔ خذلہ اللہ۔

بیر غُرس

یہ مسجد قبا کے شرقی جانب سے نصف میل کے فاصلہ پر ہے اور غُرس اُن مقامات کا نام ہے جو اس کے گرد و گرد ہیں یہ ایک بہت بڑا کنواں ہے جس میں دہ در دہ سے زائد پانی ہے۔ اور اس کے پانی پر سبزی (کائی) غالب ہے اس میں زینہ بھی ہے جس کے ذریعہ سے کنویں میں اتر جاتے ہیں ۸۸۲ ہجری میں اس کی تجدید ہوئی تھی۔ یہ بات ثبوت کو پہنچی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے وضو کر کے بقیہ پانی کو اس میں ڈال دیا۔ ابن حبان ثقہ لوگوں سے نقل کرتے ہیں کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیر غُرس سے پانی منگواتے تھے اور فرماتے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ اس کا پانی پیتے تھے اور وضو کرتے تھے۔ ابراہیم بن اسمٰعیل بن مجمع سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے آج کی رات بہشت کے کنوؤں میں سے کسی کنویں پر صبح کی ہے۔ آنحضرت ﷺ صبح کو بیر غُرس پر پہنچے اور وضو فرمایا۔ لعاب مبارک ڈالا آپ کے سامنے تھا شہد پیش کیا گیا۔ اس شہد کو بھی اس کنویں میں ڈال دیا اور ابن ماجہ سند سے صحیح روایت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھ کو وصال کے بعد سات مشکیزے میرے کنویں کے پانی سے یعنی بیر غُرس سے غسل دینا۔ آنحضرت ﷺ نے حالت حیات میں بھی اس کنویں کے پانی سے یعنی بیر غُرس

سے غسل دینا۔ آنحضرت ﷺ نے علی مرتضےٰ سلام اللہ علیہ سے فرمایا تھا کہ جب میں اس عالم سے سفر کروں تو بیر غرس کے سات مشک پانی سے کہ جس کا پانی مطلقاً صرف نہ کیا گیا ہو۔ مجھے غسل دینا۔ اور امام محمد باقر سلام اللہ علیہ وعلیٰ آباۂ الکرام سے بھی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا بعد وصال کے غسل بیر غرس کے پانی سے ہوا تھا۔ آپ حیات میں بھی اُس کا پانی پیتے تھے۔

بیر رومہ

یہ بھی ایک بڑا کنواں ہے جو مسجد قبلتین کے شمالی جانب وادی عقیق میں واقع ہے اس کا پانی نہایت ہی لطیف اور بہت ہی شیریں ہے جس کی صفت بیان نہیں ہوسکتی۔ حدیث میں آیا ہے نعم القلیب قلیب المرنی۔ ترجمہ (بہت ہی عمدہ کنواں مزنی ہے) مزنی اور رومہ ایک ہی بات ہے۔ یہ کنواں مزنی کا تھا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس سے خرید کر وقف کر دیا تھا۔ نقل ہے کہ جب امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے حدیث نبوی ﷺ کو سنا تو اس کنوئیں کا نصف حصہ سو اونٹوں کے عوض میں خرید کر وقف کر دیا۔ کنویں کے مالک نے جب پانی کے اُوپر خلوق کی بھیڑ کثرت سے دیکھی جو اس کو اُس کے نصف حصہ سے کنویں کا نفع اُٹھانے سے مانع ہوتی تھی تو بقیہ نصف حصہ بھی کچھ تھوڑی چیز کے عوض حضرت عثمان کے ہاتھ بیچ ڈالا۔

ابن شیبہ زہری سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا من یشتری رومة یشرب رواہ فی الجنة ترجمہ (جو شخص بیر رومہ کو خریدے وہ سیراب ہوگا جنت میں) عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے مال سے خرید کر وقف کر دیا۔ بغوی نے بشیر اسلمی سے روایت کی ہے کہ جب مدینہ منورہ میں مہاجرین کی تشریف آوری کثرت سے ہوگئی تو پانی کی قلت محسوس کی جانے لگی۔ اس مقدس شہر میں شیریں پانی بہت کم تھا۔ بنی غفار کے ایک آدمی کے پاس ایک چشمہ دار کنواں تھا جس کو بیر رومہ کہتے تھے۔ یہ شخص پانی کا ایک مشکیزہ ایک مُد کے عوض میں فروخت کرتا تھا۔ ایک دن سرور انبیاء ﷺ نے اس آدمی سے فرمایا کہ اس کنوئیں کو اس چشمہ کے عوض جو تجھ کو جنت میں ملے گا میرے ہاتھ بیچ

ڈال۔ اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے اور میرے بچوں کے لیے اس کنویں کے سوا دوسرا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو پینتیس ہزار درہم میں خرید کر اس کو مسلمانوں پر وقف کر دیا ابن عبدالبر بیان کرتے ہیں کہ یہ کنواں ایک یہودی کا تھا۔ وہ اس کا پانی مسلمانوں کے ہاتھ بیچتا تھا۔ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کنوئیں کے خریدنے کی ترغیب فرمائی اور اس کے خریدار کو جنت کی بشارت دی۔ امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس یہودی سے اس کنوئیں کا نصف حصہ بارہ ہزار درہم کے عوض خرید لیا۔ لیکن بعد میں جب اس یہودی کو اس کے نصف حصہ سے نفع اُٹھانا دشوار ہو گیا تو بقیہ نصف حصہ بھی آٹھ ہزار کے عوض بیچ ڈالا۔

نسائی اور ترمذی نے روایت کی ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر لیا گیا تو آپ نے محاصرہ کرنے والوں سے فرمایا کہ لوگو! میں تم کو خدا اور دین اسلام کی قسم دیتا ہوں۔ تم خوب جانتے ہو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تھے اور مدینہ میں شیریں پانی کا وجود نہ تھا بجز رومہ کے پانی کے تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو شخص رومہ کو خریدے اس کے لیے اس طرح کا کنواں بہشت میں ملے گا۔ میں نے اس کنویں کو خرید کر اس کو مالدار، فقیر، اور مسافران پر وقف کر دیا۔ اور یہ بھی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جیش عسرہ کے لیے سامان مہیا کرے گا اس کے لیے بہشت واجب ہے۔ لہٰذا میں نے اس کا بھی سامان کیا تھا۔ لوگوں نے جواب دیا ہم جانتے ہیں اور صحیح میں بھی اسی طرح کی روایت آئی ہے۔ بیر رومہ کا وجود جاہلیت کے وقت سے ہے یہ منہدم ہو گیا تھا۔ ۷۵۰ھ ہجری میں اس کی تجدید ہوئی۔ بعض روایتوں میں آیا ہے من حضر بیر رومة فلہ الجنة ۔ ترجمہ (جو شخص بیر رومہ کو کھودے اس کے لیے جنت ہے) اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت بھی اس کے کھودنے اور اصلاح کی ضرورت تھی۔ واللہ اعلم۔

بیر بضاعة

یہ کنواں مدینہ منورہ کے شامی باب کے نزدیک واقع ہے جب انسان مشہد مطہرہ

سیدنا حمزہ بن مطلب رضی اللہ عنہ کے راستے پر چلے تو چلنے والے کے داہنی جانب واقع ہو گا۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ بیر بضاعہ پر آئے اور ایک ڈول پانی طلب فرما کر وضو کیا بقیہ پانی مع لعاب دہن مبارک کنوئیں میں ڈال دیا۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جو شخص بیمار ہوتا تھا اس کو بضاعہ کے پانی سے غسل دیتے تھے۔ اس کی برکت سے بیمار کو جلد شفا حاصل ہو جاتی تھی۔ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جو شخص بیمار ہوتا تھا اس کو تین دن بضاعہ کے پانی سے غسل دیتے تھے وہ صحت پا جاتا تھا۔ ابوداؤد احمد وترمذی وغیرہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کے لیے بیر بضاعہ سے پانی لاتے ہیں۔ حالانکہ لوگ اس میں کتوں کے گوشت حیض کے چیتھڑے اور مختلف نجاستیں ڈالتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز نا پاک نہیں کر سکتی۔

نسائی نے ابوسعید سے روایت کی ہے کہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا آپ بیر بضاعہ پر وضو فرماتے تھے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ اس پانی سے وضو کرتے ہیں حالانکہ اس میں لوگ بہت سی نجس چیزیں ڈالتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: الماء لا ینجسہ شیء۔ یعنی پانی کو کوئی چیز نجس نہیں بنا سکتی۔ سہل بن سعد سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنا لعاب مبارک بیر بضاعہ میں ڈالا، اس کا پانی پیا اور اس کے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔ ابی اسید جو بیر بضاعہ کے مالک تھے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا لعاب دہن مبارک ڈالنے کے بعد ہم اس کا پانی پیتے تھے اور برکت حاصل کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ہمارے باغ میں میوہ نہ آیا۔ آنحضرت ﷺ سے اس کی شکایت کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا غول بیابانی ہے جو میوہ کو چرا لے جاتا ہے اس کے بعد اگر میوہ میں کمی ہو تو کہو بسم اللہ اجیبی رسول اللہ جب ابواسید نے آنحضرت ﷺ کے حکم سے اس کلمہ کو پڑھا تو ایک آواز سنی کہ اے ابا اسید مجھے معاف کیجیے اور جناب رسالت ﷺ کے حضور میں نہ لے جایئے۔ اس کے بعد ہرگز تمہارے گھر اور

باغ کے قریب نہ جاؤں گا۔ اور میں تم کو ایک آیت سکھاتا ہوں جس کی برکت سے کوئی صدمہ تم کو یا تمہارے گھر والوں کو نہ پہنچے گا اور وہ آیۃ الکرسی ہے۔ جب ابو اسید نے سارا قصہ دربار رسالت میں آ کر عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس نے جو کچھ کہا ٹھیک کہا لیکن دروغ گو ہے۔ ہیثمی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں اور بعضوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ بستان اب بعضے اروام کے باغ میں آ گیا ہے۔ جس سے اس کی زیارت آسانی سے میسر نہیں ہوتی ہے۔

بیر البصہ

یہ بقیع کے قریب قبا کے راستے میں بائیں جانب واقع ہے۔ اگر بقیع کی جانب سے مدینہ مکرمہ کے حصار کے نیچے چلیں تو یہ مذکورہ جگہ پر ملے گا۔ ابن عدی ابی سعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم علیہ السلام ان کے گھر میں تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ تمہارے یہاں کچھ سدر ہے تاکہ میں اس سے سر کو دھوؤں کیونکہ آج جمعہ کا دن ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں ہے۔ سدر لے لیا اور آنحضرت ﷺ کے ہمراہ بیر بصہ پر چلا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اپنے سر مبارک کو دھویا اور غسالہ کو کنوئیں میں ڈال دیا۔ اس کنوئیں میں زینہ ہیں اور اس کا پانی بہت نزدیک۔

بیر حاء

اس لفظ کی تحقیق شارحین حدیث نے کی ہے اور اس طرح مشہور ہے کہ راء موقوف اور حاء مقصور ہے۔ حاء ایک مرد یا ایک عورت کا نام ہے اس کنوئیں کی اضافت اس کی طرف کر دی ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ حاء اس مقام کا نام ہے جس جگہ یہ کنواں واقع ہے۔ یہ جگہ مسجد نبوی کے شمالی جانب قلعہ کی دیوار کے متصل مسجد نبوی سے بہت ہی قریب ہے۔ اگر قلعہ کی دیوار بیچ حائل نہ ہوتی تو مسجد شریف سے اس کنوئیں کا فاصلہ بہت ہی قریب تھا۔ کہتے ہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات تشریف لاتے تھے اور وہاں کے درختوں کے سایہ میں بیٹھتے تھے اور اس کا پانی پیتے تھے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ابوطلحہ

انصاری کے پاس باغ کی حیثیت میں بہت مال تھا اور ان کے مالوں میں سے محبوب ترین مال ان کے نزدیک مسجد کے روبرو یہی بیر حاء تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پر تشریف لے جاتے تھے اور اس کا پانی پیتے تھے۔ ابوطلحہ نے اس کنوئیں کو اپنے عزیز واقارب کے لیے وقف کر دیا تھا۔ میرے والد اور حسان ابوطلحہ کے اعزا میں سے تھے۔ حسان نے اپنے حصے کو معاویہ کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ حضرت حسان سے لوگوں نے دریافت کیا کہ تم ابوطلحہ کے صدقے کو کس لیے بیچتے ہو۔ کہا کہ میں کیوں نہ بیچوں جب کہ ایک ساع تمر ایک ساع درہم کے عوض بیچتے ہیں۔ معاویہ نے وہاں پر ایک محل بنوایا۔ جس مقام پر پہلے معاویہ کا محل تھا بعد میں وہاں بنی جذیلہ اور ابوجعفر منصور کے محل بھی تھے۔ اب یہ کنواں ایک چھوٹے باغ میں ہے اور وہاں پر ایک چھوٹی سی مسجد ہے پانی نہایت شیریں اور ہوا خوش گوار اور مقام کشادہ ہے۔

بیر العہن

یہ عوائے مدینہ میں مسجد قبا کے شرقی جانب ایک بڑے باغ میں ہے جو شرفا سے تعلق رکھتا ہے۔ وہاں پر زراعت اور درخت بہت ہیں۔ مقام پاک صاف اور لطیف ہے۔ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پہنچ کر وضو کیا اور نماز ادا فرمائی۔ ان کے علاوہ اور بہت سے کنوئیں، اموال وصدقات، مساجد اور اشجار ایسے ہیں جو غزوات اور سفروں کے دوران مختلف شہروں میں آپ کی تشریف آوری سی مشرف ہوئے ہیں۔ ان میں چشمے، وادیاں، خطے اور ٹیلے بھی شامل ہیں۔ ان سب کا ذکر اس شہر مبارک کی تواریخ میں موجود ہے۔ لیکن اس جگہ اختصار اور تنگی وقت کے پیش نظر کوتاہی سے کام لیا گیا ہے۔

منجملہ ان پاک چشموں کے جو اس وقت جاری ہیں اور ان سے نفع حاصل ہوتا ہے۔ چشمہ زرقا ہے۔ یہ قبا کے نخیل کے درمیان سے نکلتا ہے۔ مروان بن الحکم جس وقت مدینہ کے عامل تھے حضرت معاویہ کے حکم سے اس چشمہ کو کھود کر مدینہ منورہ تک لائے۔ اس کا پانی نہایت شیریں اور لطیف ہے۔ بغیر چکھے ہوئے اس کی صفت خیال میں نہیں آ سکتی منجملہ ان وادیوں کے جو مشہور اور متبرک ہیں وادی عقیق ہے۔ احادیث میں اس کے فضائل

کا ذکر موجود ہے۔ اہل عرب کے اشعار میں اس کا تذکرہ حد شمار سے زائد ہے۔ صحیح حدیث میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے وادیٔ عقیق کی شان میں میں نے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ آج کی رات ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور کہا صل فی ھذا الوادی المبارک۔ ترجمہ:- (اس وادیٔ مبارک میں آپ نماز پڑھیے) دوسری حدیث میں عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ العقیق وادی مبارک۔ ترجمہ:- (عقیق وادیٔ مبارک ہے) انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ انس نے کہا میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ منورہ سے باہر وادیٔ عقیق کی طرف گیا۔ آپ نے فرمایا اے انس اس وادی کے پانی سے لوٹے بھر لو ہم اس کو محبوب رکھتے ہیں اور وہ ہم کو دوست رکھتا ہے۔ سلمہ بن الاکوع سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں شکار بہت کرتا تھا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیتاً گوشت بھیجا کرتا تھا۔ ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ تم کہاں تھے۔ میں نے عرض کیا شکار کو گیا تھا۔ آپ نے فرمایا اگر مجھے خبر ہوتی تو وادیٔ عقیق تک تمہارے ساتھ چلتا۔ وادیٔ عقیق مدینہ منورہ کے قبلہ کی جانب مائل ہے۔ وادیٔ عقیق اور قبا کے درمیان میں فاصلہ ایک دن یا اس سے کچھ زیادہ کا ہے اور وہاں سے ذی الحلیفہ سے گزرتا اور بیر رومہ کے غربی جانب ہوتا ہوا مدینہ میں پہنچتا ہے۔ اور اس وادی کی کثرت روانی اور دیگر وادیوں کے متعلق لوگوں نے عجیب و غریب حکایات نقل کی ہیں۔ واللہ اعلم۔

گیارھواں باب

ان مکانات اور مشاہدات کا بیان جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے راستہ میں منقول اور مشہور ہیں

علماء تاریخ اور حدود و آثار کے محافظین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مساجد و مشاہد جو آپ کے سفر و غزوات میں منقول اور مشہور ہیں جمع کر دی ہیں۔ ان میں سے اکثر اس زمانہ میں لاپتہ ہو چکی ہیں اُن کے آثار تک مٹ گئے ہیں اور بجز خبر کے کوئی اثر نہیں مل سکتا۔ مگر وہ مقامات جن کی زیارت سے لوگ مشرف ہوتے ہیں ان کے حالات ان اوراق میں لکھے جائیں گے یہ ان بعض مساجد کا تذکرہ ہے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے راستہ میں واقع ہیں۔

مسجد ذی الحلیفہ

بعضوں نے اس کو مسجد الشجرہ بھی کہا ہے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب پہلی مرتبہ عمرہ کی نیت سے مکہ کا قصد فرمایا اور دوبارہ حج کی غرض سے مکہ کا ارادہ کیا تو درخت سمرہ کے سایہ میں بیٹھے۔ یہ درخت ذی الحلیفہ میں تھا۔ یہاں آپ نے نماز ادا فرمائی۔ رات میں قیام بھی یہیں فرمایا اور وہیں سے آپ نے احرام باندھا۔ اب یہ اہل مدینہ کا میقات ہے۔ وہاں پر جو بڑی مسجد تھی وہ طول زمانہ کی وجہ سے منہدم ہو گئی تھی۔ ۸۶۱ھ میں اس کی تجدید کی گئی اور آنحضرت ﷺ نے اس مسجد میں نماز اسطوانہ وسطی کی جانب ادا فرمائی تھی۔ شجرہ بھی اسی مقام پر تھا۔ مطری کہتے ہیں کہ اس بڑی مسجد کے قبلہ کی جانب ایک دوسری چھوٹی سی مسجد ہے جو ایک تیر کے فاصلہ پر ہے ممکن ہے حضور ﷺ

نے اس مسجد میں نماز ادا فرمائی ہو۔ سمہودی کہتے ہیں کہ اس چھوٹی مسجد کو مسجد المعرس کہتے ہیں جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بعض غزوات سے واپسی کے وقت یہاں تعریس فرمایا تھا اور نماز ادا کی تھی۔ آخیر رات میں آرام کی غرض سے مسافر کے اتر پڑنے کو تعریس کہتے ہیں اور صحیح حدیث میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا خروج شجرہ کے راستے سے تھا۔ اور داخلہ معرس کے راستے سے ابن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی اس مقام پر پہنچتے تو آنحضرت ﷺ کی تعریس کا مقام ڈھونڈ کر وہیں تعریس کیا کرتے اور منجملہ ان دوسری مسجدوں کے جو مکہ مکرمہ کے راستے میں ہیں۔

مسجد شرف الروحا بھی ہے۔ روحا ایک مقام کا نام ہے۔ مدینہ منورہ اور اس کے درمیان میں اکتالیس میل کا فاصلہ ہے۔ صحیح میں مسلم نے کہا ہے کہ چھتیس میل ہے اس مسجد سے مدینہ منورہ کی جانب اکثر پانی کے نالے ہیں۔ جب مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوں تو راستہ کے دائیں جانب شرف روحا کے نزدیک ایک مسجد ملے گی جو ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے ثابت ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں نماز ادا فرمائی تھی اور آنحضرت ﷺ کے بعد یہ نالہ آباد ہو گیا تھا اور وہاں پر بہت سے چشمے اور آبادیاں ہو گئی تھیں۔ والی مدینہ کی جانب سے وہاں پر ایک حاکم رہتا تھا۔ وادی کے باشندوں کے اشعار واقوال صفحۂ زمانہ پر یادگار ہیں اس وقت بھی بعض نشانات اور ٹیلوں کو دیکھ کر وہاں کی آبادی پر استدلال کر سکتے ہیں۔ قافلہ کی گزرگاہ پر بہت سی پرانی قبریں ہیں جو کبھی اس وادی کے باشندوں کا مدفن تھا۔ سمہودی کہتے ہیں کہ لوگ ان کو شہدا کی قبریں کہتے ہیں ممکن ہے کہ یہ اہل بیت کی قبور ہوں جو ظلماً قتل کیے گئے ہیں جیسا کہ بعض ان خبروں سے معلوم ہوتا ہے جو جو اس کے ترجمے میں آئے اس کو وادی بنی سالم کہتے ہیں۔ یہ حجاز کے عربوں کا وطن تھا۔ لیکن اب وہاں کے مکانات یا باشندوں کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ وادی اور اہل وادی کو سیلاب فنا بہا لے گیا۔ وہاں پر ایک پہاڑ ہے اس کو جبل ورقان کہتے ہیں۔ عرق الظبیہ بھی اسی کا نام ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ اول غزوہ جو آنحضرت

ﷺ نے کیا تھا وہ غزوہ ابوا تھا۔ جب آپ عرق الظبیہ کے نزدیک روحا پر پہنچے تو فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو اس پہاڑ یعنی ورقان کا کیا نام ہے اس کا نام حمت ہے اس کے بعد آپ نے دعا کی۔ اللهم بارك فيه وبارك لا هله فيه ترجمہ (اے اللہ تو اس میں برکت دے اور یہاں کے رہنے والوں کو برکت عطا فرما) اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جانتے ہو اس وادی کا کیا نام ہے۔ اس کا نام سجاج ہے اور یہ وادی جنت کی وادیوں میں سے ہے۔ مجھ سے پہلے ستر پیغمبروں نے اس وادی میں نماز ادا کی ہے اور موسیٰ بن عمران علی نبینا وعلیہ السلام نے مع ستر ہزار بنی اسرائیل کے یہاں قیام کیا ہے۔ آپ دو عبائی قطوانی پہنے ہوئے اونٹنی ورقہ پر سوار تھے۔ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ عیسٰے بن مریم بھی بقصد حج یا عمرہ اس وادی میں نہ گزر لیں۔

ابو عبیدہ بکری نے کہا ہے کہ مضر بن نزار کی قبر روحا میں ہے۔ مضر بن نزار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں۔ وادی روحاء میں پہاڑ کی جانب ایک مسجد ہے۔ جب مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کو روانہ ہوں تو یہ مسجد راستہ کے بائیں جانب پڑے گی۔ اس کو مسجد الغزالہ کہتے ہیں۔ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد میں نماز ادا فرمائی تھی۔ یہاں پر ایک مقام ہے جس کو انا یہ کہتے ہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وہاں پر قیام فرمایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ وہاں پر ایک درخت تھا جب ابن عمر رضی اللہ عنہما وہاں قیام کرتے تھے تو وضو کرتے اور بقیہ پانی درخت کی جڑ میں ڈالتے تھے اور فرماتے تھے کہ اسی طرح کرتے ہوئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ کے اتباع میں درخت کے گرد پھر کر اس کی جڑ میں پانی ڈالتے تھے۔ اس مسجد کا وہ راستہ جس سے آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے حج کا قصد کر کے تشریف لے جاتے تھے۔ بائیں جانب ہے زمانہ قدیم سے یہی راستہ جاری تھا۔ اس کو انبیا کا راستہ کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ انبیاء صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین جب مکہ مکرمہ کے حج کا قصد کر کے تشریف لے جاتے تھے۔ وہ سب اسی راستے سے گزرتے تھے۔ اسی راہ میں ایک کنواں بھی ہے

جس کو بیر السقیا کہتے ہیں یہ اس پہاڑ کی گھاٹی پر ہے جس کا نام ہرشا ہے۔ اب اس راستے کے داہنی جانب ایک دوسرا راستہ بھی ہے جس پر لوگ چلتے ہیں۔ علمائے تاریخ نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے راستہ کی بہت سی مساجد نبویہ اور مقامات مصطفویہ کو بیان کیا ہے مگر اس وقت اُن میں سے بیشتر کے علامات ونشانات مٹ چکے ہیں بجز ان مساجد کے جن کا تذکرہ کیا جاچکا ہے۔ گو کہ ان کے اثرات بے شک پائے جاتے ہیں لیکن وہ طالبانِ مشتاق جن کی چشمِ بصیرت سُرمہ ہدایت سے منور ہیں اور جن کے باطن کی آنکھیں نورِ عنایت سے منور ہورہی ہیں۔ ان سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ان تمام پہاڑوں، میدانوں اور مکانات سے کس قدر روحانیت اور نورانیت جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔ کیونکہ ان مقامات کا کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے جو جمال مصطفوی کے سعادت اثر سے ممتاز نہ ہوا ہو۔

مسجد بدر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں سے بدر ایک مشہور مقام ہے۔ یہ ایک وادی ہے آنحضرت ﷺ کا سب سے پہلا غزوہ اسی مقام پر ہوا اور یہ غزوہ اسلام کی عزت، مسلمانوں کی شوکت اور کفار کی ذلت کا سبب ہوا اس کی تفصیل غزوات کی کتاب میں لکھی گئی ہے۔ اس مقام پر آنحضرت ﷺ کے لیے ایک عریش بنایا گیا تھا۔ عریش اس مکان کو کہتے ہیں جو خرمہ کی شاخ وغیرہ سے تیار کیا جائے۔ اس کے بعد لوگوں نے وہاں پر ایک مسجد تعمیر کرادی جو اب بھی موجود ہے۔ اس مقام کے متبرک مقامات میں ان شہدا کی قبریں شمار کی جاتی ہیں جو اس غزوہ میں شرف شہادت کو پہنچے تھے۔ یہاں کے غرائبات میں جو چیز مشہور ہے وہ یہ ہے کہ مزارات شہدا کے بالائی جانب ریت کا جو ٹیلہ ہے وہاں سے نقارہ کی مانند ایک آواز سنائی دیتی ہے جس کے سننے یا وجود میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ ثقہ لوگوں کے بیان سے اُس کا سننا ثابت ہے۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ لیکن بعض متاخرین یہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے اس کے نیچے کوئی ایسی شئے موجود ہو جو ہمارے ادراک سے باہر ہے۔ واللہ اعلم۔

سمہودی نے مسجد بدر کا تذکرہ اپنی تاریخ میں نہیں کیا ہے۔ اُن مساجد کے منجملہ جو

مکہ کے راستہ میں معلوم اور متعین ہیں مسجد غلیس ہے۔ یہ مسجد مکہ معظمہ سے تین روز کے فاصلے پر ہے جہاں پر ایک کھجور کا درخت اور ایک چشمہ تھا۔ وہاں پر ایک مسجد تھی آنحضرت ﷺ نے اس مسجد میں نماز ادا فرمائی تھی۔ اور اس سال یعنی ۹۹۸ھ میں سلطان روم نے اس مسجد کی تجدید کرائی اور چشمہ کو اس مسجد کے صحن میں جاری کر دیا۔
سمہودی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ حرہ عقبہ میں غلیس ایک دوسری مسجد ہے گاؤں سے لے کر وہاں تک تین میل کا فاصلہ ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ قدید جو غلیس سے مدینہ منورہ کی جانب ایک دوسرا پڑاؤ ہے اس مسجد کے راستے کے دائیں جانب ہے ام معبد کا خیمہ قدید ہی میں تھا۔ جب آنحضرت ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کے دوران قدید پہنچے تھے تو یہ ام معبد ہی تھیں جن کی بکریوں کے تھن میں آنحضرت ﷺ کے معجزے سے دودھ اُتر آیا تھا۔

مسجد سرف

یہ مسجد تنعیم کے قریب مکہ معظمہ سے ایک منزل اور تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر بھی یہیں پر ہے اور ان کا نکاح وزفاف بھی اسی مقام پر ہوا تھا۔

مسجد التنعیم

تنعیم ایک مقام ہے۔ مکہ کے رہنے والے عمرہ کا احرام یہیں سے باندھتے ہیں۔
سمہودی کہتے ہیں کہ یہاں پر ایک درخت تھا اور کنوئیں بھی تھے اور اسی جگہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد تھی۔ لیکن اب یہاں پر مشہور مسجد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حکم سے حج وداع میں عمرہ کا احرام یہیں سے باندھا تھا اور یہ مقام بہت زیادہ مشہور ہے۔

مسجد ذی طوی

ذی طوی اُن مکانات سے متصل ایک کنواں ہے جو مکہ مکرمہ سے خارج ہیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مکہ تشریف لائے تھے تو اسی مقام پر قیام فرمایا تھا اور رات یہیں گزاری تھی۔ صبح کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ کا مصلے بڑا کہ حد میں تھا۔ اس وقت جو مسجد موجود ہے یہ مقام اس کے علاوہ ہے۔ واللہ اعلم۔

بارھواں باب

مقبرہ شریفہ بقیع اور وہاں کے دیگر مقابرِ متبرکہ کا ذِکر اور فضائل بقیع کا بیان

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میرے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ جب اخیر رات ہوئی تو آپ بقیع کی جانب تشریف لے گئے اور وہاں کے مدفونوں کو سلام کیا۔ نیز ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی اور کہا:

السلام علیکم دارقوم مومنین واتاکم ما توعدون وانا انشاء اللہ بکم لاحقون اللھم اغفر لاھل بقیع الغرقد۔

دوسری روایت میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے میں بھی آپ کے پیچھے باہر آ گئی۔ میرا خیال یہ تھا کہ شاید آپ کسی دوسری بیوی کے ہاں تشریف نہ لیے جاتے ہوں۔ آخر کار آنحضرت ﷺ بقیع میں پہنچے اور دیر تک کھڑے رہے۔ آپ نے تین مرتبہ دست مبارک کو اٹھا کر دعا فرمائی اور جلد ہی واپس ہوئے۔ میں نے بھی جلدی کی۔ آنحضرت ﷺ کے پہنچنے سے پہلے گھر میں آ گئی اور چپ چاپ آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔ جب آپ نے مجھ میں اضطراب کے نشانات مشاہدہ کیے تو فرمایا کہ اے عائشہ کیا حال ہے اور کیا ہوا کہ تم مضطرب معلوم ہوتی ہو۔ میں نے سارا قصہ عرض کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ سیاہی جو میں نے اپنے سامنے دیکھی تھی شاید تمہیں تھیں۔

میں نے کہا۔ بے شک یا رسول اللہ۔

آپ نے اپنا دست شفقت میرے سینہ پر مار کر فرمایا کیا تم نے گمان کیا تھا کہ خدا ورسول خدا تم پر ظلم کریں گے۔

میں نے کہا یا رسول اللہ خدا سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں ایسا ہی خیال تھا۔ لیکن میں کیا کروں۔ تقاضائے بشری نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور باہر سے آواز دی انہوں نے تم سے پوشیدہ رکھا۔ میں نے بھی ظاہر نہ کیا۔ جبریل علیہ السلام کی عادت ہے کہ جب تم لباس اُتارتی ہو گھر کے اندر نہیں آتے ہیں۔ اور میں نے بھی گمان کیا کہ تم سو رہی ہو۔ کیوں بیدار کر کے پریشان کروں۔ جبریل علیہ السلام وحی لائے تھے کہ آپ کے پروردگار حکم کرتے ہیں کہ آپ بقیع تشریف لے جائیں اور اہل بقیع کے لیے استغفار کریں۔

آپ کی دعا کے الفاظ نسائی کی روایت میں ایسے آئے ہیں السلام علیکم دار قوم مومنین وانا وایا کم مواعدون غدا موا کلون اور بعض روایت میں یہ لفظ بھی زیادہ کئے ہیں اللھم لا تحرمنا اجرھم ولا تفتنا بعد ھم۔

بیہقی کی روایت میں آیا ہے کہ یہ واقعہ نصف شعبان کی شب میں ہوا اور یہ بھی آیا ہے السلام علیکم اھل القبور یغفر اللہ لنا ولکم انتم لنا سلف ونحن بالاثر۔ اور ابی موہبہ غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آدھی رات کے وقت آنحضرت ﷺ نے مجھ کو بیدار کیا اور فرمایا مجھ کو حکم ہوا ہے کہ بقیع میں جاؤں اور اہل بقیع کے لیے بخشش کی دعا کروں۔ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ میں بقیع میں گیا۔ آپ نے قیام کیا اور فرمایا السلام علیکم یا اھل المقابر لیھن ما اصبحتم فیہ مما اصبح الناس فیہ اقبلت الفتن کقطع اللیل المظلم یتبع اخرھا اولھا الاخرۃ شرمن الاولی اس کے بعد فرمایا کہ اے ابو موہبہ جبرئیل علیہ السلام اللہ کی طرف سے دنیا کے خزانوں کی کنجیاں میرے پاس لائے اور مجھ کو مختار بنایا کہ چاہوں تو دنیا میں رہتا ہمیشہ

کے لیے اختیار کرلوں یا جنت میں درجات عالیہ کو پسند کرلوں یا پروردگار کی ملاقات کے لیے جلدی کروں۔ میں نے اپنے پروردگار کی ملاقات کو پسند کرلیا۔ ابو موہبہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ خزائن دنیا کی کنجیاں لے لیجیے اس کے بعد بہشت میں داخل ہو جایئے فرمایا نہیں خدا کی قسم اے ابو موہبہ میں اپنے پروردگار کی ملاقات کو چاہتا ہوں۔ اس کے بعد بقیع سے واپس ہوئے اور جس دردِ سر میں آپ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی ہے۔ وہ شروع ہو گیا اور ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ بقیع غرقد میں آئے اور تین مرتبہ فرمایا السلام علیکم یا اھل القبور۔ اور ارشاد فرمایا کہ آرام کرو تم اے مردو خلاص ہوئے تم ان فتنوں اور بلاؤں سے جو تمہارے بعد ہوں گی۔ اس کے بعد آپ اپنے اصحاب کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ یہ لوگ یعنی مردے تم سے بہتر ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ لوگ ہمارے بھائی ہیں۔ جس طرح یہ ایمان لائے ہم بھی ایمان لائے ہیں ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا ہے ہم بھی خرچ کرتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا سے گئے ہم بھی جائیں گے۔ پھر ان لوگوں کو ہم پر کس وجہ سے فضیلت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ دنیا سے گزر گئے اور اپنے اجر میں سے کوئی چیز دنیا میں نہ لی اور میں نہیں جانتا ہوں کہ تم اس کے بعد کیا کام کرو گے اور کیا کیا فتنے تمہارے درمیان میں ظاہر ہوں گے۔

ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم مقبرہ کی جانب تشریف لائے۔ اور فرمایا: السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون۔ پھر فرمایا کاش ہم اپنے بھائیوں کو دیکھتے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم میرے صحابی ہو۔ میرے بھائی وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے۔ اور انہوں نے ابھی تک ملک ہستی میں قدم بھی نہیں رکھا ہے۔ میں ان لوگوں کا حوض کوثر پر مقدمۃ الجیش ہوں گا صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کی اُمت کے جو لوگ آپ کے بعد آئیں گے اور آپ نے ان کو دیکھا تک نہیں ہے ان کو کس طرح سے پہچانیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے ایک

شخص کے پاس سیاہ گھوڑے ہوں اور دوسرے کے پاس ابلق۔ کیا وہ شخص اپنے گھوڑوں کو دوسرے سے جدا نہیں کر سکتا۔ میری امت بھی قیامت کے دن وضو کے آثار کی وجہ سے سفید پیشانی سفید پاؤں والے کیان گھوڑے کی طرح اٹھیں گے۔ حدیث میں آیا ہے کہ بقیع کے مقبرہ سے ستر آدمی بے حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے نہ تو اپنے جسم کو داغا ہو گا نہ کسی فال بد سے سروکار رکھا ہو گا بلکہ ہر کام میں خدائے تعالیٰ پر بھروسہ رکھا ہو گا۔ دوسری روایت میں ایک لاکھ کی تعداد آئی ہے۔ اور اعمال میں اتنا زیادہ کر دیا ہے کہ انہوں نے جادو بھی نہیں سیکھا۔

مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بقیع کے راستے سے مدینہ منورہ کو آ رہا تھا میرے ساتھ ابن راس جالوت بھی تھے جو اہل کتاب میں سے ہیں۔ جب اُن کی نظر بقیع پر پڑی تو کہا یہی ہے۔ یہی ہے۔ مصعب نے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے وہ کہنے لگے کہ میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ ایک مقبرہ دو سنگستان کے درمیان میں ہے جس کا نام کفتہ ہے۔ اس میں سے ستر ہزار آدمی ایسے اُٹھیں گے جن کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ اسی کے مثل دوسری خبریں مقبرہ بنی سلمہ کے لیے بھی آئی ہیں۔ یہ مقبرہ منزل بنی حرام کے نزدیک مدینہ منورہ کے غربی جانب جبل سلع کے دامن میں مساجد فتح کے راستہ پر ہے جیسا کہ مساجد کے ذکر میں معلوم ہو چکا ہو گا لیکن اب یہ مقبرہ مفقود ہے اور اس میں مردے دفن نہیں ہوتے ہیں۔ نیز بقیع کی فضیلت اس میں مردوں کا دفن کرنا، آنحضرت ﷺ کی محبت، آپ کے اصحاب کی مدینہ منورہ میں موت اور حضور ﷺ کی شفاعت وشہادت کی بشارت میں بہت سی احادیث اور اخبار موجود ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص مدینہ میں مرے اور بقیع میں دفن کیا جائے وہ حضور ﷺ کی شفاعت سے ممتاز ہو گا۔ حدیث میں آیا ہے کہ سب سے پہلے سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم زمین سے اٹھیں گے آپ کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد اہل بقیع پھر اہل مکہ۔ اور دوسری حدیث میں ہے من مات باحد

الحرمین بعث من الامنین یوم القیمۃ۔ ترجمہ: (جو شخص کہ دونوں حرموں میں سے کسی حرم میں مرے وہ قیامت کے دن آمنین کے گروہ میں اٹھایا جائیگا۔)

ایک اور حدیث ہے کہ دو مقبرے ایسے ہیں جن کی روشنی آسمان پر ایسی ہے جیسی کہ زمین پر چاند سورج کی۔ ایک تو مقبرہ بقیع ہے اور دوسرا مقبرہ عسقلان۔ کعب احبار سے روایت ہے توریت میں آیا ہے کہ بقیع کے مقبرہ پر ملائکہ مقرر ہیں اور جس وقت یہ بھر جاتا ہے تو اس کو اٹھا کر بہشت میں جھاڑ دیتے ہیں۔ لیکن بقیع کے مدفون بے شمار ہیں۔ اور بہت سے اصحاب جنت مآب نے حضور ﷺ کے زمانہ میں نیز حضور اکرم ﷺ کے بعد وفات پائی ہے۔ اسی مقبرہ متبرکہ میں دفن ہوئے ہیں۔ قاضی عیاض مدارک میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ دس ہزار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ اور ایسے ہی سادات اہل بیت نبوی سلام اللہ علیہم اور علمائے تابعین رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ جن کی قبور کا پورا پورا پتہ معلوم نہیں مگر بعض کے قبور کی سمت ضرور معلوم ہوئی ہے۔ کیونکہ زمانہ سلف میں بنائے قبور یا اُن کے نام لکھنے کا دستور نہ تھا۔ یقیناً بوجہ طول زمانہ ان کے نشانات مٹ گئے ہیں اور اس زمانہ میں جو بعض قبریں اور قبے بنائے گئے ہیں یہ سارے گمان غالب کے اعتبار پر بنائے گئے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں پتہ نہیں چلتا۔ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل۔ ان قبروں کا بیان جو بعینہٖ یا بحیثیت سمت کے معلوم ہیں۔

قبر ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قبر عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

آپ سب سے پہلے شخص ہیں جو بقیع میں دفن ہوئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی موت کے بعد ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا کہ ان کو بقیع میں دفن کرو تا کہ ہمارے لیے اس معاملے میں یہ مقدمۃ الجیش ہوں اور فرمایا السلف سلفنا عثمان بن مظعون۔ ترجمہ۔ (کیا ہی عمدہ مقدمۃ الجیش ہمارے لیے عثمان بن مظعون ہیں)۔ اس وقت بقیع میں غرقد نامی درخت بہت لگے ہوئے تھے۔ اسی سبب سے اس مقام کو بقیع غرقد کہتے ہیں۔ آپ نے ان درختوں کو نکال کر زمین صاف کی اور عثمان بن مظعون کو دفن کیا۔ آپ

کی قبر دار عقیل کی شرقی جانب ہے۔ اس وقت بھی ان کا قبہ وہاں پر موجود ہے۔
آنحضرت ﷺ نے اس کا نام روحا رکھا ہے یہ مقام بقیع کے وسط میں ہے حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے مہاجرین میں سے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ان کو کہاں دفن کریں آپ نے فرمایا کہ بقیع میں قبر تیار کرو۔ قبر سے ایک پتھر نکلا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو اٹھا کر قبر کی پائنتی نصب کر دیا اور ایک روایت میں ہے کہ سرہانے نصب کیا۔ جب مروان ابن الحکم مدینہ منورہ کا والی مقرر ہوا ایک دن اس کا گزر عثمان بن مظعون کی قبر پر ہوا حکم دیا کہ اس پتھر کو یہاں سے اٹھا کر پھینک دو۔ میں نہیں چاہتا کہ عثمان بن مظعون کی قبر پر کوئی ایسی علامت رہے جس کے ذریعہ سے وہ ممتاز اور معین ہوں بنو اُمیہ نے اس کو اس حرکت پر ملامت کی اور کہا کہ تو نے بہت ہی بُرا کیا۔ جس پتھر کو پیغمبر خدا ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اٹھا کر رکھا تھا تو نے جدا کر دیا۔ مروان نے کہا میں حکم دے چکا اب اس کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس نے حکم دیا کہ اس پتھر کو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی قبر پر رکھیں۔
ابوداؤد کی روایت میں بیان کرتے ہیں کہ جب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو دفن کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایک پتھر لاؤ۔ وہاں ایک بہت بڑا پتھر تھا جس کو کوئی اٹھا نہ سکتا تھا۔ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آستین چڑھا کر ایک ہی مرتبہ میں اس پتھر کو اٹھا لیا اور عثمان بن مظعون کے سرہانے رکھ دیا۔ اور یہ فرمایا کہ اس پتھر سے اپنے بھائی کے قبر کی نشانی کرتا ہوں۔ میرے گھر والوں میں سے جو شخص مرے گا یہیں دفن کروں گا۔
عثمان بن مظعون کی قبر حضور اکرم ﷺ کے مکان کے مقابل تھی جو شخص یہاں کھڑا ہوتا بغیر رکاوٹ اس کی نظر آنحضرت ﷺ کے گھر پر پڑتی۔ اس کے بعد سیدنا ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا۔ آپ چھ مہینے کے تھے اور بقول بعض اس سے زیادہ۔ آپ نے فرمایا کہ عثمان بن مظعون کی قبر کے پاس بقیع کے اندر دفن کرو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ابراہیم کے لیے جنت میں ایک انا ہوگی جو ان کی ایام شیر خوارگی کو پورا کرے گی۔
عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک سے

ابراہیم کی قبر پر مٹی ڈالی اور پانی چھڑکا۔ اس سے پہلے کسی قبر پر پانی نہیں چھڑکا گیا تھا۔ ان کی قبر پر سنگ ریزے بھی چنے ۔ جب دفن سے فارغ ہوئے تو فرمایا السلام علیکم۔ جب سیدنا ابراہیم کی قبر بقیع میں بن گئی تو ہر قبیلہ نے ایک گوشہ میں اپنا مقبرہ تجویز کر لیا اور بقیع مرقد مسلمانوں کا قبرستان ہو گیا۔

قبر رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جب ان کی وفات ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ ان کو ہمارے مقدمہ الجیش عثمان بن مظعون کے پاس دفن کرو۔ لہٰذا ان کی قبر کے متصل حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو دفن کیا گیا۔ حدیث میں ہے کہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو عورتوں کی ایک جماعت نے اُن پر رونا شروع کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مار کر منع کیا اور جھوکا۔ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ رونے دو جو حرکت ہاتھ اور زبان سے ہوتی ہے وہ شیطان کی جانب سے ہے ورنہ رونا بغیر نوحہ کے منع نہیں ہے۔

روایت ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر کے کنارے روتی تھیں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑے کے کنارے سے ان کے آنسو پونچھتے تھے۔ مشہور ہے کہ آنحضرت ﷺ رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال میں موجود نہ تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی تیمارداری کے لیے چھوڑ کر غزوہ بدر کو روانہ ہو گئے تھے۔ جب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر کی فتح کی خوشخبری لائے تو عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کی قبر پر کھڑے ہیں اور دفن کر رہے ہیں۔ جو بات صحت کو پہنچی ہے وہ آنحضرت ﷺ کی اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کے دفن کے وقت کی موجودگی ہے۔ اور شاید پہلی خبر جس سے حضور ﷺ کی موجودگی سمجھی جاتی ہے ان کے دفن میں ہے۔ یا زینب رضی اللہ عنہا کے انتقال میں جو ۸ ہجری میں ہوا ہے۔ سید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو عثمان بن مظعون کی قبر کے نزدیک دفن کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے عثمان بن مظعون کے دفن اور ان کی قبر کے نزدیک پتھر رکھتے وقت فرمایا تھا کہ میں اپنے اہل بیت کو ان کے قریب دفن کیا کروں گا۔ اور اس وقت اُسی مقام کے قریب

ایک قبر ہے اس کو قبہ عات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔

قبر فاطمہ بنت اسد

ام امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ۔ بہ روایت محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب یہ بھی سیدنا ابراہیم اور عثمان بن مظعون کی قبر کے نزدیک دفن ہیں۔اور دوسری روایتیں بھی اس کی تائید میں آئی ہیں۔ سمہودی کہتے ہیں کہ اس وقت اس جگہ کے متعلق لوگوں کا جو یہ اعتقاد ہے کہ جو قبہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کا قبہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے شمالی جانب ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ اگرچہ بعض مورخین نے اس کی موافقت بھی کی ہے۔ سمہودی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سرور انبیاء ﷺ اُس محبت اور شفقت کے باوجود جو اُن سے رکھتے تھے ان کو بقیع سے دور دفن کرتے حالانکہ عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفن کے وقت جو الفاظ آپ نے ادا فرمائے تھے وہ ابھی معلوم ہو چکے تھے۔ اب جب کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا مشہد بقیع میں حقیقتاً داخل نہیں ہے اور یہ قبہ جو فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب ہے بذاتِ خود دور ہے تو فاطمہ بنت اسد کا اس میں دفن کرنا بہت ہی بعید بات ہے۔ محمد بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کے انتقال کا وقت نزدیک آیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب ان کا انتقال ہو تو مجھے خبر کرنا اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ مسجد کی اس جگہ میں جس کو آج کل قبر فاطمہ کہتے ہیں قبر کھود کر بغلی بناؤ۔ جب لحد کھودنے سے فارغ ہوئے تو سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں اُترے اور لحد میں لیٹ گئے پھر قرآن پڑھا اس کے بعد اپنے جسم مبارک سے پیراہن شریف اُتارا اور فرمایا کہ اس کو ان کے کفن میں داخل کرو۔ اور ان کی قبر کے پاس نو تکبیروں سے نماز ادا فرمائی۔ اور فرمایا کہ قبر کے دبانے سے کوئی شخص بے خوف اور محفوظ نہیں ہوسکا سوائے فاطمہ بنت اسد کے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا قاسم بھی نہیں۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز فرزند صغر سنی ہی میں اس عالم سے تشریف لے گئے تھے آپ نے فرمایا بلکہ ابراہیم بھی نہیں۔ یعنی قاسم کے متعلق کیا پوچھتے ہو ابراہیم جو ان سے بہت چھوٹے تھے وہ بھی بے خوف نہیں

ہیں۔ جابر ابن عبداللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے اصحاب کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص خبر لایا عقیل اور جعفر اور علی کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اٹھو ہم اپنی ماں کی طرف چلیں۔ آپ اُٹھے اور آپ کے اصحاب بھی نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ آپ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ جب فاطمہ کے دروازے پر پہنچے تو آپ نے اپنے جسم مبارک سے پیراہن شریف اُتارا اور لوگوں کو دے کر فرمایا کہ غسل کے بعد کفن کے نیچے پہنا دو۔ جب اُن کا جنازہ باہر آیا تو جنازہ کا پایہ اپنے شانہ مبارک پر رکھا۔ اور راستہ میں کبھی جنازہ سے آگے اور کبھی اُس کے پیچھے چلتے تھے۔ جب قبر پر پہنچے تو لحد میں اُتر کر لیٹ گئے اور پھر باہر نکلے اور فرمایا کہ جنازہ لاؤ۔ بسم اللہ وعلی اسم رسول اللہ۔ بعد دفن کے قبر کے سرہانے کھڑے ہوئے اور فرمایا جزاك اللہ من ام وربیۃ۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم نے آپ سے فاطمہ بنت اسد کے متعلق دو خاص باتیں دیکھیں جو کبھی کسی اور کے متعلق نہیں دیکھی تھیں۔ ان کے لیے آپ نے اپنا کُرتہ اُتارا اور اس کو اُن کا کفن بنایا۔ دوسرے آپ اُن کی لحد میں اُترے اور لیٹ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ کُرتہ دینے سے میری یہ غرض تھی کہ ان کو آتشِ دوزخ نہ چھوئے اور لحد میں لیٹنے سے یہ مقصد تھا کہ ان کی قبر کشادہ ہو جائے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بھی اُن کے بعد ابوطالب کے سوا اتنا نیکوکار نہ تھا۔ میں نے اُنہیں اپنا پیراہن اس لیے پہنایا کہ ان کو حلہائے بہشت ملے۔ اور ان کی قبر میں میں اس واسطے لیٹا کہ بلائے قبر سے اُن کو امن رہے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان کے سرہانے بیٹھ کر فرمایا امی بعد امی اور بہت ثنا کی۔ اپنا پیراہن شریف ان کے کفن میں رکھا۔ اس کے بعد اُسامہ بن زید اور ابوایوب انصاری وعمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ان کے لیے قبر کھودیں اور لحد اپنے دستِ اقدس سے بنائی اور خود ہی اس کی مٹی نکالی پھر آپ نے لحد میں لیٹ کر فرمایا اللہ الذی یحیی ویمیت وھو حی لا یموت اغفر لامی فاطمۃ بنت اسد

ووسع علیها مدخلها بحق نبیک والانبیاء قبلی فانک ارحم الراحمین ۔اور چار تکبیریں پڑھ کر لحد سے نکل آئے۔عباس وابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما بھی آپ کے ساتھ تھے۔عبدالعزیز بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ پانچ آدمیوں کے سوا کسی کی قبر میں کبھی نہیں لیٹے۔ان میں تین عورتیں تھیں اور دو مرد۔ایک خدیجہ رضی اللہ عنہا جن کی قبر مکہ میں ہے اور چار دوسری جن کی قبریں مدینہ منورہ میں ہیں۔اول خدیجہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے جن کو آنحضرت ﷺ نے اپنی گود میں پرورش کیا تھا۔ دوسرے عبداللہ المزنی جن کو ذوالبجادین کہتے ہیں۔تیسری اُم رومان یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی والدہ تھیں۔چوتھی فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہم اجمعین۔

قبر عبدالرحمٰن بن عوف

ان کی قبر عثمان بن مظعون کی قبر کے پاس ہے۔رضی اللہ عنہما۔ابن زبالہ حمید بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف کا جب اخیر وقت تھا تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک آدمی بھیجا کہ اگر تمہاری خواہش ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کریں جہاں تمہارے بھائی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔انہوں نے جواب دیا کہ تمہارا گھر تنگ ہو جائے گا۔اس لیے میں نہیں چاہتا۔میرے اور عثمان بن مظعون کے درمیان عہد تھا کہ ہم دونوں میں سے جو کوئی مرے ایک دوسرے کے پہلو میں دفن ہو اس کو سن کر عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب اُن کا انتقال ہو تو اُن کا جنازہ میرے گھر کے سامنے سے لے جانا۔چنانچہ سب نے ویسا ہی کیا۔عائشہ رضی اللہ عنہا نے اُن پر نماز ادا کی۔کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے حجرہ میں ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔بعض روایتوں میں آیا ہے کہ عیسٰی بن مریم اس جگہ دفن ہوں گے۔لہٰذا حکمت الٰہی اس کی مقتضی ہے کہ کسی کو وہ جگہ دفن کے لیے میسر نہ ہو۔چنانچہ تاریخ دانوں پر روشن ہے۔

قبر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

ابن شیبہ ابن دہقان سے روایت کرتی ہیں کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان کو بلا

کر اپنے ہمراہ بقیع کی طرف لے گئے اور چند میخیں بھی اپنے ساتھ لیتے گئے تھے۔ جب عقیل کے گھر مشرقیہ شامیہ گوشے میں پہنچے جہاں عثمان بن مظعون کی قبر ہے۔ مجھ سے کہا کہ یہاں پر ایک قبر تیار کرو۔ اور جو میخیں اپنے ساتھ لے گئے تھے وہاں گاڑ دیں۔ اور کہا کہ جب میں مر جاؤں تو یہ جگہ میرے آدمیوں کو دکھلا دینا تاکہ مجھے یہیں دفن کریں۔ ان کے انتقال کے بعد یہ خبر میں نے ان کے لڑکے کو پہنچا دی۔ لہٰذا ان کو اسی جگہ دفن کیا گیا۔

قبر عبداللہ بن مسعود

ابن سعد اپنے طبقات میں نقل کرتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ مجھ کو عثمان بن مظعون کی قبر کے نزدیک دفن کرنا اور ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا۔ ۳۲ھ میں بقیع کے اندر دفن ہوئے ہیں۔ اور بعض تاریخوں میں ہے کہ ان کا انتقال کوفہ میں ۳۶ھ میں ہوا۔ واللہ اعلم۔

قبر ابن خدافۃ السہمی

آپ مہاجرین اولین اور اصحاب الہجرتین سے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ سے پہلے حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے شوہر تھے۔ اُحد کے دن ان کے ایک زخم لگا تھا اُس کی وجہ سے ماہ شوال ۳ھ میں مدینہ منورہ کے اندر انتقال فرمایا اور عثمان بن مظعون کا انتقال ماہ شعبان ۳ ہجری میں ہوا تھا۔

قبر سعد بن زرارہ

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کے وقت ہجری کے سنہ اول میں ان کا انتقال ہوا۔ آپ کی قبر روحا میں عثمان بن مظعون کی قبر کے نزدیک ہے۔ سب کو چاہیے کہ سیدنا ابراہیم کی زیارت کے وقت اُن جملہ اصحاب مذکورہ پر سلام بھیجیں۔ انہیں کے قبہ میں دیوار کے اوپر ان حضرات کے نام بھی لکھے ہیں۔ لیکن ان دونوں قبوں میں جو دو تین قبریں موجود ہیں ان کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ سمہودی نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

قبر حضرت فاطمہ زہرا بنت حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

معلوم ہو کہ حضرت سیدۃ النساء فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے مرقد مطہرہ کی تعیین میں مختلف چیزیں ہیں۔ جس طریقہ سے آپ کا حلیہ کمال آپ کی حیات میں اجنبیوں کی آنکھ سے چھپا ہوا تھا۔ اسی طرح سے اُن کا مصبحِ جمال انتقال کے بعد بھی پوشیدہ ہی رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی وصیت کے بموجب کسی امیر وفقیر کو آپ کی موت اور دفن سے مطلع نہیں کیا گیا۔ ان کی نماز اور جنازہ میں بھی کسی کو نہیں بلایا گیا۔ صرف علی مرتضیٰ اور چند اہل بیت تھے۔ رات ہی میں آپ کو دفن کیا گیا۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ آپ کا مرقد مطہرہ بقیع میں ہے جس جگہ تمام اہل بیت نبوت آرام فرما رہے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آپ کو آپ کے مکان ہی میں دفن کیا گیا ہے۔ جو مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں دوسرے اقوال بھی ہیں۔ اُن میں سے بعضے قول کچھ صحت کے قریب ہیں جو اخیر مضمون میں اشارتاً بیان کیا جائے گا۔ سمہودی کی تاریخ میں طرفین کی روائتیں ذکر کی گئی ہیں۔ بعضے اقوال کی ترجیح اور تضعیف بھی کی گئی ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ قوم کے نزدیک قول اوّل درست ہے۔ واللہ اعلم۔

میں چند روایتیں اس کے متعلق نقل کرتا ہوں۔ یہاں پر راجح اور مرجوح سے بحث نہیں ہے۔ محمد بن علی بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر دار عقیل کے یمانیہ گوشہ میں بقیع کے اندر ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ان کی قبر شریف اسی جگہ ہے۔ دار عقیل سے قبر شریف تک جو فاصلہ ہے وہ بعض روائتوں سے ۲۳ گز اور بعض سے ۲۷ گز معلوم ہوتا ہے اور امام المسلمین حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کے دفن کی بابت کہا جاتا ہے کہ انہوں نے وصیت فرمائی تھی کہ اگر لوگوں کی رائے میرے جد بزرگوار صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دفن کرنے کی نہ ہو تو مجھے میری والدہ کے پاس بقیع میں دفن کرنا۔ یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی قبر بقیع میں ہو گی جہاں پر امام حسن رضی اللہ عنہ کی قبر ہے۔ اور امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ وعلیٰ آبائہ الکرام سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ

علیہا کو ان کے حجرہ ہی میں دفن کیا گیا تھا جس کو عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد میں داخل کر دیا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آپ کے گھر ہی میں دفن کیا۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو چونکہ رات ہی میں دفن کر دیا گیا تھا اس لیے کسی کو معلوم نہ ہوا۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا نے وفات کے اس وقت فرمایا تھا کہ مجھے اپنے جسم کے اظہار سے شرم آتی ہے۔ مجھے مردوں کے سامنے نہ رکھیں۔ اس وقت کی رسم بھی ایسی ہی تھی کہ عورتوں کی نعش کو مردوں کی طرح لے جاتے تھے اسماء بنت عمیس خثعمیہ اور ایک اور روایت میں ہے کہ ام سلمہ نے کہا ''میں نے حبشہ میں دیکھا ہے کہ میت کے لیے ایسا تابوت بناتے ہیں جس سے کامل پردہ پوشی ہو جاتی ہے۔ ہم تمہارے لیے بھی ایسا ہی کریں گے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے غسل و کفن کی ذمہ دار اسما بنت عمیس اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہوں۔ دوسرے شخص کا وہاں پر کوئی دخل نہ ہو۔ یہ روایت اس بات کی تردید کرتی ہے جو لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی وفات کا علم نہ تھا اس وجہ سے آپ ان کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔ کیونکہ اسماء بنت عمیس اس زمانے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں غیر ممکن ہے کہ ان کی بیوی شریکِ میت ہوں اور غسل بھی دیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع نہ ہو۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ممکن ہے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہو اور حاضری کا قصد بھی کیا ہو لیکن حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کے اخفا میں کوشش کی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہ چاہا کہ خلافِ مقصد علی مرتضیٰ شرکت کریں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی اس میں کوئی مصلحت ہو۔

شیخ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں ممکن ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہو اور خیال کیا ہو کہ شاید علی مرتضیٰ شرکتِ نماز اور دفن کے لیے مطلع فرمائیں اور علی رضی اللہ عنہ نے گمان کیا ہو کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بغیر بلائے ہوئے شریک ہو جائیں گے واللہ اعلم۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علم وفات حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے سلسلے میں اس سے بھی صحیح تر خبر یہ ہے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے اپنی موت کے بعد

اپنے جنازے کے اظہار کو نا پسند فرمایا تھا اسماء بنت عمیس نے کھجور کی ٹہنیوں سے حبشیوں کے طریق پر گہوارہ بنا کر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو دکھلایا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس کو دیکھ کر خوشی ظاہر کی اور تبسم فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سے اس وقت تک کسی نے جناب زہرا رضی اللہ عنہا کو تبسم فرماتے یا خوش ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے اسماء بنت عمیس سے وصیت فرمائی تھی کہ تو اور علی رضی اللہ عنہ مجھے غسل دینا۔ کسی دوسرے کو نہ آنے دینا کہ میرے انتقال کے بعد میرے دروازے پر آئے۔ جب آپ نے وفات فرمائی تو حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا نے آ کر چاہا کہ گھر کے اندر داخل ہوں۔ اسماء بنت عمیس نے ان کو مکان میں آنے سے روک دیا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد سے شکایت کی کہ اس خثعمیہ کو کیا ہو گیا ہے کہ میرے اور بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حائل ہوتی ہے اور مجھ کو ان کے پاس جانے سے روکتی ہے۔ اور ان کے جنازے کے لیے اپنی جانب سے مثل ہودج عروس بنایا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے دروازے پر آ کر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے اسماء نبی کی بیوی کو کس لیے نبی کی بیٹی کے پاس آنے سے روکتی ہو اور تم نے ان کے لیے ہودج عروس کے مثل کیا چیز بنائی ہے۔ اسماء نے کہا کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے مجھ کو حکم دیا تھا کہ کسی شخص کو ان کے پاس نہ آنے دوں اور جو ہودج میں نے بنایا ہے میں نے حالت حیات میں ان کو دکھلا دیا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہ واقعہ ہے تو انہوں نے جو کچھ تم سے وصیت کی ہے اس کو پورا کرو۔ یہ روایت جس طرح سے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی وفات کا علم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہونا بتلاتی ہے یہ اسی طرح سے اُن کا ان کے حجرے میں دفن نہ ہونا بھی ثابت کرتی ہے ورنہ گہوارہ بنانے کی اور لوگوں سے چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔

بعض غریب روایتوں میں آیا ہے کہ ایک دن صبح حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت خوش اٹھیں اور باندی سے فرمایا کہ غسل کے لیے پانی رکھو۔ آپ نے نہایت احتیاط سے غسل فرما کر پاکیزہ کپڑے پہنے اور گھر میں ایک بستر بچھایا۔ پھر قبلہ رو ہو کر

سونے کے واسطے لیٹیں اور اپنے دستِ مبارک کو رخسار شریف کے نیچے رکھا۔ پھر فرمایا کہ اب میں مرتی ہوں۔ میں نے غسل بھی کر لیا ہے اور کپڑا بھی پہن لیا ہے۔ مرنے کے بعد کوئی شخص بھی مجھ کو نہ کھولے اور اسی مقام پر جس طرح سوئی ہوئی ہوں دفن کر دیں۔ جب علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ گھر میں تشریف لائے تو آپ سے یہ قصہ بیان کیا گیا آپ نے دیکھا کہ ان کی روح پاک تو اعلیٰ علیین کو پہنچ گئی ہے۔ حضرت علی سلام اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کو کوئی شخص نہ کھولے اسی سابق غسل اور لباس میں دفن فرمایا۔ اس حدیث کی روایت میں اختلاف ہے ابن جوزی تو اس کو موضوعات میں ذکر کرتے ہیں اور یہ بنت عمیس کی حدیث کے مخالف بھی ہے اسماء کی حدیث امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے علاوہ بہت سے علماء حدیث نے نقل کی ہے اور استدلال میں پیش کی ہے واللہ اعلم۔ مسعودی نے مروج ذہب میں بیان کیا ہے کہ امام حسن، زین العابدین، محمد باقر اور جعفر صادق سلام اللہ علیہم کی قبروں کے پاس ۳۳۲ ہجری میں ایک پتھر ملا ہے۔ جس پر لکھا ہوا تھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ الحمد للّٰہ مبید الامم ومحی الرمم هذا قبر فاطمة بنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه واله وسلم سیدة نساء العالمین وقبر حسن بن العلی وعلی بن الحسین بن علی وقبر محمد بن علی وجعفر بن محمد علیهم السلام۔

جس کلام کا ذکر کیا گیا ہے یہ اس کے مضمون سے بھی ظاہر ہوتا ہے اور ایک دوسرا قول بھی ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر اس مسجد میں ہے جو بقیع میں ان کی طرف منسوب ہے۔ یہ قبہ عباس میں قبلہ کی جانب مائل بشرق واقع ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بقیع کی زیارت کے تذکرہ میں اس مسجد کا ذکر کیا ہے اور اس میں نماز پڑھنے کی تاکید کی ہے۔ دوسرے لوگوں نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ مسجد بیت الحزن کے نام سے مشہور ہے اس لیے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے غم میں لوگوں سے علیحدہ ہو کر وہاں پر قیام فرمایا تھا۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ بقیع کے اس مقام پر علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے سکونت فرمائی تھی واللہ اعلم۔ محب طبری ذخائر العقبےٰ میں بیان

کرتے ہیں کہ مجھ سے ایک نیک آدمی نے جو خدا واسطے مجھ سے دوستی رکھتے تھے بیان کیا ہے کہ جب شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد شیخ ابوالعباس مرسی بقیع کی زیارت کرتے تھے تو قبہ عباس کے سامنے کھڑے ہو کر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا پر سلام بھیجتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھ پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر اسی مقام پر منکشف ہوئی ہے۔ شیخ ابوالعباس مرسی اپنی صفت کشف میں قوم کے اندر مشہور ہیں۔ طبری کہتے ہیں کہ ایک مدت دراز تک شیخ کے متعلق یہی خیال تھا۔ یہاں تک کہ ابن عبدالبر نے امام حسن علیہ السلام کی وفات کے متعلق جو خبر نقل کی ہے میں نے دیکھی تو شیخ نے اپنے کشف سے جو کچھ بتایا تھا اس پر میرا اعتقاد اور زیادہ ہو گیا۔ سید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ تمام قولوں میں یہ بات راجح ہے اگرچہ اس سے پیشتر بعضے شافعیہ نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے مکان کے اندر دفن ہونے کو بھی راجح کہا ہے۔ واللہ اعلم۔ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی وفات منگل کے روز تیسری رمضان ۱۱ ہجری میں ہوئی ہے۔

قبر امام المسلمین حسن بن علی مرتضے رضی اللہ عنہ

روایت ہے کہ جب حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو ایک آدمی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ اگر آپ اجازت دیں تو امام حسن رضی اللہ عنہ کو حجرہ کے اندر نانا کے پہلو میں دفن کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قبول فرمایا اور کہا کہ ایسا ہی ہوگا۔ وہاں پر ایک قبر کی جگہ بھی خالی ہے۔ بنو امیہ نے جب یہ خبر سنی تو ہتھیار بند ہو کر لڑائی کے لیے آمادہ ہو گئے اور بنو ہاشم بھی ان کے ہم نوا ہو گئے جب حسن رضی اللہ عنہ نے سنا کہ جنگ کی نوبت پہنچ گئی ہے تو آپ نے اپنی ذاتی خصلت کے پیش نظر کہ صلح اور امن کو پسند فرماتے تھے کہا کہ اگر نوبت لڑائی تک پہنچ گئی ہے تو میں راضی نہیں ہوں۔ مجھ کو بقیع میں میری والدہ کے پہلو میں دفن کرو۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ انتقال کے وقت امام حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھ کو میرے نانا کے پہلو میں دفن کرنا لیکن اگر بنو امیہ منع کریں تو ان سے جھگڑا مت کرنا۔ اور مجھ کو بقیع غرقد میں دفن کرنا۔ کیونکہ ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دفن کرنے سے منع کر دیا تھا۔ آخر کار نتیجہ وہی ہوا جو

آپ نے خبر دی تھی۔ مروان جو مدینہ کا حاکم تھا۔ لڑائی کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ میں ہرگز روا نہیں رکھتا کہ حسن بن علی کو پیغمبر کے حجرہ میں دفن کریں اور عثمان باہر پڑے رہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے اصحاب جو اُس وقت مدینہ میں موجود تھے کہہ رہے تھے کہ واللہ یہ صراحتاً ظلم ہے کہ حسن کو اُن کے نانا کے پہلو میں دفن ہونے سے روکا جائے۔ اس کے بعد امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ آپ کو آپ کے بھائی نے وصیت کی ہے کہ اگر لڑائی کی نوبت ہو تو مجھے مسلمانوں کے مقبرے میں دفن کرنا اور قوم سے مت لڑنا۔ آخر کار ان حضرات کی خوشامد سے ان کو بقیع میں دفن کر دیا رضی اللہ عنہ اور بعض رواتیوں میں آیا ہے کہ اُس زمانہ میں معاویہ کی جانب سے مدینہ منورہ کا امیر سعد ابن العاص تھا۔ جب امام حسن رضی اللہ عنہ کا جنازہ مکان سے باہر لائے تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا کہ آگے بڑھیے اور نماز پڑھایئے اگر میرے نانا کی یہ سنت نہ ہوتی کہ جنازہ کا امام امیر کو ہونا چاہیے تو تم کو ہرگز امام نہ بناتا۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کی قبر کے نزدیک امام زین العابدین ابن امام حسین اور امام جعفر صادق ابن امام محمد باقر رضی اللہ علیہم اجمعین کی قبریں ہیں۔ حقیقت میں تمام ائمہ ایک ہی مقبرہ میں مدفون ہیں۔ اس بڑے قبہ کو قبہ عباس کہتے ہیں۔ زبیر بن بکار روایت کرتے ہیں کہ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے جسم شریف کو بھی لا کر بقیع میں دفن کیا۔

سید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ۸۹۲ بلکہ ۶۹۳ھ میں مشہد حسین وعباس میں قبلہ کی جانب ایک قبر کھود رہے تھے کہ زمین سے ایک لکڑی کا صندوق نکلا جو سرخ نمدہ میں لپٹا ہوا تھا اور اس پر کیلیں جڑی ہوئی تھیں۔ سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ تھی کہ صندوق کی کیلیں بدستور چمک رہی تھیں۔ زنگ کا کچھ بھی اثر نہ تھا اور تابوت کا کپڑا اُترا نہیں ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ جسم شریف علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کا ہو جیسا کہ زبیر بن بکار نے روایت کیا ہے اور روایت ہے کہ یزید بن معاویہ نے سر مبارک حضرت امام المومنین حسین بن علی مرتضےٰ سلام اللہ علیہ کا عمرو بن العاص کے پاس جو اُس بدبخت کی جانب سے مدینہ منورہ کا حاکم تھا بھیجا

انہوں نے اس کی تجہیز وتکفین بقیع کے اندر اُن کی والدہ کی قبر کے پاس کر دی۔

بعض محدثین نے بیان کیا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو یزید کی ہلاکت کے بعد لوگوں نے اس کے خزانہ میں پایا اور کفن دے کر دمشق میں باب الفرادیس کے قریب دفن کیا۔ اس کے متعلق اور بھی اقوال آئے ہیں۔ بہر حال اس مشہد کی زیارت کے وقت تمام ائمہ ہدایت کے مطابق سلام پڑھیں تو بہتر ہے۔

قبر عباس بن عبدالمطلب

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا رضی اللہ عنہ) ابن شیبہ روایت کرتے ہیں کہ عباس بن عبدالمطلب کو فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کی قبر کے نزدیک بنی ہاشم کے پہلے مقبرہ میں جو دار عقیل کے گوشے میں ہے دفن کیا گیا اور یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ کو بقیع کے وسط میں ایک جگہ پر دفن کیا گیا۔ اس وقت یہاں پر ایک بڑا قبہ ہے۔ اسی میں عباس اور تمام ائمہ کی قبریں ہیں جیسا کہ معلوم ہو چکا۔

قبر صفیہ بنت عبدالمطلب

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی) ابن شیبہ بیان کرتے ہیں کہ جو گلی بقیع کو جاتی ہے اس کے اخیر پر مغیرہ بن شعبہ کے مکان کے نزدیک اُن کو دفن کیا گیا۔ یہ مقام عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مغیرہ کو جاگیر میں دے دیا تھا۔ جب مغیرہ بن شعبہ نے مکان بنانا چاہا تو زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اس مقام کے قریب سے گزرے تو فرمایا کہ میں یہ نہیں چاہتا ہوں کہ تم اپنی دیوار میری ماں کی قبر پر بناؤ۔ مغیرہ چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نسبت رکھتے تھے اس لیے ان کے کہنے پر عمل نہ کیا۔ زبیر رضی اللہ عنہ تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی تو آپ نے مغیرہ کے پاس آدمی بھیج کر تعمیر سے منع کر دیا۔ اور اب ان کی قبر مدینہ منورہ کی شہر پناہ کے متصل بقیع کی طرف ہے۔

قبر ابی سفیان بن الحارث

(ابن عبدالمطلب ابن عم المصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہ) نقل کرتے ہیں کہ

عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان ابن الحارث کو دیکھا کہ مقبرے میں پھر رہے ہیں۔ دریافت کیا کہ اے بھائی کیا ڈھونڈتے ہو کہا اپنے دفن کے لیے ایک قبر کی جگہ ڈھونڈتا ہوں۔ عقیل ان کو اپنے گھر میں لائے اور ایک مقام معین کر دیا تاکہ وہاں پر اُن کی قبر کھودی جائے۔ ابوسفیان تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے گئے۔ اس قصہ کو دو دن نہیں گزرے تھے کہ ابوسفیان کا انتقال ہو گیا اور وہیں دفن کیے گئے۔ ان کی وفات ۲۰ھ میں ہوئی۔ نماز جنازہ عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ عقیل ابن ابی طالب کے قبہ کی اندرونی دیوار پر سفیان اور عبداللہ بن جعفر کا نام لکھا ہوا ہے۔ سید سمہودی کہتے ہیں کہ ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو قبہ عقیل کی طرف منسوب ہے اس میں ابوسفیان بن حارث مدفون ہیں اس لیے کہ ابن زبالہ اور ابن شیبہ نے عقیل کی قبر بقیع میں بیان نہیں کی ہے۔ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب احیاء میں ان لوگوں کی زیارت کے متعلق جن کی بقیع میں زیارت کرتے ہیں عقیل کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ ابن قدامہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ عقیل کی وفات معاویہ کی امارت کے زمانے میں شام کے اندر ہوئی۔ اور ان کی طرف اس قبہ کی نسبت اس وجہ سے ہے کہ ان کا مکان یہیں تھا۔ جیسا کہ بار بار گزر چکا ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ممکن ہے انہیں ملک شام سے لا کر یہاں دفن کیا گیا ہو۔ سب سے پہلے ابن النجار نے یہ بیان کیا ہے کہ عقیل کی قبر اُسی قبہ میں ہے۔ چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں کہ عقیل بن ابی طالب برادر علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کی قبر بقیع کے اوّل قبہ میں ہے اور ان کے ساتھ ان کے بھتیجے عبداللہ ابن جعفر طیار کی قبر ہے۔ ان کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی۔ رضی اللہ عنہ۔

بعض علمائے تاریخ بیان کرتے ہیں کہ وہ ابوا میں مدفون ہیں۔ جو کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے راستہ میں ہے ۹۰ھ میں انتقال ہوا۔ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر دس سال کی تھی تو گویا ان کی پیدائش ہجرت کے پہلے سال میں ہوئی تھی۔ رضی اللہ عنہ۔

ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہن کی قبریں بھی دار عقیل کے قریب ہیں۔ تاریک میں ہے کہ جب عقیل ابن ابی طالب نے اپنے مکان میں ایک کنواں کھودا تو

اس میں سے ایک پتھر نکلا جس پر لکھا ہوا تھا۔

قبر اُم حبیبہ بنت صخر بن حرب

حمل نے اس کوئیں کو پاٹ دیا اور قبر کے اوپر ایک عمارت تعمیر کر دی۔ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تمام روایتوں کا منشا یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُمہات المومنین کی قبریں اسی مقام پر ہیں جہاں پر اس وقت لوگ زیارت کرتے ہیں۔ مگر بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض اُم المومنین کی قبریں امام حسن اور عباس رضی اللہ عنہما کے مقبرے کے نزدیک ہیں۔ ابن شیبہ محمد بن یحییٰ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا ہے لوگ کہتے تھے بقیع میں جس جگہ محمد بن زید ابن علی مدفون ہیں وہاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر کے قریب حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی قبر ہے اور کہتے ہیں کہ اسی جگہ پر لوگوں نے تقریباً آٹھ گز زمین کو گہرا کھودا تو اس میں سے ایک پتھر نکلا جس پر لکھا ہوا تھا ہذا قبر ام سلمہ زوجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

صحیح بخاری میں ہے کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عبداللہ بن زبیر سے وصیت فرمائی تھی کہ مجھ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہر دو اصحاب کے پہلو میں دفن نہ کرنا بلکہ بقیع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے ہمراہ دفن کرنا۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا مزار مکہ معظمہ میں ہے۔ میمونہ رضی اللہ عنہا کی قبر سرف میں تنعیم کے قریب ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ان کا نکاح وخلوت بھی سرف ہی میں ہوا ہے۔

قبر امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

ابن شیبہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت عثمان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ میں دفن کرنا چاہا تھا۔ آپ نے اپنی حیات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے متعلق اجازت بھی لے لی تھی۔ مصریوں نے اس بات سے انکار کیا اور نہ صرف یہ کہ آپ کو وہاں دفن نہ ہونے دیا بلکہ آپ کی نماز جنازہ اور دفن میں سختی سے مانع آئے۔ ام المومنین اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابی سفیان مسجد کے دروازہ پر آ کر کہنے لگیں کہ واللہ مجھ کو اجازت

دو کہ میں اس مرد کو دفن کروں ورنہ میں باہر نکل آؤں گی۔ اور پردہ توڑ دوں گی اس کو سن کر
لوگ دفن کو منع کرنے سے باز رہے۔ جس رات آپ کو لوگوں نے شہید کیا تھا اس کی صبح کو
جبیر بن مطعم وحکیم بن حزام اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور بعضے دوسرے اصحاب آئے۔
آپ کو اُس مقام سے جہاں پڑے ہوئے تھے اُٹھایا اور بقیع میں لے گئے۔ انہیں لوگوں
میں سے ایک جماعت یہاں بھی مانع ائی۔ یہاں تک کہ حسن کوکب میں جو بقیع کے شرقی
جانب ایک باغ تھا اور اس کا تعلق ابان بن عثمان سے تھا وہاں لے گئے اور جبیر بن مطعم اور
دوسرے لوگوں کی ایک جماعت نے آپ پر نماز پڑھی اور اسی مقام پر ایک قبر تیار کر کے
آپ کو اس میں دفن کیا۔ اُسی کے برابر والی ایک دیوار گرا کر آپ کی قبر کو چھپا دیا اور واپس
چلے گئے۔ حسن کوکب بقیع سے خارج ایک مقام تھا۔ جس میں لوگ مردوں کو دفن کرنا بُرا
سمجھتے تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں پر کھڑے
ہوئے فرماتے تھے کہ ممکن ہے کوئی نیک آدمی انتقال کرے اور یہاں دفن ہو۔ اور اس کی
وجہ سے یہ مقام لوگوں کو مانوس ہو جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے شخص جو اس زمین میں دفن
ہوئے عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کے بعد جس زمانے میں معاویہ کی جانب سے مروان
مدینہ منورہ کا عامل تھا اس نے اس مقام کو بھی بقیع میں داخل کر دیا۔ اور جو پتھر رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون کے سرہانے رکھ کر نشان بنایا تھا کہ لوگ اس کے گرد دفن
کریں اور فرمایا تھا لاجعلنک للمتقین اماما۔ مروان نے اُس پتھر کو اُٹھایا اور عثمان بن
عفان کے سرہانے رکھ کر حکم دیا کہ لوگ ان کی قبر کے گرد دفن کیا کریں۔

قبر سعد بن معاذ الاشہلی رضی اللہ عنہ

خندق کے روز ان کے ایک زخم لگا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ
کے معاملے میں فیصلہ کرنے کے لیے طلب فرمایا۔ (جس کا تذکرہ بنو قریظہ کی مسجد کے ذکر
میں ہو چکا ہے) تو جو خون ان کے زخم سے بہتا تھا وہ بند ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں حاضر ہوئے اور بنو قریظہ کے متعلق فیصلہ کر دیا۔ اس کے بعد جب اپنے گھر
گئے تو زخم پھٹ گیا اور کثرت سے خون بہہ جانے کی وجہ سے انتقال ہو گیا۔ رسول خدا صلی

اللہ علیہ وسلم نے ان پر نماز پڑھی۔ مقداد بن اسود کے مکان کے متصل گلی کے سرے پر بقیع کے اجالی راستہ میں دفن کیا۔ سمہودی کہتے ہیں کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر کا وہ پتہ جو فاطمہ بنت اسد کے قبہ کی طرف منسوب ہے ٹھیک ہے ممکن ہے کہ یہی ان کی قبر ہو۔ فاطمہ بنت اسد کی قبر ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے نزدیک آنحضرت کے اہل بیت کے مقبرہ میں ہے۔

قبر ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ

حدیث میں ہے عبدالرحمن بن ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن میرے باپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے میرے بیٹے میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میرے تمام دوست اس عالم سے تشریف لے گئے۔ اب میرا وقت بھی قریب آ گیا ہے۔ میرے پاس آ کر میرا ہاتھ پکڑ لو۔ میں نے ان کے قریب جا کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ میرے سہارے سے بقیع کی جانب روانہ ہوئے۔ جب وہ بقیع کے اس مقام پر پہنچے جہاں کوئی دفن نہ تھا۔ فرمایا کہ جب میں مر جاؤں تو میرے لیے اس جگہ قبر تیار کرنا اور کسی شخص کو خبر نہ کرنا۔ میرے جنازہ کو محمد کی گلی سے لانا جہاں آدمیوں کا گزر بہت کم ہے۔ اور تیز لے چلنا۔ کسی شخص کو مجھ پر نوحہ کرنے دینا نہ میری قبر پر خیمے گاڑنے دینا۔ اور نہ کسی کو میرے جنازے کے ساتھ چلنے دینا کہتے ہیں کہ جب ان کے انتقال کا وقت آیا تو تمام آدمی میرے دروازے پر جمع ہو گئے اور منتظر تھے کہ کب جنازہ باہر لائیں گے۔ میں نے وصیت کے بموجب کسی شخص کو ان کے انتقال کی خبر نہیں کی اور صبح کے اول حصے ہی میں لوگوں کے انتشار سے پیشتر ہی جنازہ اٹھا کر بقیع میں لے گیا۔ لیکن وہاں مجھ سے پیشتر ہی لوگ اژدہام کیے کھڑے تھے رضی اللہ عنہ وعن جمیع اصحاب سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ وہ قبریں ہیں جن کے متعلق اصحاب تاریخ نے جگہ بتائی ہے۔ لیکن اس وقت جو قبہ اور مشہد اس مقبرہ میں یا اس کے علاوہ مدینہ منورہ کے اطراف میں مشہور ہیں اور سلاطین متقدمین ومتاخرین نے انہیں اپنے قیاس یا تحقیق سے تعمیر کیا ہے۔ منجملہ ان کے اعلےٰ اور ارفع واعظم قبہ عباس بن عبدالمطلب ہے بعض خلفائے عباسیہ نے اس کو ۵۱۹ ہجری میں تعمیر کیا تھا۔

دوسرے مشہور قبے یہ ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے قبے

امہات المومنین رضی اللہ عنہما کے قبے

قبہ سیدنا ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قبہ عقیل بن ابی طالب

قبہ صفیہ (یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں ان کا قبہ احاطہ کے متصل ہے)

اور قبہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اس میں ایک قبر بھی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس میں اس عمارت کے متولی مدفون ہیں۔

ایک قبہ فاطمہ بنت اسد (امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ) کا ہے۔ بقیع کے درمیان میں دو قبے اور ہیں اور یہ دونوں قبے امہات المومنین کے قبے اور سیدنا ابراہیم کے قبے کے درمیان میں ہیں۔ ان میں سے ایک میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے میں نافع جو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام تھے مدفون ہیں۔ اسی طرح سے سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اور اہل مدینہ میں بھی یہ مشہور ہے کہ یہ امام نافع قادری مدنی کی قبر ہے۔ اور سمہودی کہتے ہیں کہ ابن جبیر نے مشہدوں کا جس مقام پر تذکرہ کیا ہے اس سے سمجھا جاتا ہے کہ سیدنا ابراہیم اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قبہ کے درمیان ایک قبہ عبدالرحمٰن بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ہے۔ اُن کو عبدالرحمٰن اوسط بھی کہتے ہیں۔ یہ ابو محمد کے نام سے مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ تعریف قبہ مذکورہ پر صادق آتی ہے۔ واللہ اعلم۔

ایک چھوٹا قبہ ہے جو فاطمہ بنت اسد کے قبہ کے راستہ میں ہے اس کو حلیمہ سعدیہ کا قبہ کہتے ہیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دائی تھیں۔ لیکن اہل تاریخ میں سے کسی ایک نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا ہے نہ ثبوت میں اور نہ نفی میں۔ واللہ اعلم۔

قبہ سیدنا اسمٰعیل بن امام جعفر صادق سلام اللہ علیہما

یہ قبہ مغربی جانب سیدنا عباس کے قبہ کے مقابل ہے۔ اس قبہ کی تعمیر مدینہ کی شہر پناہ سے مقدم ہے۔ اس کے بانی ابن ابی الہیجا ہیں جو عبیدین بادشاہوں میں سے کسی کے وزیر

تھے اور مساجد فتح کی عمارات کے پچھے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس مقام اور اس کے گرد اگرد کا میدان شمالی سمت سے لے کر امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے دروازہ تک پھیلا ہوا تھا۔ باب خارج اور باب روضہ کے درمیان ایک کنواں ہے جو امام زین العابدین کی طرف منسوب ہے۔ اُس کا پانی بیماروں کے لیے شفا اور امراض کے لیے دوا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ امام محمد باقر بچپن کی حالت میں اس کنوئیں کے اندر گر پڑے تھے۔ اس وقت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نماز میں تھے۔ آپ کو حکم الٰہی کے ساتھ اس درجہ استغراق، توکل ورضا حاصل تھی کہ نماز کو قطع نہیں فرمایا۔ اس قبہ کے غربی جانب ایک مسجد ہے جو امام زین العابدین کی طرف منسوب ہے اب اکثر آدمی اس کی زیارت سے محروم ہیں۔ مدینہ منورہ کے اندر بقیع سے خارج جو مشہور مشاہد ہیں وہ تین ہیں۔ سب میں افضل واعظم مشہد سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا ہے۔ جو آنحضرت ﷺ کے چچا اور آپ کے رضاعی بھائی ہیں۔ اس قبہ کی تعمیر ۵۹۰ھ میں خلیفہ ناصر الدین کی ماں نے کی اور جس پتھر پر تاریخ لکھی ہوئی ہے بعض جاہلوں نے مسجد مصرع سے جہاں آپ کی جائے شہادت تھی اکھیڑ کر اس کو یہاں لگا دیا۔ جیسا کہ باب مساجد میں مذکور ہے۔ سلطان قاتیبا نے ۸۹۳ھ ہجری میں اس کے صحن اور عمارت میں کچھ توسیع کر دی ہے۔ اور دوسری قبر جو مشہد کے اندر ہے وہ سنقر ترکی کی ہے یہ اس عمارت کا متولی تھا۔ اور ایک قبر جو صحن میں ہے وہ اشراف مدینہ میں سے کسی کی ہے لہٰذا یہ قبریں شہدا کی نہیں ہیں۔ اس مشہد میں پہنچ کر عبداللہ بن جحش (جو حمزہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے ہیں) اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پر بھی سلام پڑھیں اس لیے کہ یہ لوگ بھی یہاں مدفون ہیں۔ ابو جعفر محمد باقر سلام اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا حمزہ کی قبر پر زیارت کے لیے آتی تھیں اور مرمت بھی کرتی تھیں آپ کی قبر پر ایک پتھر سے علامت بھی بنائی تھی۔ حاکم امیر المومنین علی سلام اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہر جمعہ کو حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر جاتی تھیں اور نماز ادا کرتی تھیں اور روتی تھیں۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہر دوسرے تیسرے دن

شہدائے احد کی قبر پر جاتیں اور نماز پڑھتی تھیں اور دعا بھی کرتی تھیں رضی اللہ عنہا۔
شہدائے اُحد کی فضیلت کا ایک علیحدہ فصل میں ذکر کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مشہد مالک بن سنان

ابی سعید خدری رضی اللہ عنہا کی والدہ کا مشہد مدینہ منورہ کے غربی جانب شہر پناہ کے اندر ہے۔ آپ کے مزار پر ایک قدیم قبہ ہے۔ آپ شہدائے احد میں سے ہیں آپ کو اُحد سے لاکر اس مقام پر دفن کیا ہے یہ مقام پہلے زمانے میں مدینہ منورہ کے بازار میں داخل تھا۔
مشہد محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسین بن علی مرتضےٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔ آپ ابو جعفر منصور کے زمانے میں شہید کئے گئے اور یہ مشہد مدینہ منورہ سے خارج جبل سلع کے شرقی جانب ہے آپ کے مزار پر ایک بلند قبہ اور ایک بڑی مسجد ہے مسجد کے قبلہ جانب زرقا چشمہ کا ایک گھاٹ ہے اس کے شرقی و مغربی جانب سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ اور چشمہ کو ان سیڑھیوں کے درمیان سے نکالا ہے۔ جب محمد بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ نے منصور عباسی پر خروج کیا تھا اس وقت بہت سے لوگوں نے آپ سے بیعت کرلی تھی۔ منصور نے اپنے چچا عیسےٰ بن موسیٰ کو چار ہزار فوج کے ساتھ آپ پر بھیجا۔ عیسےٰ بن موسیٰ سلع پہاڑ پر آکر ٹھہرا اور محمد بن عبداللہ کو کہلا بھیجا کہ ہم نے تم کو امن دی۔ یہاں آکر خلیفہ کی بیعت کیجیے۔ آپ نے کہا خدا کی قسم عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔ آپ اور آپ کے ہمراہیوں نے جن کی تعداد تین سو سے کچھ زائد تھی اچھی طرح غسل کر کے خوشبو لگائی اور عیسیٰ کی فوج پر حملہ آور ہوئے۔ تین مرتبہ اس کو شکست دی۔ آخر دشمن کی کثیر تعداد کے سبب تاب جنگ نہ لاکر مغلوب ہوئے سبط ابن جوزی ریاض الافہام میں بیان کرتے ہیں کہ عیسےٰ بن موسےٰ نے آپ کے سر مبارک کو منصور کے پاس بھیج دیا۔ اور آپ کے جسم کو آپ کی بہن زینب اور آپ کی دختر فاطمہ نے خفیہ طور پر بقیع میں دفن کردیا۔ لیکن صحیح خبر جو مشہور ہے وہ مطری اور ان کے متبعین نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اسی مقام پر دفن ہوئے ہیں اور آپ احجار زیت کے نزدیک قتل کیے گئے تھے جو سنان بن مالک کے مشہد کے قریب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں پر استسقا کے لیے دعا فرمائی تھی۔

کہتے ہیں کہ حضرت علی سلام اللہ علیہ کی ذوالفقار بھی آپ کے پاس تھی۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے آپ کے قتل کے بعد وہ تلوار منصور کے پاس بھیج دی۔ پھر منصور سے ہارون رشید کو پہنچی۔

اصمعی کہتے ہیں کہ میں نے ذوالفقار کو دیکھا ہے اس میں اٹھارہ فقرے تھے فقرہ لغت میں ریڑھ کے گریوں کو کہتے ہیں یہ ذوالفقار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ سے ملی تھی۔ کتب تاریخ اور احادیث میں اسی طرح سے تحریر ہے۔

روایت ہے کہ لڑائی کے دن اپنے ہمراہیوں میں سے ایک شخص عبداللہ بن عامر سلمی سے فرمایا کہ ایک ابر ہمارے سر پر سایہ کرے گا۔ اگر ہم پر برسا تو فتح ہماری ہے۔ اور اگر ہم پر سے گزر کر دشمن پر پہنچا تو سمجھ لینا کہ میں احجار زیت میں شہید ہوں گا۔ عبداللہ بن عامر سلمی کہتے ہیں کہ خدا کی قسم جیسا انہوں نے فرمایا تھا اسی طرح ہوا۔ ایک ابر ہم پر ظاہر ہوا اور ہمارے سروں پر سے گزر کر عیسے کی فوج پر سایہ فگن ہو گیا۔ آخرکار عیسےٰ کی فتح ہوئی اور محمد مقتول ہوئے۔ آپ کا خون احجار زیت میں بہا۔ آپ ہی کی وجہ سے عیسےٰ بن موسیٰ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو سخت ضرب کی سزا دی۔ اس واسطے کہ امام مالک ﷺ محمد کی موافقت کا دم بھرتے تھے۔ اس قصہ کو امام قریری نے بھی نقل کیا ہے۔

تتمہ اہل بقیع کی زیارت کے بیان میں

اہل بقیع کی زیارت میں سنت یہ ہے کہ جب بقیع کے دروازے پر پہنچے تو مستحب ہے کہ السلام علیکم یا اہل القبور پڑھ کر یہ دعا پڑھے۔ اللھم اغفر لاھل بقیع الغرقد اللھم لا تحرمنا اجرھم ولا تفتنا بعدھم واغفرلنا ولھم۔ اس سے پہلے یا اس کے بعد گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب اہل مقبرہ کو ہدیہ کرے تو وہاں کے مقبروں میں جتنے مردے مدفون ہیں اسی قدر ثواب ملے گا۔ اور سلام کی نیت اور مقصود یہ ہونا چاہیے کہ جمیع آل واصحاب اور مومنین جو اس مقبرہ شریف میں آرام فرما ہیں انہیں ثواب پہنچے۔ ابتدا منہ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی کی جانب کرے۔ جو بقیع کے دروازے کے متصل بائیں جانب مدفون ہیں۔ اور ختم زیارت انہیں پر ہونا چاہیے۔ علمائے متاخرین نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کہ کن کی زیارت سے ابتدا کرے۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ حضرت

عباس اور ائمہ حضرت اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جو لوگ آپ کے قبہ میں مدفون ہیں ان سے ابتدا کرے۔ اس لیے کہ یہ قبہ قریب ہے اور ان سے گزر کر دوسروں کی زیارت کی طرف متوجہ ہونا ایک قسم کی بے ادبی ہے۔ لوگوں نے کہا ہے کہ زمانہ قدیم میں اہل مدینہ کا یہی عمل تھا اور شیخ محمد بن عراق جو رعایت سنت اور عمل تقویٰ میں یکتا تھے اور ان کے علاوہ بعض دوسرے متاخرین نے بھی ایسا ہی مشاہدہ کیا ہے۔ اور بعضے علمائے حنفیہ نے بھی اسی طرح تصریح کی ہے۔ سمہودی کا کلام بھی بعض مقامات میں ظاہرا اسی قول کو ترجیح دیتا ہے۔ انہیں سمہودی نے ارشاد میں بیان کیا ہے کہ اول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقف کا قصد کرے جو دار عقیل کے نزدیک واقع ہے۔ اس لیے منقول ہے آنحضرت ﷺ وہاں پر ہی تشریف لے گئے تھے اور کھڑے ہو کر اہل بقیع کے لیے دعا فرمائی تھی۔ اب یہاں پر ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس کو موقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ اس کے بعد امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے مزار کی زیارت کرے۔ اس کے بعد فاطمہ بنت اسد (علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی والدہ) اس کے بعد سیدنا ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرے۔ پھر امہات المومنین۔ پھر مالک پھر نافع پھر عباس پھر صفیہ (سردار دو جہاں کی پھوپھی رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی زیارت کرے۔ اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ابتدا سیدنا ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرے۔ ان کے ساتھ ان کی بہنیں وغیرہ بھی مدفون ہیں۔ اور چونکہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جزو شریف اور آپ کے ٹکڑے ہیں اس لیے دوسروں کو ان پر مقدم کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہی بہت سچا مذہب اور مسلک معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ابتدا کرے۔ اس لیے کہ آپ اہل بقیع میں افضل ہیں اور ابن فرحون مالکی وغیرہ نے اس مسلک کو ترجیح دی ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی زیارت سے پہلے اگر کسی دوسری قبر پر گزر ہو تو سلام کرے اور گزر جائے۔ تھوڑی دیر ٹھہرے اور یہی گروہ کہتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور جو لوگ ان کے قبہ میں مدفون ہیں ان کی زیارت کرے۔

اس کے بعد ازواج مطہرات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور جو کوئی بھی ان کے ساتھ ہو اس کی زیارت کرے۔ پھر مشہد عقیل پر جائے اور اس کی زیارت کرے۔ اس دروازے پر دیر تک ٹھہرے اور دعا میں طول اختیار کرے۔ اس لیے کہ یہاں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی۔ یہاں کی دعا مستجاب ہے۔ اس کے بعد سیدنا ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہ آپ کی بہنوں کی قبروں پر جائے۔ اور پھر عثمان بن مظعون کی قبر پر جائے۔ آپ اوّل صحابی ہیں جو اس مقبرہ میں دفن ہوئے۔ اور پھر ان دوسرے اصحاب کے وہاں جائے جو اس جگہ آرام کر رہے ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

بعض علماء کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ قبہ عباس سے ابتدا کرے اور پھر جو لوگ ان کے ہمراہ ہیں وہاں جائے اس کے بعد جو مزار سامنے آئے وہاں جائے کیونکہ جن کی شانِ جلالت ادنیٰ بھی ہے بغیر سلام کے وہاں سے گزر جانا عالم مروت اور طریقہ ادب سے بعید ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ ایک نیک مقصد ہے اس میں افضل اور اشرف کی رعایت نہ کرنا کچھ نقصان نہیں پہنچاتا۔ علمائے مدینہ کی ایک جماعت سے ایسا معلوم ہوا ہے کہ جب یہ حضرات بقیع کی زیارت کا قصد کرتے تھے تو اوّل مؤقف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کرتے تھے۔ اور تمام اہل بقیع کے لیے دعا کرتے تھے۔ پھر اپنے مقصد کو پروردگار عالم سے طلب کر کے واپس ہوتے تھے۔ ان کے وہاں کسی خاص قبر پر جانے یا کھڑے ہونے کا کوئی اہتمام نہ ہوتا تھا۔ اور یہ لوگ اس طریقہ کے اختیار کرنے کی سند میں آنحضرت ﷺ کا فعل پیش کرتے ہیں جو آپ سے منقول ہے۔ اگر یہ بات ثبوت کو پہنچ جائے اور ان کا ارادہ محض اتباع ہو تو بہت ہی اچھا ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر یہ فعل آنحضرت ﷺ سے مروی ہوا ہو چاہے یہ صحت کو بھی نہ پہنچے۔ ان لوگوں کا اس فعل میں آپ کے اتباع کا ارادہ کر لینا ہی درست ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ وقوف موقف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت کی حصول یابی اور آنحضرت ﷺ کی اتباع اور اطاعت کی شرف یابی کے باوجود اگر اس دربار کے مقربان کی زیارت کا بھی قصد کر لیا جائے تو یہ عمل زیادتی خیر و برکت اور ثواب کا باعث ہوگا۔ والسلام۔

تیرھواں باب

کوہ اُحد کے فضائل جو آنحضرت ﷺ کا محبّ اور محبوب تھا

یہ سید الشہدا کا مقام ہے۔ غزوۂ اُحد اور تمام غزوات کے تفصیلی حالات کتب تواریخ میں موجود ہیں۔ اس مقام پر جن امور کا ذکر کرنا مناسب ہے وہ اُحد کی فضیلت اور شہدا کی قبور ہیں جو اس غزوہ میں مشرف بہ شہادت ہوئے ہیں۔ صحیحین میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کوہ اُحد کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا:

ھذا جبل یحبنا ونحبہٗ

ترجمہ: (یہ ایک پہاڑ ہے جو ہم کو محبوب رکھتا ہے اور ہم اس کو محبوب رکھتے ہیں)

یہ جملہ آنحضرت ﷺ سے مختلف اوقات میں ثبوت کو پہنچا ہے۔ جیسا کہ بخاری کی متعدد روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ کی نظر کوہ اُحد پر پڑی آپ نے اللہ اکبر کہہ کر فرمایا:

ھذا جبل یحبنا ونحبہٗ علی باب من ابواب الجنۃ وھذا عیر جبل یبغضنا ونبغضہ علی باب من ابواب النار۔

ترجمہ: (یہ ایک پہاڑ ہے جو ہم کو محبوب رکھتا ہے اور ہم اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ یہ پہاڑ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہے۔ اور عیر ایک پہاڑ ہے جو ہم کو دشمن رکھتا ہے۔ اور ہم اس کو دشمن رکھتے ہیں۔ وہ جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہے)

جو مکہ کے راستے میں اور اُحد کے سامنے پہاڑ ہے۔ حبیب خدا ﷺ نے اس کو دشمن کہا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ دشمنی اور دوستی نیک بختی اور بد بختی جمادات میں بھی ہوتی ہے۔ امام نووی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ حدیث میں جانبین سے محبت مذکور ہے یعنی آنحضرت ﷺ کا جبل اُحد کو محبوب رکھنا اور جبل احد کا محبوب رکھنا محبوب خدا کو۔ یہ حقیقی معنی پر محمول ہے۔ لہٰذا وہ اُحد جنت کے پہاڑوں میں سے ہے اس لیے کہ انسان اس شخص کے ساتھ ہوگا جس کو وہ محبوب رکھتا ہے۔ یقیناً یہ پہاڑ جب کہ سید الانبیاء ﷺ کا محب ہے تو اس کی جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بہشت کے دروازے پر ہوگی۔ پہاڑوں کی عشق ومحبت ایسی ہے جیسے جمادات میں تسبیح

اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ

ترجمہ:۔ (نہیں ہے کوئی شے مگر تسبیح کرتی ہے ساتھ حمد اللہ کے)

جب کہ پہاڑ اور تمام جمادات اللہ تبارک وتعالیٰ کی تسبیح اور ذکر کے محل ہیں تو اگر اُس کے حبیب ﷺ کی محبت سے موصوف ہوں کیا مشکل ہے۔

بیت

ز حب ازلی در ہمہ اشیا جاریست
ورنہ بر گل نزدی بلبل مسکیں فریاد

علمائے محققین کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ تمام موجودات کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ محض جن وانس اور ملائکہ کے ساتھ مخصوص نہ تھے۔ آپ تمام عالم کے رسول ہیں۔ حتی کہ نباتات اور جمادات کے لیے بھی۔ آنحضرت ﷺ کا اس پہاڑ سے خطاب فرمانا

اسکن یا احد فانما علیک نبی او شهید

ترجمہ (کہ اے اُحد ٹھہر جا تیرے اوپر نبی ہیں یا شہید۔)

یہ کھلی دلیل اس بات کی ہے کہ اس میں علم اور عقل موجود ہے کہ جس کی وجہ سے خطاب کو سمجھ سکے۔ اور عشق ومحبت عقل اور فہم کے لوازمات سے ہے۔ زمانہ نبوت سے پیشتر آپ کو پتھروں کا سلام کرنا وغیرہ اور آپ کی مفارقت سے مسجد شریف کے ستون کا رونا

(جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔) اس مدعا کی صاف دلیل ہے۔ جس طرح سے باشندگان مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے متعلق دو گروہ ہو گئے تھے۔ ایک مومن خالص دوسرا منافق۔ اسی طرح مقامات بھی دو قسموں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ اسی وجہ سے کوہ عیر منافقوں کی جانب ساکنان مسجد ضرار کی جانب واقع ہوا۔ اور آخرت میں بھی ان کے ساتھ دوزخ میں رہے گا۔ غزوہ احد کے دن ابن ابی اور منافقوں کا ایک بڑا گروہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ روانہ ہوا لیکن کوہ احد تک نہ جا سکا اس لیے کہ وہ صدیقین اور محبوبین کا مقام ہے۔ مدینہ کے قریب ہی سے واپس ہو کر یہ سب بدبختی کے ٹھکانے پہنچے۔ اس حدیث کی تاویل اس مقام کے باشندوں کی محبت اور عداوت کرنا اصحاب محبت سے بعید ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ محبت اُس خوشی سے کنایہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جی میں سفر سے واپس آتے ہوئے اس پہاڑ کو دیکھ کر پیدا ہوتی تھی گویا کہ یہ پہاڑ زبان حال سے مدینہ منورہ کی قربت اور اس کے باشندوں کی خبر کی بشارت دیتا تھا اور یہ کام محبوں کا ہے۔ اب بھی آنحضرت ﷺ کی محبت اور عداوت کا مشاہدہ اثر ان دونوں پہاڑوں میں پایا جاتا ہے۔ ان کی نورانیت و ظلمانیت اور خوشی و سرور اور رنج و غم کسی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ہر وقت اور ہر حالت میں جب اُحد کی طرف نظر کرتے ہیں تو ایک نور اور سرور اس میں مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس کا انکار کرنا گویا قوت حاسہ کا انکار کرنا ہے اور دوسرے پہاڑ یعنی جبل عیر اس کو اُحد کے خلاف پاتے ہیں۔ اور احد کا لفظ تو حد سے مشتق ہے چونکہ یہ پہاڑ دوسرے پہاڑوں سے جدا واقع ہوا ہے۔ مدینہ منورہ کے مقابل میں شمالی جانب دو میل پر یا کچھ زائد فاصلے پر واقع ہے اور یہ کسی دوسرے پہاڑ سے تعلق نہیں رکھتا۔ باوجود اس کے چونکہ اس مقام سے اہل ایمان اور توحید کی مدد ہوئی ہے تو اس کو اگر اس معنی کی مناسبت سے احد کہیں تو بہتر ہے اس لیے احد مشتق ہوگا۔ احدیت سے جو ذات احد مطلق کی صفت لازمہ سے ہے۔ بخلاف عیر کے کہ عیر وحشی گدھے کو کہتے ہیں جو بُرے اخلاق اور پست صفتوں کے ساتھ مشہور ہے۔

روایتوں میں آیا ہے کہ اُحد جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔ جب اُس

پر سے گزرو تو اس کے درختوں سے میوہ کھاؤ اور اگر نہ ملے تو اس کے صحرا کی گھاس استعمال کرو۔ زینب بنت جابط جو انس بن مالک کے نکاح میں تھیں۔ ان سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنی اولاد سے کہا کرتی تھی کہ اُحد کی زیارت کے لیے جاؤ تو میرے لیے وہاں کے نباتات اور گھاس لیتے آیا کرو۔

حدیث میں آیا ہے کہ

اُحد علی رکن من ارکان الجنۃ وعیر علی رکن من ارکان النار۔

ترجمہ: (اُحد جنت کے رکنوں میں سے ایک رکن پر ہے اور عیر جہنم کے رکنوں میں سے ایک رکن پر ہے)

اور طبرانی نے عمرو بن عوف سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اربعۃ اجبال من اجبال الجنۃ واربعۃ انھار من انھار الجنۃ واربعۃ ملاحم من ملاحم الجنۃ قیل فما لجبان قال احد یحبنا ونحبہ من اجبال الجنۃ وورقان جبل من اجبال الجنۃ والطور جبل من اجبال الجنۃ ولبنان جبل من اجبال الجنۃ والانھار الاربعۃ النیل والفرات وسیحان وجیحان والملاحم بدر واُحد والخندق والحنین۔

ترجمہ: (چار پہاڑ جنت کے پہاڑوں میں سے ہیں اور چار نہریں جنت کی نہروں میں سے ہیں اور چار لڑائیاں جنت کی لڑائیوں میں سے ہیں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کون پہاڑ ہیں فرمایا کہ اُحد ہم کو محبوب رکھتا ہے اور ہم اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ جنت کے پہاڑوں میں سے ہے اور ورقان جنت کے پہاڑوں میں سے ہے اور طور جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے اور لبنان جنت کے پہاڑوں میں سے۔ اور چار نہریں۔ نیل۔ فرات اور سیحون جیحون اور لڑائیاں بدر واحد اور خندق اور حنین۔)

ابن شیبہ نے اس حدیث کو اپنی مختصر میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے لیکن

جنگ کے ذکر سے سکوت کیا ہے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ خانہ کعبہ کی بنیاد چھ پہاڑوں سے ہے۔ ابوقبیس وطور وقدس اور ورقان ورضوئی اور اُحد۔ ابن شیبہ انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت رب العزت جل جلالہٗ نے کوہ طور پر تجلی فرمائی تو چھ پہاڑ عظمت باری عزاسمہٗ سے اُڑے اس کے تین ٹکڑے مدینہ منورہ میں گے اور تین مکہ معظمہ میں جو ٹکڑے مدینہ منورہ میں گرے وہ احد اور ورقان اور رضوئی ہیں اور مکہ معظمہ میں گرنے والے میں حراو ثبیر اور ثور ہیں۔ ورقان مکہ کے راستے میں مدینہ سے چار منزل پر ایک پہاڑ ہے۔ جیسا کہ مساجد کے تذکرے میں اشارتاً ذکر کیا گیا ہے۔ اور رضوئی ینبع میں ہے جو ایک مقام کا نام ہے اتنے ہی فاصلہ پر ہے۔ ثبیر منا کے پہاڑ کا نام ہے۔ ابن شیبہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ موسیٰ اور ہارون علیہم السلام بقصد حج یا عمرہ مکہ معظمہ میں تشریف لائے۔ لوٹتے وقت مدینہ منورہ پہنچ کر کوہ اُحد پر آرام فرماتے کہ ناگاہ ہارون نبی کو پیام اجل پہنچا۔ کوہ اُحد ہی پر دفن ہوئے۔ اب بھی آپ کی قبر اس پہاڑ پر مشہور ہے۔ جیسا کہ اس شہر کے باشندگان کے بیان میں ذکر کیا جائے گا۔ اور جبل اُحد کے اُوپر ایک مسجد ہے کہ پچھلے زمانے کے بعض فرماء نے بنائی ہے۔ سرورانبیاء ﷺ کا اس پہاڑ پر چڑھنے کا راستہ متعین نہیں ہوسکا اور مسجد فتح میں آپ کا نماز پڑھنا جو کہ اختتام پہاڑ پر واقع ہے اس کے متعلق ثبوت ہوتا ہے۔ اس پہاڑ کے بعض غار میں آنحضرت ﷺ کے چھپنے کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک اور دوسرا مقام ہے یہاں پر آدمی کے سر کے برابر پتھر میں ایک نشان ہے جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس پتھر پر نشست فرمائی تھی اور اپنے سر اقدس کو وہاں پر رکھا تھا۔ علماء کے نزدیک کوئی ایسا ثبوت جو اعتبار کے لائق ہو نہیں ملتا۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی قبر پر جو شہدائے اُحد سے ہیں کھڑے ہوئے اور یہ آیت پڑھی:

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ الایہ

اللهم ان عبدك ونبيك يشهد ان هؤلاء شهداء

فرمایا کہ تم آؤ اور شہدائے احد پر سلام پڑھو۔ جب تک کہ زمین و آسمان قائم ہیں جو کوئی بھی ان پر سلام پڑھتا ہے۔ اس کو جواب دیتے ہیں۔

اس کے بعد دوسری جگہ دیگر شہیدوں کی قبروں پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ یہ لوگ میرے اصحاب ہیں قیامت کے دن میں ان کی گواہی دوں گا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا ہم آپ کے اصحاب نہیں ہیں فرمایا کہ تم بھی میرے صحابی ہو لیکن میں نہیں جانتا کہ تم میرے بعد کیا کرو گے۔ یہ لوگ تو دار دنیا سے سلامت گئے۔

روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اپنے چچا حمزہ بن عبدالمطلب کی لاش پر کھڑے ہوئے تو دیکھا کہ سید الشہدا کے ناک اور کان کاٹ لیے گئے ہیں۔ نیز آپ کے شکم کو چاک کر کے جگر کو نکال لیا گیا ہے۔ فرمایا کہ اگر اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ صفیہ غمگین ہوں گی اور میرے بعد یہ سنت ہو جائے گی تو میں ان کو ایسا ہی چھوڑ دیتا تاکہ درندوں کے پیٹ اور چڑیوں کے پوٹوں میں جاتے۔ پھر فرمایا کہ مجھ کو کوئی مصیبت اس کے مانند نہ پہنچی ہوگی نہ ایسی غصہ ناک جگہ پر کبھی کھڑا ہوا ہوں گا۔ اسی درمیان میں جبریل امین پہنچے اور وحی لائے۔

مکتوب فی اهل السموات السبع حمزة بن عبدالمطلب اسد الله واسد رسوله۔

ترجمہ (ساتوں آسمانوں کے باشندوں میں لکھا ہوا ہے کہ حمزہ بن عبدالمطلب اللہ کے شیر اور اس کے رسول کے شیر ہیں)

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ایک چادر پہناؤ اور نماز ادا فرمائی اور سات تکبیریں کہیں پھر دفن کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کے شہدائے اُحد پر نماز پڑھنے میں علماء میں مشہور اختلاف ہے۔ ابوداؤد اور حاتم اپنی صحیح میں بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اُحد کے دن فرمایا کہ تمہارے بھائیوں کو جو کچھ پہنچنا تھا پہنچ چکا۔ حق تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز چڑیوں کے پوٹوں میں رکھ دیا ہے وہ جنت کی نہروں میں داخل ہوتے ہیں اور بہشت

کے میوے کھاتے ہیں۔ سونے کی قندیلیں جو عرش کے سایہ میں لٹکی ہوئی ہیں اس میں آرام کرتے ہیں اور اپنے رب سے کہتے ہیں کہ رب العزت کون ہے جو ہماری خبر ہمارے ان بھائیوں کو پہنچا دے جو دنیا میں ہیں۔ اور وہ ہماری حالت سے مطلع ہو کر جہاد سے کوتاہی نہ کریں۔

حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں پہنچاؤں گا۔ لہٰذا یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ الآیۃ

ترجمہ:- (اور مت گمان کرو ان لوگوں کو جو اللہ کے راستہ میں قتل کیے گئے معمولی مردہ بلکہ وہ حیات ممتاز رکھتے ہیں اپنے رب کے نزدیک رزق دیے جاتے ہیں۔ آخر آیت تک)

(موتاً پر جو تنوین ہے یہ تنوین تحقیری ہے اور احیاءٌ پر جو تنوین ہے یہ تنوین تعظیمی ہے)

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر سال شہدائے اُحد کی قبروں پر تشریف لے جاتے اور فرماتے تھے۔

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص ان شہداء کے اوپر سے گزرے اور اُن پر سلام بھیجے تو یہ لوگ قیامت تک اس پر سلام بھیجتے رہیں گے۔ چنانچہ سید الشہدا اور دوسرے شہیدوں کی قبر سے جو احد میں ہیں سلام کا جواب دینے کی سلف سے آثار اور خبریں ملی ہیں۔ شہدائے اُحد کی کل تعداد کا شمار صحیح قول کے اعتبار سے ستر ۷۰ ہے۔ سمہودی کی تاریخ میں انہیں اتنی ہی تعداد میں شمار کیا گیا ہے اور ان حضرات کے مزارات کا مقام تعین کرنے میں بہت کوشش کی ہے۔ فی زمانہ سید الشہدا کے مشہد کی غربی جانب ایک حد بنا دی گئی ہے جس میں شہیدوں کی قبریں ہیں لیکن قبور کی صورتیں نہیں بنائی گئی ہیں۔ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ شہدائے احد میں سے دو تین آدمیوں کو ایک ایک

کپڑے میں رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان میں جس شخص کا علم قرآن زائد ہو اس کو قبر میں پہلے رکھو۔ صحیح خبروں میں آیا ہے کہ چھیالیس سال کے بعد جب بعض شہدائے اُحد کی قبروں کو کھولا گیا تو اسی طرح سے تروتازہ مثل غنچہ گل مع کفنوں کے نکلے۔ یہ معلوم ہوتا تھا گویا ان کو کل ہی دفن کیا گیا ہے اور بعضوں کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ زخم پر رکھے ہوئے ہیں جب ہاتھ کو زخم سے علیحدہ کرتے تھے تو اس زخم سے تازہ خون جاری ہو جاتا تھا اور جب ان کے ہاتھ کو چھوڑ دیتے تھے تو وہ پھر زخم کی جگہ پہنچ جاتا تھا۔ ان قبور کے کھولنے کے متعلق جو واقعات مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ تھا کہ ایک شخص کا عزیز ایک اجنبی کے ساتھ مدفون ہو گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی صریح اجازت کی وجہ سے یا بوجہ دلالت حال کی وجہ سے اور یا پھر قیاس اور اجتہاد کے سبب سے اس کو نکال کر علیحدہ دفن کرنا چاہتے تھے اور دوسرا واقعہ یہ تھا کہ نالوں میں سیلاب آ جانے کی وجہ سے قبریں کھل گئی تھیں اور زیادہ تر اس وجہ سے بھی کہ معاویہ بن ابوسفیان نے اپنی امارت کے زمانہ میں اپنی طرف سے ایک چشمہ نکال کر اس مشہد مقدس کی راہ سے جاری کیا تھا جس کی وجہ سے اکثر شہداء کی قبریں کھل گئیں اور شہیدوں کو قبر سے باہر نکالا گیا۔

امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء السقام میں لکھا ہے کہ جب معاویہ نے نہر جاری کی تو حکم دیا کہ شہدا اپنی قبروں سے منتقل کیے جائیں۔ ایک پھاوڑہ سید الشہدا حمزہ بن عبدالمطلب کے پائے مبارک پر لگا اس سے خون جاری ہو گیا۔ بیان کرتے ہیں کہ معاویہ کے عامل نے چشمہ کھودنے کے دن مدینہ میں منادی کر دی تھی کہ امیر المومنین کا چشمہ جاری ہو رہا ہے۔ جس شخص کا مردہ اُحد میں مدفون ہو، وہ آئے اور اس کو یہاں سے منتقل کر کے کسی دوسری جگہ لے جائے۔ واللہ اعلم۔

بعض شہدائے اُحد اس مقام کے علاوہ دوسری جگہ بھی دفن ہوئے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمادیا تھا کہ جو شخص جس جگہ شہید ہو اس کو وہیں دفن کرو۔ سنان بن مالک بھی انہیں لوگوں میں سے ہیں کیونکہ آپ کا انتقال اندرون مدینہ ہوا تھا اور اُسی جگہ جس جگہ پر اب آپ کا مشہد ہے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

چودھواں باب

قبرِ انور کی زیارت کا بیان

بداں ارشدک اللہ واسعدک۔ حضرت رفیع الشان رسول الانس والجان علیہ افضل صلوات الرحمٰن کی زیارت کے فضائل میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ بعض احادیث قبر شریف کی زیارت کو صریح الفاظ میں بتلاتی ہیں۔ اور بعض دوسرے لفظوں کے ساتھ اس طریقہ پر گویا ہیں کہ ان میں یہ مدعا بھی شامل ہے اور یہ مطلب بھی حاصل ہو سکتا ہے لیکن وہ حدیثیں جن میں زیارت کرنا صریح لفظوں میں ثابت ہے یہ ہیں۔ یہ حدیثیں ثقہ لوگوں سے متعدد طریقوں پر ہم تک آئی ہیں اُن میں سے بعض درجہ صحت کو پہنچی ہیں اور اکثر حسن کے درجہ کو۔

حدیث اوّل

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ

ترجمہ (جو شخص میری قبر شریف کی زیارت کرے میری شفاعت اس کے لیے واجب اور لازم ہے)

قبر شریف کی زیارت کرنے والے کے لیے اس خصوصیت کی خاص وجہ ہے کیونکہ جہاں تک آنحضرت ﷺ کی شفاعت کا تعلق ہے اس نعمت سے ہر مسلمان کو نوازا جائے گا اور آپ کی یہ کرم فرمائی اور مومن نوازی جملہ مسلمانوں کے لیے عام ہے۔ لیکن یہاں پر شفاعت سے مراد خاص شفاعت ہے جو درجہ خاص کے حصول کا ذریعہ ہو گا۔ ان کے علاوہ

غیر زائرین کا اپنے زیادتی اعمال اور کثرت فضائل کے باوجود اس درجہ پر پہنچنا میسر نہ ہوگا۔ جس طریقہ سے آنحضرت ﷺ کے بعض اصحاب کو آپ کی بقیہ اُمت پر خصوصیت حاصل ہے۔ تمام عمر بجز ایک نظر کے حضور پُر نور ﷺ کے جمال باکمال سے مشرف نہ ہوا ہو۔ اس مدعا کے ثبوت پر پر قادر ہے باوجود یکہ یہ کلام وجوب شفاعت کی خبر دیتا ہے اس کا واقعتاً پورا ہو جانا اس لیے ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور ایفائے عہد کا وعدہ چونکہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے ہوا ہے۔ اس لیے ضرور پورا ہوگا اور یہ دوسروں کے معاملہ میں جواز اور امکان کے درجہ میں باقی رہتا ہے۔ اس کے علاوہ زائر کے لیے یہ بشارت بھی ہے کہ وہ دین اسلام پر مرے گا۔ یہ بھی سید انام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی برکت کے طفیل ہوگا۔ وہ اس طرح کہ شفاعت کے لیے دین اسلام پر مرنا ضروری ہے۔

حدیث ثانی

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ حلت له شفاعتی

ترجمہ: (جس نے ہماری قبر کی زیارت کی۔ اُس کی شفاعت ہمارے اُوپر لازم ہے)۔

تیسری حدیث

من جاء نی زائراً لا تعمله حاجة الا زیارتی کان حقاً علی ان اکون له شفیعاً یوم القیمة

ترجمہ (جو شخص کہ آوے میری زیارت کے لیے اور نہ ہو اس کو حاجت سوائے ہماری زیارت کے تو ہم پر واجب ہے کہ ہم اُس کے شفیع ہو جائیں دن قیامت کے)

یہ دونوں حدیثیں حدیث اول کی تقریباً ہم معنی ہیں لیکن تیسری میں صدق واخلاص کی شرط ضرور موجود ہے اور انسان کے افعال واعمال کا دارومدار اخلاص ہی پر ہے۔

چوتھی حدیث

من حج فزار قبری بعد وفاتی کان کمن زارنی فی حیاتی

فرماتے ہیں کہ میری قبر کی زیارت میری وفات کے بعد میری صحبت کا حکم رکھتی ہے۔ جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی گویا وہ شخص میری زندگی میں میری صحبت سے فیض یاب ہوا۔ اس حدیث سے حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت حیات کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن اس مسئلہ کی تحقیق بالتفصیل آخری باب میں کی جائے گی۔ اس حدیث کا مضمون اُس اشارہ کا جو حدیث اول میں بیان کیا گیا ہے مؤید ہے یعنی زائر کے لیے مخصوص اور ممتاز ہونا حضرت رسول مختار ﷺ کی قبر کرامت نثار کا کہ جو دوسروں کے لیے نہیں ہے۔ جس طریقہ سے آنحضرت ﷺ کے اصحاب زیادتی فضیلت اور کثرت ثواب میں ممتاز ہیں لیکن اس تشبیہ سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ آپ کی قبر کا زیارت کرنے والا من کل الوجوہ صحابی کے حکم میں شمار کیا جانے لگے یا تمام فضل اور تمام احکام میں اُسے بھی شریک کر لیا جائے۔ جس طرح خواب میں آنحضرت ﷺ سید انام سے کسی حدیث کا سن لینا احکام شرعیہ کے لیے مثبت نہیں ہے باوجودے کہ آپ کا خواب میں دیکھنا صحیح اور حق ہے۔ بموجب حدیث

من رانی فی المنام فقد راءی الحق

ترجمہ:- (جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا بس ٹھیک مجھی کو دیکھا۔)

پانچویں حدیث

من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی

ترجمہ (جس شخص نے خانہ کعبہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی مجھ پر ظلم کیا)

آنحضرت ﷺ کی زیارت حاصل نہ کرنے پر وعید ہے اور حج کرنے کے بعد فضیلت سے محروم رہنے پر تنبیہ اور سرزنش ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کی بہت ہی خواہش تھی کہ آپ کی اُمت ثواب حاصل کرے اور یہ آپ کی اُمت پر کمال شفقت ہے۔

چھٹی حدیث

من زارنی الی المدینة کنت له شفیعاً و شهیدا

ترجمہ۔ (جو شخص کہ ہماری زیارت کرے مدینہ میں۔ ہم اس کے لیے شفیع ہوں گے اور گواہ)

شفاعت گنہگاروں کے لیے ہوگی اور شہادت اہل طاعت کے لئے۔ ایک روایت میں آیا ہے:

من زار قبری کنت لہٗ شفیعًا وشہیدًا۔

حدیث ساتویں

من زار نبی متعمدا کان فی جواری یوم القیمٰۃ ومن مات فی احد الحرمین بعثہ اللّٰہ من الا منین یوم القیمٰۃ

فرماتے ہیں جو شخص میری زیارت کرے اور اس کو مقصود اصلی سمجھے وہ قیامت کے دن میرا پڑوسی ہوگا اور جو شخص کہ حرم مکہ یا مدینہ میں مرے۔ قیامت کے عذاب سے امن میں ہوگا۔

آٹھویں حدیث

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من حج حجۃ الاسلام وزار قبری وغزی غزوۃ وصلی فی بیت المقدس لم یسأل اللّٰہ عزوجل فیما افترض علیہ

اس حدیث میں فریضہ حج کی فضیلت اور حضرت سید انام کی قبر شریف کی زیارت۔ کفار کے ساتھ جہاد کرنا۔ اور بیت المقدس میں نماز ادا کرنا۔ جو نیک لوگوں کا مقام ہے ذکر کیے گئے ہیں۔ احتمال رکھتا ہے کہ یہ مخصوص جزا یعنی فرائض مخصوص کا نہ پوچھا جانا مجموعہ امور کے اوپر ہے یا فردا فردا پر مترتب ہوگا۔ واللہ اعلم۔

نویں حدیث

من حج الی مکۃ ثم قصدنی فی مسجدی کتبت لہ حجتان مبرورتان۔

آنحضرت ﷺ کی زیارت کا قصد کرنا اور آپ کی مسجد شریف کی زیارت سے

مشرف ہونا حج مقبول کے برابر ہے بلکہ قبولیت حج کا سبب ہے اور حج مبرور کی جزا وجوبا جنت ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے حج مبرور اس حج کو کہتے ہیں جس میں محرمات اور منا ہی کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو اور ریا کو دخل نہ ہو۔ حقیقتاً یہ حج دربار خداوندی میں قبول ہوگا۔ اور یہ اللہ کے فضل سے حاصل ہوتا ہے۔

دسویں حدیث

من زارنی میتا فکانما زارنی حیا ومن زار قبری وجبت له شفاعتی یوم القیمة وما من احد من امتی له سعة ثم لم یزرنی فلیس له عذر۔

اس حدیث کے معنی حدیث اول اور چوتھی کے مضمون پر مشتمل ہیں۔ پانچویں حدیث کا مضمون بھی اسی کے موافق ہے۔

گیارہویں حدیث

حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

من زار قبری بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی ومن لم یزر قبری فقد جفانی

یہ بھی چوتھی اور پانچویں حدیث کے مضمون کے موافق ہے۔

حدیث بارہویں

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

من سال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدرجة والوسیلة حلت له شفاعة یوم القیمة ومن زار قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی جوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ (جو شخص کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعا کرے اس کو قیامت کے دن درجہ اور وسیلہ کی شفاعت بھی حاصل ہو گی۔ اور جو شخص کہ

جناب رسول مقبول ﷺ کی زیارت کرے ہو گا پڑوس میں حضور ﷺ کے)

اور وہ ان لفظوں سے ہے کہے:

اللھم ات محمد الوسیلة والدرجة الرفیعة

شفاعت کے حصول کا سبب ہے اور ہر ایک حدیث کے لیے طرق متعددہ ہیں اگر ان کو جدا جدا کیا جائے تو جس قدر احادیث ذکر کی گئیں ان سے زائد حدیثیں ہوں گی۔ اسی طرح سے سید علیہ الرحمۃ نے کہا ہے۔

فصل۔ منجملہ ان احادیث کے جن سے حیات انبیاء صلوات اللہ علیہم ثابت ہوتی ہے۔ نصوص قرآنی کے علاوہ زمرۂ شہدا اور مقاتلین فی سبیل اللہ کی حیات میں مذکور ہیں۔ ایک حدیث یہ ہے کہ ابو یعلی ثقہ لوگوں سے نقل کرتے ہیں انس بن مالک سے روایت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔

ترجمہ:۔ (فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں)

اور وہ حدیث جو خاص کر آنحضرت ﷺ کی حیات کو ثابت کرتی ہے۔ اور بہت مشہور ہے۔

ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام

ترجمہ (کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو مجھ پر سلام بھیجے مگر اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو واپس کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ میں اس پر اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں)

لیکن علماء نے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ فضیلت ہر اُس شخص کے لیے عام ہے جو شرف اسلام سے مشرف ہو چکا ہو خواہ قبر شریف کا زائر ہو یا غائب۔ اور جس مقام پر بھی ہو یا یہ زائرین قبر شریف اور مدینہ منورہ کے حاضرین کے ساتھ مخصوص ہے۔ بعضے علماء اس

طرف گئے ہیں کہ یہ فضیلت زائرین کے لیے مخصوص ہے۔ اس قید کے قرینہ پر جو احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے۔

ما من احد یسلم علیّ عند قبری

ترجمہ: (نہیں ہے کوئی شخص کہ جو سلام بھیجے مجھ پر میری قبر کے نزدیک۔)

اس کلام کی تحقیق جس طرح سے بعض متاخرین فضلاء نے کی ہے یہ ہے کہ سلام بھیجنا سید انام صلی اللہ علیہ وسلم پر دو قسم کا ہے۔ اول قسم یہ کہ ارادہ دعا اور درخواست کا ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار سے حضرت رسالت پر نزول سلام اور رحمت کا خواہ لفظ حاضر سے ہو یا غائب سے۔ اس کا کہنے والا دربار میں حاضر ہو یا نہ ہو لیکن وہ کہے السلام علیٰ محمد یا کہے السلام علیک یا رسول اللہ۔ اس قسم کو بعض علماء نے جناب رسالت ﷺ کے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔ اور اس کا استعمال غیر کے لیے منع کرتے ہیں۔ مگر طفیلی اور تابع کی حیثیت میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ اس سے مقصود سلام اور تعظیم ہو جیسا کہ زیارت کرنے والے قبر شریف پر پہنچنے کے بعد کہتے ہیں یا جس طرح کہ مجلس میں آنے والا اہل مجلس کو سلام کرتا ہے لیکن یہ کیفیت مخصوص آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہیں ہے بلکہ سلام بموجب حکم شریعت مستحق جواب کا ہے خواہ رو برو سلام کرے یا کسی قاصد کے ذریعہ سلام بھیجے۔ اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت ہی مستحق ہیں کہ اس واجب کی ادائگی کریں۔ اور اگر یہ حکم یعنی جواب دینا سلام کا قسم اول بھی ثابت ہو جائے تو کچھ بعید نہیں ہے اور دوسری قسم میں جواب کا دینا بطور امتیاز کے ہے اور جو حدیث میں آیا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جو شخص آپ کی اُمت میں سے آپ پر ایک مرتبہ سلام بھیجے میں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجوں گا۔

ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قسم اول کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی طرح سے لوگوں نے کہا ہے اور نسائی نے سند صحیح کے ساتھ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے بہت سے فرشتے پیدا کیے ہیں جو زمین میں پھرتے ہیں اور میری اُمت کا سلام مجھ کو پہنچاتے ہیں۔ یہ غائب کے متعلق ہے

لیکن جو شخص کہ حاضر ہے اس کے متعلق دو حدیثیں آئی ہیں پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس کے سلام کو سنتے ہیں اور بنفس نفیس خود جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ حدیث سابق کا مضمون یہی ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

من صلی علی فی قبری رددت علیه ومن صلی علی فی مکان اخر بلغونيه

ترجمہ: (جو شخص کہ صلوٰۃ بھیجتا ہے مجھ پر دوسرے مقام سے وہ مجھ تک پہنچاتے ہیں۔)

اور دوسری حدیث جو کہ دلالت کرتی ہے غیبت کی حالت میں ایک فرشتہ مقرر ہے جو آنحضرت ﷺ تک سلام پہنچاتا ہے۔

روایت ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

مامن عبدیسلم علی عند قبری الا وکل الله بهاملکا یبلغنی وکفی اجر اخرفو دنياه وكنت له شهيداً وشفيعًا يوم القيمة

ترجمہ: (کوئی بندہ ایسا نہیں ہے کہ جو سلام بھیجے میرے روضے کے نزدیک مگر مقرر کرتا ہے اللہ تعالیٰ ساتھ اس کے ایک فرشتہ جو پہنچاتا ہے میرے پاس اور کفایت کرتا ہے اللہ اس کے اجر کو دنیا اور آخرت میں اور ہوں گا میں اس کے لیے گواہ اور شفیع دن قیامت کے)

واللہ اعلم۔ وجہ توفیق یہ ہو سکتی ہے کہ پروردگار عالم کا یہ قاعدہ جاری ہو گا کہ ایک فرشتہ دربار رسالت ﷺ میں مقرر رہتا ہو گا کہ بندوں کا سلام پہنچایا کرے جیسا کہ بادشاہوں میں دستور ہے۔ باوجود اس کے بعض خاص بندے اور خاص مقرب اور تمام شکستہ دلوں کا سلام خود بخود سنتے ہوں اور بہ نفس نفیس جواب دیتے ہوں۔ عبدالحق جو اکابر ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ احکام صغریٰ میں صحیح اسناد کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی شخص مسلمان بھائی کو دنیا میں پہچانتا تھا اب وہ اس کی قبر پر گزرا اور سلام کیا تو وہ اس کو پہچان کر سلام کا جواب دیتا ہے۔

اور ابن عبدالبر نے بھی اس حدیث کی تصحیح کرتے ہوئے روایت کیا ہے۔ اور ابن تیمیہ نے بھی معمولی لفظی فرق کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے۔ نیز امام عبدالحق کتاب عاقبت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں۔

مامن رجل یزور قبر ابیه فیجلس عنده الا استاس به حتی یقوم۔

ترجمہ: (نہیں ہے کوئی آدمی جو اپنے باپ کی قبر کی زیارت کرے اور اس کے نزدیک بیٹھے مگر وہ اُسے اُنسیت پکڑتا ہے کھڑے ہونے تک)

ابن ابی الدنیا ر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے شناسا کی قبر پر گزرے تو صاحب قبر اُس کو پہچان لیتا ہے اور اگر اس پر سلام کرو تو وہ اس کا جواب دیتا ہے۔ سمہودی کہتے ہیں کہ اس مفہوم کی بہت سی حدیثیں ہیں اور کہتے ہیں کہ جب اس مفہوم کی حدیثیں عام مومنین کے لیے ثابت ہیں تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہنا۔

بازری توثیق عری الایمان میں سلیمان بن تیم سے روایت کرتے ہیں کہ سلیمان نے کہا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ جو لوگ آپ کی زیارت کو آتے ہیں اور آپ کو سلام عرض کرتے ہیں کیا آپ ان کا سلام سنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

نعم دارد علیهم

ہاں میں سنتا ہوں اور ان کے سلام کا جواب بھی دیتا ہوں۔ ابن نجار نے ابراہیم بن بشار سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک سال حج ادا کیا اور آنحضرت ﷺ کی زیارت کے لیے مدینہ میں آیا۔ جب آپ کی قبر شریف پر پہنچا اور سلام عرض کیا تو اندر سے میں نے ایک آواز سنی کہ ارشاد فرماتے ہیں:

وَعَلَيْكَ السَّلَامُ۔

اسی طرح اولیاء اللہ اور اُمت کے نیک لوگوں سے بہت سی باتیں منقول ہیں اور تمام علماء متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حیات میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور اسی

طریقے سے تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اپنی قبروں میں اس حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔ جو حیات شہداء سے کامل تر ہے کہ جس کے متعلق قرآن مجید میں خبر دی گئی ہے اور کیوں نہ ہو آنحضرت ﷺ سید الشہداء ہیں اور شہیدوں کے اعمال آپ ہی کی ترازو میں ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

علمی بعد وفاتی کعلمی فی حیاتی۔

یعنی میرا علم بعد وفات کے مثل اس علم کے ہے جو میری حیات میں تھا۔

اس کو حافظ منذر نے اور ابن عدی نے کامل میں روایت کیا ہے۔ اور ابو یعلی ثقہ لوگوں سے نقل کرتے ہوئے انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں۔

بیہقی انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور تصحیح کرتے ہیں کہ

الانبیاء لا یترکون فی قبورھم بعد اربعین لیلۃ ولکنھم یصلون بین یدی اللہ حتی ینفخ فی الصور

ترجمہ۔ (انبیاء علیہم الصلوٰۃ اپنی قبروں میں چھوڑے جاتے ہیں بعد چالیس دن کے لیکن وہ نماز پڑھتے ہیں اللہ کے سامنے یہاں تک کہ صور پھونکا جائے)

بیہقی کہتے ہیں کہ اگر صحت کو پہنچ جائیں تو حدیث کے لفظ یہی ہیں۔ مراد یہ ہے کہ قبر میں انبیاء کی حیات دائمی ہے۔ لیکن چالیس دن تک نماز اور عبادت ظاہر نہیں ہوتی ہے۔ بیہقی اور بھی کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات پر بہت سی صحیح حدیثیں دلالت کرتی ہیں۔ اس کے بعد ذکر کیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ موسیٰ علیہ السلام پر گزرے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح کی اور دوسری حدیثیں بھی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے انبیاء سے ملاقات کی اور ان کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ سلام اللہ اجمعین۔ بیہقی کہتے ہیں کہ ان تمام احادیث کا دارومدار اس بات پر ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کی روحیں وفات کے بعد اُن پر واپس کر دیتے ہیں۔ اور

یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے نزدیک مثل شہدا کے زندہ ہیں۔ اُس کے بعد صاعقہ تحۂ اولی بحکم نص

فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ

ترجمہ:۔(بے ہوش ہو جائیں گے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔)

ان کے اندر بھی اثر کرے گا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ من کل الوجوہ موت ہو بجز اس کے کہ اُس حالت میں شعور جاتا رہے گا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ شہدا حکم الٰہی کی وجہ سے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهِ۔

بیہقی کہتے ہیں کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جمعہ کا دن سب دنوں سے افضل ہے۔ تم اس دن کثرت سے مجھ پر درود پڑھا کرو۔ تمہارا درود اس دن میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) ہمارے درود آپ پر کس طرح پیش کیے جائیں گے۔ حالانکہ آپ بوسیدہ ہو گئے ہوں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے جسم کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ اور بزاز صحیح لوگوں سے نقل کرتے ہوئے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے ایسے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو زمین پر پھرتے ہیں اور مجھ کو میری اُمت کے اعمال پہنچاتے ہیں اور آپ نے فرمایا میری وفات تمہارے لیے بہتر ہے اس لیے کہ تمہارے اعمال جب میرے سامنے پیش کیے جائیں گے تو جو نیک عمل ہو گا میں اس پر خدا کا شکر ادا کروں گا اور جو برے ہوں گے اس پر تمہارے لیے استغفار کروں گا۔ استاد منصور بغدادی کہتے ہیں کہ محققین علمائے متکلمین قائل ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد زندہ ہیں۔ آپ اپنی امت کی اطاعت سے خوش ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے جسم قبر کے اندر بوسیدہ نہیں ہوتے۔

بیہقی کتاب الاعتقاد میں کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح قبض کرنے کے بعد پھر ڈال دی جاتی ہیں اور یہ سب خدا کے نزدیک شہدا کے مثل زندہ ہیں۔ اسی کتاب الاعتقاد میں بیہقی کہتے ہیں کہ انبیاء علیہ السلامُ کی روحیں قبض کرنے کے بعد اُن پر واپس کر

دی جاتی ہیں۔ اور وہ حضرات خدا کے نزدیک شہدا کی طرح زندہ ہیں۔ اس لیے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں پیغمبروں کی ایک جماعت سے ملاقات کی تھی۔ صاحب تخلیص جو شافعی المذہب ہیں کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا جو مال آپ کے بعد باقی رہا تھا وہ آپ ہی کی ملکیت میں رہا۔ جیسا کہ حالتِ حیات میں تھا۔ ورثہ کی ملکیت میں منتقل نہیں ہوا۔ جس طرح کہ مردوں کا منتقل ہو جاتا ہے اور اس کا مصرف اس طرح تھا کہ بلا لحاظ حصہ کے آپ کے اہل وعیال پر خرچ کیا جائے۔ جیسا کہ میراث میں کرتے ہیں اور اس کو حضور اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے۔ امام الحرمین نے اس قول کی تصحیح کر کے فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے متروکہ میں صدیق رضی اللہ عنہ کے قاعدہ کے موافق ہے۔ ان اکابر علماء کا کلام تقاضہ کرتا ہے کہ احکام دنیا میں بھی حیات کو ثابت کیا جائے لہٰذا انبیاء علیہم السلام کی حیات شہدا کی حیات سے اخص اور اکمل واتم ہے۔ یہی مذہب مختار ومنصور ہے نہ کہ جیسا کلام بیہقی سے بعض مقامات پر ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انبیا کی حیات مثل حیات شہدا کے ہے بلکہ بیہقی کی مراد افضل حیات کی تشبیہ دینا ہے اور رفع استبعاد کرنا ہے نہ کہ جمیع خصوصیات میں۔ اور اس صورت میں اعتراض نہیں کیا جاسکے گا۔ بعض علماء نے اس مقام پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر اس حیات سے مراد وہ حالت ہے جو حق سبحانہٗ تعالیٰ نے شہیدوں کے ساتھ ثابت کی ہے اور فرمایا ہے: بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ۔ تو صحیح ہے لیکن اس باب میں کوئی خلاف نہیں ہے۔ کہ شہدا پر احکام موت مثل ملکیت وغیرہ جاری ہیں۔ اور یہ کہا ہے کہ امام سے تعجب ہے کہ خود کہتے ہیں۔

مات رسول اللہ عن کہ النسوۃ ومات وھو راض من العشرۃ

ترجمہ:- (انتقال فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی بیویاں چھوڑ گئے اور انتقال فرمایا رسول خدا ﷺ نے اور آپ راضی تھے دس سے)

آنحضرت ﷺ کی طرف موت کی نسبت کرتے ہیں پھر اثبات حیات کس طرح ہو گا۔ درزکشی کہتے ہیں کہ کوئی تعجب کی جگہ نہیں ہے کہ آپ نے انتقال فرمایا اور اللہ نے زندہ کیا۔

غایت المرام میں شہرستانی امام الحرمین سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور جو لوگ آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں آپ اس کو خود سنتے ہیں اور شفاء السقام میں سبکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت دائمی نہیں ہے۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے آپ کو ذائقہ موت کے بعد زندہ فرمادیا اور ملکیت کا انتقال وغیرہ اس موت کے ساتھ مشروط ہے جو دائمی ہو اور یہ حیات شہدا کی حیات سے اعلیٰ اور اکمل ہے۔ روح کے لیے حیات کا ثبوت بے شبہ اور بے اشکال کے ہے۔ اور حدیثوں سے ثابت ہوا ہے کہ انبیا کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے اور تمام مردوں کے لیے روح کا جسم میں لوٹنا ثابت ہے۔ اگرچہ وہ شہدا نہ ہوں۔ کلام تو بدن کے اندر روح کے طرح قیام کرنے سے ہے کہ اُس قیام سے وہ اس طرح زندہ ہو جس طرح دنیا میں تھا۔ یا بغیر روح کے ہی زندہ رہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے۔ اس لیے روح کی حیات دائمی اہل سنت وجماعت کے نزدیک ایک عادی بات ہے۔ نہ عقلی اور عقل اس کو جائز بھی رکھتی ہے۔ بس اگر کوئی دلیل سمعی صحت کو پہنچے تو اس پر اعتقاد کرنا واجب ہے۔ علماء کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے اور اس کو ثابت کرتی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں (جیسا کہ حدیث میں آیا ہے) نماز ادا فرمانا یقیناً ایسے جسم کا تقاضا کرتا ہے جو محلِ حیات ہو اور اسی طرح سے جو صفات شب معراج میں مذکور ہوئے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی طرف اسناد کیے گئے ہیں سب اجسام کے صفات ہیں "انتہی"۔

تمام اہل سنت والجماعت اس پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ سب مردوں کے لیے اور خاص کر انبیاء کے لیے ادراک مثل علم وسمع ثابت ہے۔ اور یقین ہے کہ حیات ہر میت کے لیے قبر میں عود کرتی ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اور یہ نہیں فرمایا ہے کہ حیات عود کرنے کے بعد قبر میں پھر موت آتی ہے بلکہ قبر کی نعمت یا اس کے عذاب کو قیامت تک ادراک کرتا رہے گا اور بلاشبہ اس قسم کا ادراک حیات کے ساتھ مشروط ہے۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ کسی جز کی حیات اُس کے اجزا میں سے کافی ہو اور اس قسم کی حیات جس طرح دنیا میں تھی ثابت نہ ہو لیکن جو دلائل حیات انبیاء پر دلالت کرتے ہیں ان کا تقاضا تو یہی ہے کہ ان کی

حیات غذا سے بے پرواہ ہونے کے باوجود ایسی ہو جیسی دنیا میں تھی کیونکہ غذا تو دنیا میں اسباب عادیہ سے ہے اور حق سبحانہٗ قادر ہیں کہ غذا کے بغیر بھی زندہ رکھیں اور جسم میں بعض ایسی کیفیتیں اور حالتیں پیدا فرما دیں کہ غذا کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ جس طرح کبھی کبھی خوشی اور غم کے حاصل ہونے پر مدتوں کھانے پینے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ یاد بھی نہیں آتا۔ حالانکہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ غذا حیات و بقائے بدن کے لیے سبب ہے۔ لیکن کوئی دلیل اس کے حصر پر نہیں پائی جاتی۔ ممکن ہے حق سبحانہٗ تعالیٰ کے پاس ایسے دوسرے اسباب بھی ہوں جو بدن کو باقی رکھ سکیں۔ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

مسایرہ میں قدوۃ المحققین کمال الدین ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جملہ اہل حق اس پر متفق ہیں کہ قبر میں روح اس حد تک لوٹائی جاتی ہے کہ جس کے ذریعہ سے مردہ قبر کی نعمت اور عذاب کا ادراک کر سکے۔ بہت سے اشاعرہ اور حنفیہ روح کے اعادہ کرنے میں تردد کرتے ہیں اور حیات و روح کے آپس میں لازم و ملزوم ہونے کو تسلیم نہیں کرتے۔ بجز اس بات کے کہ عادت الٰہی ایسی ہی جاری ہے کہ حیات کی بقا روح کے ذریعہ سے ہے ورنہ اصل میں حیات کا ممکن ہونا اور پروردگار عالم کا بغیر تعلق ارواح کے جسموں کے زندہ کرنے پر قادر ہونا کوئی بات نہیں ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔
بعضے علمائے حنفیہ اس بات کے قائل ہیں کہ روح جسم میں رکھ دی جاتی ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ روح مٹی سے متصل ہوتی ہے اور تکلیف روح و مٹی کو ساتھ ہی ساتھ ہوتی ہے۔ "انتہی"۔

فصل۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ کی حیات میں اور اس صفت کے ثبوت میں اور اس کے احکام اور آثار کے مترتب ہونے میں علما میں سے کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ ہاں بعضے علماء نے انبیاء کی قبروں میں اُن کے موجود ہونے اور ثابت رہنے میں البتہ کلام کیا ہے۔
شیخ علاؤ الدین قونوی جو محققین علمائے شافعیہ سے تعلق رکھتے ہیں فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ کو قبروں میں ان کی اس طرح کی حیات یا وجود جس طرح سے وفات سے پہلے تھا اور ان حضرات کا قبروں کے اندر مداومت اور استقرار

فروعی مسائل میں سے نہیں ہے۔ جس میں دلائل ظنیہ غیر قطعیہ کافی ہو سکیں اور مشاہدہ خارجی سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان کو جو حیات وفات سے پہلے حاصل تھی وہ زوال پذیر ہو گئی اور اُس حیات کے عود کا دعویٰ کرنے کے لیے کوئی دلیل قطعی اور واضح چاہیے۔ تا کہ اس سے اعتقاد حاصل ہو۔ باوجودیکہ ہم ان حضرات کی حیات کا پروردگار جل جلالہٗ کے نزدیک اس حیات کے ساتھ اعتقاد رکھتے ہیں جو اس حیات متعارف سے اعلیٰ اور اشرف ہے اور ہم یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سموات علا میں سدرۃ المنتہیٰ عندہا جنۃ الماویٰ کے نزدیک اپنے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ہیں اور یہ حالت بہت ہی افضل واکمل ہے۔ اس حالت سے کہ آپ قبر میں مقیم ہوں اگرچہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ مومن کی قبر میں بمقدار درازی نظر کے کشادگی کر دیتے ہیں تو پھر سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے متعلق کیا کہنا۔ لیکن آپ کا جنت اعلیٰ میں رہنا جس کی چوڑائی مثل چوڑائی آسمان وزمین کے ہے بہت ہی اکمل واعلیٰ ہے۔ باوجودیکہ حدیث میں آیا ہے کہ انبیاء کو چالیس دن کے بعد قبر میں نہیں چھوڑتے ہیں۔ اور یہ حضرات اپنے پروردگار کے نزدیک قیامت تک نمازیں پڑھتے ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ میں اپنے پروردگار کے نزدیک اس سے زیادہ بزرگ ہوں کہ مجھ کو تین دن کے بعد قبر میں چھوڑیں اس سے ظاہر ہو گیا کہ یقین کر لینا انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبر میں اس حیات کے ساتھ اقامت کرنا جو وفات سے پہلے تھی اور ان کا قبر کے اندر دائمی رہنا دشوار ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا یہ نہیں بتلاتا ہے کہ وہیں آپ کا قیام دائمی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین سے آسمانوں میں ملاقات کی ہے۔ بس تطبیق یہ ہے کہ ان حضرات کے آسمانوں پر قیام فرما ہونے کے باوجود یہ کبھی کبھی دوسری جگہ بھی منتقل ہو جاتے ہوں تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ ان کا قبروں کے اندر دائمی رہنا لازم نہیں آتا۔ یہاں تک قونوی کا کلام تھا۔ ان کے لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو جو تردد ہے وہ قبر کے اندر دائمی حیات اور دائمی قیام میں ہے۔

لیکن اصل مدعا یعنی ثبوت حیات پروردگار عالم کے نزدیک ثابت اور مسلم ہے۔ بوجہ ثبوت دلیل قطعی نص قرآنی کے۔ چنانچہ کلام مذکور کو تحریر فرمانے کے بعد خود ہی کہتے ہیں کہ اسکی دوسری حیات کے ثبوت میں جو اس حیات معہودہ اور معلومہ جیسی ہے۔ (کہ غذا عادتاً حاصل نہیں ہو سکتی)۔ کوئی جھگڑا اور تردد نہیں ہے۔ ان کے اختلاف کا خلاصہ قبر کے اندر دائمی قیام اس حیات کے ساتھ کرنے سے ہے جو وفات سے پہلے تھی لیکن اس مقام پر کلام کی گنجائش ہے اگر غور سے سنا جائے تو ممکن ہے کہ قابل قبول ہو اور وہ یہ ہے کہ قطعی دلیل سے اصل حیات ثابت ہونے کے بعد (جیسا کہ خود انہوں نے قبر میں عدم دوام کا اعتراف کیا ہے) اور الانبیاء لا یترکون ۔ وانا اکرم علی ربی ۔ یہ دو حدیثیں لا کر اپنے مدعا کو تقویت دی ہے تو الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون کے وارد ہونے کے اعتبار سے اور آپ کا موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے ملاحظہ فرمانا بحکم اذا تعارضا تساقطا۔ تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان حضرات کے اجسام شریف کو قبر میں رکھا ہوا دیکھا گیا ہے۔ اور ان حضرات کا اپنی حالت پر باقی رہنا ہی اصل ہے۔ اس وقت تک جب تک کہ کوئی دلیل قطعی اس کے خلاف قائم ہو اور یہ اب تک نہیں قائم ہوئی۔ پس ثابت ہو گیا کہ جو حیات یقینی ہے وہ قبور میں ہے نہ کہ آسمان میں واللہ اعلم۔ اور محققین حضرات اہل حدیث اور شرح کرنے والے کہتے ہیں کہ حدیث الانبیاء لا یترکون ۔ اور اسی طرح سے انا اکرم علی ربی ۔ وجہ ثبوت کو نہیں پہنچی ہیں۔ ان حدیثوں کے راویوں میں سے بعض ایسے ہیں جو سوئے حفظ بلکہ اس سے اور زیادہ باتوں کی طرف منسوب ہیں اور اگر بالفرض صحیح بھی ہوں تو اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بغیر عبادت کے نہیں چھوڑتے ہیں بلکہ قبر میں تین دن کے گزر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور صلوٰۃ میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے فضائل میں آیا ہے کہ کوئی ایسا پیغمبر نہیں ہے جس کو تین دن کے بعد قبر سے نہ اُٹھا لیتے ہوں۔ سوائے میرے کہ میں نے اپنے پروردگار سے درخواست کی کہ میں قیامت کے دن تک اپنی اُمت ہی میں رہوں۔ تا کہ یہ لوگ بحکم

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ

ترجمہ: (اللہ نہیں عذاب کرے گا اُن لوگوں پر جب تک کہ آپ اُن میں ہیں)

نزول بلا سے محفوظ رہیں۔ ممکن ہے کہ اس حدیث شریف کے بموجب قبر میں حیات دائمی آنحضرت ﷺ کے لیے مخصوص ہو۔ اور تمام انبیاء کے لیے اصل حیات جو متفق علیہ ہے اللہ کے نزدیک ثابت ہو۔ واللہ اعلم۔

روایت ہے کہ جب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بلوائیوں نے گھیر لیا تو بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ سے کہا۔ مصلحت یہ ہے کہ آپ ملک شام کو چلے جائیں تا کہ اس بلا سے آپ کو خلاصی ہو۔ آپ نے فرمایا کہ میں ہرگز روا نہیں رکھتا کہ اپنے دار ہجرت سے جدا ہو جاؤں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت کو چھوڑ دوں۔ اور واقعہ حرہ میں سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کے حجرہ شریف سے تین دن تک اذان سننے کا واقعہ مشہور ہے۔ جب کہ لوگوں نے مسجد نبوی کو چھوڑ دیا تھا۔ لیکن قونوی نے اس کو ترجیح دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا بہشت اعلیٰ میں رہنا قبر شریف سے بہتر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مومنین کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جاتی ہے تو سید المرسلین ﷺ کی قبر شریف جنت کے بہترین باغوں میں سے ہوگی۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لیے قبر میں آپ کے وجود کی وجہ سے ایسی حالت ہو کہ نقل کیے بغیر آسمان وزمین اور جنتوں سے پردہ اُٹھا دیا گیا ہو۔ اس کے لیے اُمور آخرت اور احوال برزخ کو دنیا کی حالتوں پر قیاس نہیں کر سکتے۔ جو حدود وست سے مقید ہیں۔ جو کچھ موسیٰ علیہ السلام کے قبر میں نماز پڑھنے اور آنحضرت ﷺ کا ان کو آسمان پر دیکھنے کے درمیان مطابقت کے سلسلہ میں کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام قیام فرما ہونے کے باوجود کبھی کبھی اپنی قبور میں بھی نزول فرماتے ہیں۔ جو لوگ ان حضرات کے قبر میں دوام کے قائل ہیں وہ اس کے خلاف کہتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ان حضرات کا قبر میں قیام تو ضرور ہے لیکن اس کے باوجود کسی کسی وقت اس قوت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہے۔ آسمانوں پر بھی عروج کرتے ہیں۔ یا یہ کہا جائے کہ آنحضرت ﷺ نے ان حضرات کو قبور میں اس وقت دیکھا جب آپ آسمانوں سے گزر رہے تھے۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ یعنی یہ حال فاعل سے

تعلق رکھتا ہے نہ کہ مفعول سے۔ گویا کہ آسمانوں میں قیام کی صفت آنحضرت ﷺ کی ہے نہ کہ انبیاء کی۔ اگرچہ یہ تاویل ظاہر کے خلاف ہے۔ اور شیخ ابن ابی حمزہ لیجہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا آسمانوں پر انبیاء کو شب معراج میں دیکھنا چند احتمال رکھتا ہے اوّل یہ کہ ان حضرات کو ان کی قبور میں جس طرح سے آپ نے خبر دی ہے آسمانوں کے ان مقامات سے مشاہدہ کیا ہو اور حق سبحانہ تعالیٰ نے وہ قوت بصیرت جس سے اس حالت کو ادراک کر سکیں۔ آنحضرت ﷺ کو عطا فرمائی ہو جس طرح سے آنحضرت نے فرمایا ہے:

رایت الجنة والنار فی عرض هذا الحائط

ترجمہ:- (میں نے جنت اور دوزخ کو اس دیوار کی چوڑائی میں دیکھا ہے۔)

اس میں دو احتمال ہیں اوّل یہ کہ جنت اور دوزخ کو اس مقام سے دیکھا مراد موضع روشن دان ہوتا ہے۔ یا جنت اور دوزخ کی شکل کو دیوار کے عرض میں متشکل کر دیا ہو اور قدرت ان دونوں کی صلاحیت رکھتی ہے۔

دوسری وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا انبیاء کو آسمانوں میں دیکھنا اس طرح ہوا ہو کہ انبیاء کی ارواح کو انسانی شکل میں کر دیا گیا ہو۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ انبیاء کرام کو قبور سے اُٹھا کر اپنے حبیب مکرم کی تعظیم کے لیے اس مقام پر لے گئے ہوں تا کہ آپ کو ان سے دل بستگی ہو۔ اس کے علاوہ اور بہت سی وجوہات بھی ہو سکتی ہیں جو ہمارے علم سے باہر ہیں۔ یہ تمام صورتیں احتمال رکھتی ہیں اور کسی ایک صورت کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ خلاصہ یہ ہے کہ قدرت کاملہ ہر قسم کی صلاحیت رکھتی ہے۔ "انتہی"۔

منجملہ ان دلائل کے جو آنحضرت ﷺ کے قبر میں ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ سلطان سعید نورالدین شہید کا واقعہ ہے۔ ۵۵۷ ہجری میں سلطان نورالدین نے آنحضرت ﷺ کو ایک رات میں تین مرتبہ خواب میں دیکھا اور اُن کو نصرانیوں کی شرارت سے مطلع کیا۔ نورالدین مدینہ منورہ میں ایک ہزار فوج کے ساتھ پہنچا اور اُن دونوں ملعونوں کو جلا

دیا۔ پھر حجرہ شریف کے گرداگرد کھائی کھدوائی اور اس کھائی کو پگھلے ہوئے رانگ سے پُر کرا دیا۔ جیسا کہ اس کو بالتفصیل مسجد شریف کے فضائل میں بیان کیا جا چکا ہے۔

مدینہ منورہ کے تمام مؤرخین نے اس قصہ کا ذکر کیا ہے۔ انہی میں شیخ جمال الدین مطری اور مجد الدین فیروز آبادی اور بڑے بڑے علماء شامل ہیں۔ اور تصدیق بھی کی ہے۔ امام عبداللہ یافعی سلطان مذکور کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ بعض کاملین شیوخ نے کہا ہے کہ سلطان نور الدین کا شمار چالیس اولیاؤں میں سے ہے۔ اُن کے نائب سلطان صلاح الدین ایوبی تین سو میں سے شمار کیے جاتے ہیں۔ ابن اثیر کہتے ہیں کہ میں نے شاہانِ اسلام اور ان کے بعد والوں کی تاریخیں معلوم کیں تو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے بعد کوئی بادشاہ نور الدین سے زیادہ نیک سیرت نہیں ملا لیکن تعجب ہے کہ اُن کے تذکرہ میں یہ مشہور قصہ نہیں پایا جاتا واللہ اعلم۔

علامہ قونوی انبیاء کے قبروں میں وجود پر تردد کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ انبیاء کی توجہ قبور سے منقطع اور ان کا قبر سے تعلق جدا ہو گیا ہے۔ بلکہ انبیاء اور ان کی قبروں میں ایک خاص غیر منقطع دائمی تعلق ثابت ہے اور کسی دوسرے مقام سے اس درجہ کا تعلق ثابت نہیں ہوتا۔ اسی طرح سے تمام مومنین کی قبروں اور اُن کی روحوں میں خاص دائمی تعلق ہے جس کی وجہ وہ زائرین کو پہچانتے ہیں اور ان کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ جمیع اوقات میں زیارت کا مستحب ہونا اس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس کے بعد اس باب میں بہت سے احادیث لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مردوں کو ادراک اور سمع حاصل ہے کوئی شک نہیں ہے کہ سمع عارضی ہے جو حیات کے ساتھ مشروط ہے۔ بس سب کے سب زندہ ہیں لیکن ان سب کی حیات شہدا کی حیات سے کم درجہ رکھتی ہے۔ اور انبیاء کی حیات شہدا کی حیات سے کامل تر ہے۔ اس مسئلہ میں محقق اور جمہور علماء کے نزدیک پسندیدہ وہ رائے ہے جو تاج الدین سبکی سے نقل کی گئی ہے۔ **واللہ اعلم بحقیقتہ الحال والیہ المرجع والمآل ۔**

فصل۔ مسئلہ مذکور کا تتمہ۔ بحث اوّل

حدیث الارد اللّٰہ علی روحی۔ پر جو اعتراض پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی اُمتی آپ پر سلام کرتا ہے تو آپ کے بدن شریف میں روح ڈالی جاتی ہے۔ یہ عبارت دلالت کرتی ہے کہ آپ کو حیات دائمی حاصل نہیں ہے۔ اس لیے کہ اگر حیات دائمی ہوتی تو سلام کے وقت روح ڈالنا کے کیا معنی ہوں گے۔ اس اعتراض کا جواب چند وجوہ سے بیان کیا ہے۔ منجملہ اس کے یہ ہے کہ یہاں روح سے مراد وہ روح نہیں ہے جو میت کے قلب میں ڈالی جائے۔ بلکہ عالم استغراق سے اس عالم کی طرف متوجہ ہونا ہے اور اس عالم کے لوگوں کا احساس کرنا کہ سلام اور اس کے جواب کا تدارک آسان ہو اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ کلام اہلِ ظاہر کی سمجھ کے مطابق ہے۔ چونکہ عرف عام میں مردوں کا روح کے بغیر جواب دینا ممکن نہیں ہے اس لیے ان لفظوں سے تعبیر کردی۔ اصل مقصد سلام کا سننا اور جواب کا دینا کامل طرح پر ہے۔ اس بات کے باوجود اگر رد روح سے ظاہر معنی ہی لیے جائیں تو لازم آتا ہے کہ جسم شریف میں روح کی بقا دائمی ہو۔ یہ اس لیے کہ جب کسی شخص کے سلام کی وجہ سے روح مبارک آنحضرت ﷺ کے جسم میں بھیجی گئی تو پھر اس کے قبض ہونے کا اعتقاد رکھنا بھی لازم ہوگا۔ اور یہ بغیر کسی دلیل کے نہیں ہوسکتا۔ اگر ایسا اعتقاد رکھا بھی جائے تو پے در پے موت کا آنا لازم آجائے گا۔ جو شمار سے باہر ہے اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ اس کا تسلیم کرلینا حضور کی شان سے بعید ہے۔ اس لیے یہ عمل ایک قسم کے عذاب سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ شب و روز میں ذرا سا وقت بھی ایسا نہیں ملے گا کہ جس میں کوئی نہ کوئی آپ کی اُمت میں سے آپ پر سلام نہ بھیجتا ہو۔ لہٰذا آپ کے لیے دائمی حیات اور ہمیشہ سلام کا جواب فرمانا لازم آگیا۔ شیخ مجدالدین شیرازی کہتے ہیں کہ حضور کا علی روح فرمانا آپ کی شخصیت کے ثبوت پر صاف دلیل ہے۔ اور اس شخصیت پر صلوٰۃ وسلام پہنچنا گویا کہ خاص ایک نئی وضع سے اور حالتِ مخصوص سے روح مراد ہے۔ مع ثبوت اصل حیات کے۔ ہاں اگر کہا جاتا کہ رد روحی فی اونی جسدی ہے تو اس کے خلاف سمجھا جاتا۔

بحث ثانی

بظاہر اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا اور ایسے ہی دیگر انبیاء کا شب معراج میں نماز ادا کرنا موسیٰ علیہ السلام کا حج کے لیے آنا اور تلبیہ کہنا ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں کہ ثمیہ سے اُتر رہے ہیں اور تلبیہ پکار رہے ہیں اسی طرح سے آپ نے فرمایا ہے کہ گویا میں یونس رضی اللہ عنہ کو دیکھ رہا ہوں کہ تلبیہ پکار رہے ہیں۔ یہ کیا معنی رکھتا ہے۔ باوجودیکہ نماز نیز تمام عبادتیں دنیا کے اعمال میں سے ہیں۔ کیونکہ دنیا ہی دار تکلیف اور دار امتحان ہے۔ دار آخرت میں کوئی تکلیف امر ونہی نہیں ہے۔ اس سوال کا جواب بھی چند وجہ سے دیتے ہیں۔ اوّل جواب یہ ہے کہ صلوٰۃ یہاں پر بمعنی ذکر و دعا ہے اور یہ آخرت کے اعمال میں سے ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہ السلام شہداء سے افضل ہیں اور شہدا خدا کے نزدیک زندہ ہیں۔ اگر حج و نماز ادا کریں تو کچھ بعید نہیں ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حالت ان حضرات کی حیات کے وقت کی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلائی گئی تھیں۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: وکانی انظر الی موسیٰ کانی انظر الی یونس۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ عالم برزخ میں دنیا کے احکام جاری ہونا ثابت ہے۔ اکثرت اعمال اور زیادتی اجر کے منافی بھی نہیں ہے۔ عمل کا منقطع ہونا آخرت کے دن کے ساتھ مخصوص ہے جو آخرت میں منقطع ہے۔ وہ تکلیف اگر بغیر تکلیف اور مجاہدہ کے عمل کے اور بطور لذت ذکر مولیٰ کے حاصل ہو جائے تو کوئی بات مانع نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کے وقت سجدہ کریں گے۔ اور سجدہ کے معنی یہاں پر بجز عبادت و عمل کے دوسرے نہیں ہو سکتے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ خواب ہے۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے بینما انا نائم رایتنی اطوف بالکعبۃ۔ نیند میں دیکھنا بیداری کے حکم میں ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اس حالت سے ان انبیاء کے حالات سے آپ کو خبر دینا ہے جو آپ پر وحی کی گئی۔ ان انبیا کے حالات سے آپ نے بوجہ کمال یقین

کے اس کو مشاہدہ کے حکم میں لا کر دیکھنے سے تعبیر فرما دیا۔ شیخ علاؤ الدین قونوی کہتے ہیں کہ یہ بات کہنا کچھ بعید نہیں ہے کہ انبیاء کی ارواح مقدسہ بدن سے جدا ہونے کے بعد بمنزلہ ملائکہ بلکہ ملائکہ سے افضل ہیں۔ تو جس طرح سے ملائکہ مختلف صورت میں متبدل ہو جاتے ہیں اسی طرح سے ارواح مقدسہ انبیاء علیہم السلام بھی مختلف جسموں میں متمثل ہو جائیں۔ ممکن ہے کہ یہ تصرف بعض خاص بندوں کی حالتِ حیات میں بھی حاصل ہو جائے اور ایک روح متعدد بدنوں میں بدن معہود کے علاوہ متصرف ہو جائے۔ جیسا کہ بعض محققین نے ابدال کی وجہ تسمیہ میں کہا ہے۔ ان ابدال میں سے کوئی ابدال کبھی کسی مقام کو چلا جاتا ہے اور اول جگہ میں اپنی شکل و مثال چھوڑ جاتا ہے۔ صوفیہ قدس اللہ اسرارہم نے عالم اجسام اور عالم ارواح کے درمیان ایک عالم متوسط ثابت کیا ہے جس کو عالم مثال کہتے ہیں۔ وہ عالم اجساد سے لطیف اور عالم ارواح سے کثیف ہے۔ ارواح کا ظہور اور مختلف صورتوں کا دکھلائی پڑنا اسی عالم پر منحصر ہے۔ جبریل علیہ السلام کا دحیہ کلبی کی صورت میں ظاہر ہونا اور حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے بصورت بشری دکھلائی دینا اسی عالم کے احکام میں سے شمار کرتے ہیں۔ لہٰذا جائز ہے کہ موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان پر مقیم ہونے کے باوجود قبر میں اپنی شکل مثالی سے متمثل ہوئے ہوں اور آنحضرت ﷺ نے ان کو دونوں مقام پر مشاہدہ فرمایا ہو۔ عالم مثال کے ثبوت کے بعد بہت سے مسائل کے جواب خود بخود نکل آتے ہیں اور بہت سے اعتراضات خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ جیسے وسعتِ جنت کا بیان اور آپ کا جنت کو دیوار کی چوڑائی میں مشاہدہ فرمانا وغیرہ۔ یہاں پر شیخ کا کلام ختم ہو گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حیات کے مسئلہ کی تحقیق وغیرہ اس عالم کے پہچاننے پر موقوف ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کا موسیٰ اور یونس علیہم السلام کو دیکھتے ہی تحقیق کرنے کے دوران ضروری ہے کہ عالم روحانی کے زمان و مکان کو عالم جسمانی کے زمان و مکان کے درمیان فرق و امتیاز قائم کر لیا جائے۔ جیسا کہ صوفیائے محققین نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے اور کہتے ہیں کہ عالم روحانی میں زمانہ ماضی، مستقبل اور حال کی تقسیم نہیں ہے۔ یونس علیہ السلام کا بطنِ ماہی میں ہونا، موسیٰ علیہ السلام کا دریائے نیل سے

عبور کرنا اور آنحضرت ﷺ کے وجود کی حالت یہ سب ایک ہے۔ پس آنحضرت ﷺ کا ان حضرات کو حج اور تلبیہ کی حالت میں دیکھنا وہی اصل حالت ہے۔ جو ان حضرات نے اپنی حیات میں حج کیا اور تلبیہ کہا تھا۔ اس حالت کی حقیقت اور اس کا ادراک ان کے متمثل ہونے کے قائل ہونے سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کا ان کی صورت مثالیہ کے مشاہدہ کرنے کے مباحث کے سلسلے میں کلام کو طول دینا حقیقتاً اصل مقصود سے دور لے جاتا ہے۔ لہٰذا اتنے ہی پر اکتفا کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

پندرھواں باب

گنبد خضرا کی زیارت کے مستحب یا واجب ہونے کا بیان

بزرگانِ دین نے اس سعادت کے حاصل کرنے کا قصد فرمایا۔ اور اس دربار سے مشرف ہوئے۔ نیز آنجناب جنت مآب سے وسیلہ واستمداد حاصل کرنے کا بیان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار کی زیارت علماء دین کے نزدیک بالاتفاق قولاً وفعلاً بہترین سنن اور مؤکدترین مستحبات میں سے ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر کی زیارت ایک متفق علیہ سنت اور مرغوب فضیلت ہے۔ بعض علمائے مالکیہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے وجوب کے قائل ہیں اور دوسروں نے اس قول کی تاویل سنت واجبہ سے کی ہے۔ گویا سنت واجبہ سے مراد مؤکدہ غایت تاکید ہے۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ بعد ادائے حج فریضہ زیارت ادا کرنا سنت ہے۔ قاضی حسین جو ائمہ شافعیہ کے مشاہیر میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ جب فریضہ حج سے فارغ ہو جائے تو ملتزم کے پاس وقوف کرے۔ اور دعا کرکے مدینہ منورہ آ کر سید کائنات کی زیارت سے مشرف ہو۔ قاضی ابوالطیب کہتے ہیں کہ حج وعمرہ کے بعد مستحب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا قصد کرے۔

حسن بن زیاد امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ حاجیوں کے لیے سب سے بہتر یہ ہے کہ مکہ معظمہ سے ابتدا کریں اور حج کے ارکان بجالا کر اس کے بعد

مدینہ منورہ آئیں اور آنحضرت ﷺ کی زیارت کریں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زیارت بہترین مستحسنات اور مؤکد ترین مستحبات درجہ واجبات کے قریب ہے۔ چاروں مذاہب کے علماء نے حج کو مقدم کرنے کی تصریح فرمادی ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اگر حج کے راستے میں مدینہ شریف پڑے تو بہتر یہ ہے کہ ابتدا مدینہ سے کرے۔ اس کے بعد حج کو متوجہ ہو۔ اور بعض بزرگانِ دین نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر حج کا راستہ مدینہ کی جانب سے نہ ہو لیکن دیارِ محبوب ان سے قریب ہو تو مدینہ کی حاضر کو مقدم کرنا لوازم وقت میں شمار کیا جائے۔ اور بعضے تابعین کو مکہ کے عازمین کے لیے مدینہ منورہ کی زیارت کو مقدم قرار دینے پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تاج الدین سبکی نے آنحضرت ﷺ کی زیارت کی فضیلت اور قربت کو چار اصول شریعت سے ثابت کیا ہے۔ اوّل اصول کتاب اللہ فرمان حق سبحانہ تعالیٰ۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا

ترجمہ: (اور اگر تحقیق کہ لوگ جب ظلم کریں اپنی جانوں پر آویں آپ کے پاس اور استغفار طلب کریں وہ لوگ اللہ سے اور استغفار کریں ان کے لیے رسول تو البتہ پاؤ گے تم اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم والا)

کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ترغیب دلا کر دربار رسالت کی حاضری پر دلالت کرتی ہے۔ اور حضور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سے مغفرت کا سوال کرنا اور آپ ﷺ سے استغفار کا طلب کرنا یہ وہ مرتبہ عظیمہ ہے جو کبھی انقطاع پذیر نہ ہوگا۔ چونکہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت موت و حیات یکساں ہے اور آنحضرت ﷺ کا موت کے بعد اُمت کے لیے استغفار کرنا۔ آپ استغفار اس وقت فرماتے ہیں جب ملائکہ اُمت کے اعمال آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ فصل سابق میں یہ سب وضاحت سے گزر چکا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی کمال رحمت سے جو آپ اپنی اُمت کے ساتھ رکھتے ہیں اُمید ہے کہ آپ اس شخص کے لیے ضرور استغفار کریں گے جو آپ کے دربار میں اس کا طالب

بن کر حاضر ہو۔ یہ بمقابلہ دوسروں کے موکد ترین ہے اور تمام علماء نے اس آیت سے آپ کی موت وحیات کی حالت کو برابر سمجھا ہے۔ یہاں تک کہ آداب زیارت میں حکم کرتے ہیں کہ اس آیت کو پڑھے اور استغفار کرے۔ اس سلسلے میں اس اعرابی کا قصہ بہت مشہور ہے جو آپ کی رحلت کے بعد زیارت کے لیے آیا تھا۔ اور اس آیت کو پڑھا تھا۔ چاروں مذاہب کے پیروان نے اور ہر اس شخص نے جس نے ارکان حج تصنیف کیے ہیں اس حکایت کو ضرور بیان کیا ہے۔ اور بہت سے علمائے کبار نے جو سند ان کو معلوم ہوئی ہے اسی سند سے روایت کیا ہے۔ محمد بن حرب ہلالی کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ منورہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر کے آپ کے سامنے بیٹھا ہی تھا کہ یکا یک ایک اعرابی نے آ کر زیارت کی اور کہنے لگا یا خیر الرسل حق سبحانہ تعالیٰ نے آپ پر جو سچی کتاب نازل فرمائی ہے اس میں لکھا ہے کہ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ الایۃ میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے بخشش کا طالب آیا ہوں۔ آپ میرے لیے استغفار کریں۔ یہ کہہ کر رونے لگا اور بیت پڑھی۔

بیت

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمہ

فطاب طیبھن القاع والاکم

نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ

فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

اس کے بعد خواب میں دیکھتا ہوں کہ آپ مجھ سے فرماتے ہیں اس شخص کو بلا کر خوش خبری سنا دو کہ حق تعالیٰ نے میری شفاعت سے اس کے گناہ بخش دیے۔

حافظ ابوعبداللہ مصباح الظلام میں امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے تین روز بعد ایک اعرابی آیا اور قبر پر گر پڑا اس کی خاک پاک اپنے سر پر ڈالتا تھا اور کہتا تھا کہ یارسول اللہ آپ نے جو

کچھ اپنے رب سے سنا وہ میں نے آپ سے سنا اور آپ نے جو کچھ خدا سے یاد کیا۔ میں نے آپ سے یاد کیا اور وہ یہ آیت ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ الایۃ۔ میں نے اپنے اُوپر ظلم کیا ہے اور آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ آپ میرے لیے استغفار فرمائیں۔ قبر شریف سے ایک آواز آئی قد غفر لك۔

احادیث سے زیارت کے بارے میں سنت ہونا ثابت ہے۔ جو اس کی فضیلت میں ذکر کی گئیں۔ یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ قبور کی زیارت کرنا سنت ہے۔ چونکہ سید المرسلین کی قبر شریف سید القبور ہے اس لیے اس کے استحباب کے لئے اتنا ہی ثبوت کافی ہے اجماع امت سے اس کی فضیلت اور استحباب کو بیان کر دیا گیا اگر اختلاف ہے تو عورتوں کے بارے میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عورتوں کو جائز نہیں ہے۔ اس لئے آپ نے عورتوں کو قبور کی زیارت کرنے سے منع فرما دیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحبین یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کی زیارت عورت و مرد دونوں کے لیے مستحب ہے۔ اور ان قبور شریف کی زیارت اس ممانعت سے مستثنٰی ہے جو عورتوں کی بابت آئی ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ آپ نے ابتدائے اسلام میں منع فرمایا تھا وہ ممانعت اس حدیث کی وجہ سے تھی نهيتكم عن زيارة القبور۔ ترجمہ: (میں نے تم کو قبور کی زیارت سے منع کیا تھا۔) یہ بعد میں منسوخ ہو گئی۔

مشہور جو شافعیہ کے علمائے متاخرین میں سے ہیں اولیاء اللہ اور صالحین کی قبور کو بھی اسی حکم میں رکھتے ہیں۔ اور سیدۃ النساء فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا شہدائے اُحد کی زیارت کرنا اور سید الشہدا کی زیارت کے لیے ان کا تشریف لے جانا ثابت ہو چکا ہے۔ جیسا کہ فصل بقیع اور اس کے قبور میں مذکور ہو چکا ہے اور دو روایتوں میں اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مکہ میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی قبر کی زیارت کرنا بھی آیا ہے جو مشہوری کے اس قول کا موید ہے واللہ اعلم۔ لیکن قیاس کا تقاضا اور فیصلہ یہ ہے کہ اگر بقیع کی قبروں اور شہدائے اُحد کے مقابر اور دوسری قبور کی زیارت کرنا مستحب ہے تو قبر شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت' اس کی تعظیم' اس سے برکت حاصل کرنا اور بذریعہ صلوٰۃ

وسلام کے رحمت اور فیض حاصل کرنا بطریق اولیٰ مستحب ہوگا۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ قبور کی زیارت سے مقصود محض یاد آوری آخرت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

زوروا القبور فانها تذکرکم الاخرۃ

ترجمہ: (قبروں کی زیارت کرو وہ تم کو آخرت یاد دلائیں گی)

اور کبھی زیارت قبور اہل قبور پر دعا اور استغفار کے لیے ہے۔ جس طرح آنحضرت ﷺ کی بابت آیا ہے کہ اہل بقیع کی زیارت کی اور کبھی اہل قبور کے انتفاع کی وجہ سے جس طرح قبور صالحین کی زیارت کے متعلق آیا ہے۔ امام حجۃ السلام کہتے ہیں کہ جس شخص سے حالت حیات برکت حاصل کرتے ہیں بعد موت کے بھی اس سے برکت حاصل کر سکتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ موسیٰ کاظم سلام اللہ علیہ کی قبر اجابت دعا کے لیے تریاق اکبر ہے اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ ہم نے چار اولیاء اللہ کو پایا ہے کہ وہ اپنی قبور میں اس طرح سے تصرف کرتے ہیں جس طرح سے حالتِ حیات میں کرتے تھے۔ یا اس سے زیادہ۔ شیخ معروف کرخی و شیخ محی الدین جیلی اور دو اور مشائخ کا ذکر کیا ہے۔ بعض علمائے مذہب استمداد بالقبور اور قصد انتفاع میں اختلاف رکھتے ہیں۔ چنانچہ شیخ کمال الدین بن ہمام نے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ ابومحمد مالکی کہتے ہیں کہ میت سے قصدِ انتفاع کرنا بدعت ہے مگر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام قبور مرسلین کی زیارت میں بدعت نہیں ہے۔ امام تاج الدین سکی کہتے ہیں کہ ابومحمد مالکی کا انبیاء کی قبور شریفہ کو مستثنےٰ قرار دینا صحیح ہے۔ لیکن غیر قبروں کی بابت بدعت کا حکم لگانا اس میں اعتراض ہے۔ انتہی۔ کبھی کبھی زیارت اہل قبور کا حق ادا کرنے کے لیے ہوتی ہے حدیث میں آیا ہے کہ میت کے لیے سب سے مانوس حالت اُس وقت ہوتی ہے جب کوئی اس کے شناساؤں میں سے اس کی قبر کی زیارت کرتا ہے۔ اس کے متعلق بہت سی حدیثیں ہیں۔ حدیث مرفوع میں آیا ہے۔

من زار قبر ابویه فی کل جمعة واحد هما کتب بارا وان کان فی الدنیا ما قبل ذالك بهما عاقا

ترجمہ: (جو شخص کہ اپنے ماں باپ کے قبر کی زیارت ہر جمعہ کو کرتا ہے یا ان
دونوں میں سے ایک کی وہ لکھا جاتا ہے نیک اگرچہ دنیا میں اس سے پہلے ان
دونوں کا عاق شدہ ہو)۔

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کرنے میں یہ تمام معنی مذکورہ
حاصل ہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ آپ مکروہ رکھتے تھے کہ لوگ کہیں زرنا
قبر النبی۔ اس قول کی وجہ کراہت میں اختلاف ہے عبدالحق معقلی کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ
ہے کہ زیارت ایک ایسا فعل ہے جس کا کرنا نہ کرنا برابر ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی قبر
کی زیارت واجب ہے۔ قاضی عیاض مالکی کے نزدیک مختار یہ ہے کہ قبر کی طرف زیارت کا
منسوب کر دینا کراہت کی وجہ ہے۔ اگر کہیں کہ زرنا النبی تو کوئی کراہت نہیں ہے بوجہ

حدیث

اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد اشتد غضب اللہ علی قوم اخذوا

قبور انبیائھم مساجد

ترجمہ: (اے اللہ مت بنا تو میری قبر کو بت کہ جس کی پرستش کی جائے۔ سخت
ہو گیا اللہ کا غصہ اس قوم پر جنہوں نے بنا لیا اپنے نبی کی قبروں کو سجدہ گاہ)

اور اگرچہ زیارت اس قسم سے نہیں ہے۔ لیکن زبان کو اس لفظ سے محفوظ رکھنا تقاضہ
احتیاط ہے۔ جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ ہے لیکن حدیث میں قبر کا لفظ واقع ہو
جانا اس بات کے منافی ہے۔ سبکی کہتے ہیں ممکن ہے یہ حدیث امام مالک کو نہ پہنچی ہو۔ ابن
رشد نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ میں زرت النبی کے کہنے کو مکروہ سمجھتا
ہوں۔ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے اعلیٰ اور ارفع ہیں کہ آپ کی زیارت
کی جائے۔ ہاں قبر کی زیارت کہہ سکتے ہو اور ابن رشد یہ بھی کہتے ہیں کہ کراہت کی وجہ یہ
ہے کہ زیارت کا لفظ اکثر مردوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے اور آپ ہر زندہ مخلوق سے زندہ
تر ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ زیارت کا لفظ اکثر و بیشتر میت کے ایصال نفع کے لیے
استعمال کیا جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اس غرض سے نہیں ہے۔ بہر صورت

کراہت کا منشا باعتبار ظاہر کے رعایت لفظی ہے۔ اور دوسروں کے نزدیک عدم کراہت پسندیدہ ہے بھی ظاہر ہے۔

فصل۔ قبر شریف کی زیارت کے لیے سفر اختیار کرنا اور اس سعادت عظمیٰ کے حصول کے لیے اونٹوں کے کجاوے کسنا۔ اب جب کہ زیارت کی فضیلت اور اس کا مستحب ہونا ثابت ہو گیا تو سفر کا جواز اور اس کا استحباب بھی لازم آیا۔ دلائل کے عام ہونے کی وجہ سے قرب اور بُعد دونوں ایک ہی حکم میں ہیں۔ لیکن حدیث ہے:

لا تشدوا الرجال الا الی ثلثة مساجد

ترجمہ: (مت کسو تم اپنے کجاووں کو مگر تین مسجدوں کی طرف)

اس حدیث سے مراد ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کے لیے سفر کرنے کی ممانعت ہے۔ جیسا کہ نحو کا قاعدہ ہے کہ مستثنیٰ منہ مستثنیٰ کے جنس سے ہونا چاہیے۔ پس مطلق سفر کی ممانعت جو ان مساجد کے علاوہ ہو لازم نہیں آتی اور ان تین مسجدوں کے علاوہ سفر کرنا کس طرح منع ہو سکتا ہے۔ حالانکہ بالاتفاق سفر حج و سفر جہاد اور دار کفر سے ہجرت کرنا نیز تجارت اور تمام مصالح دینویہ کے لیے سفر کرنا جائز ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ ہے کہ قربت مقصودہ مساجد کے قصد میں تین ہیں۔ مسجد حرام و مسجد النبی اور مسجد اقصیٰ۔ ان کے علاوہ ایسی مسجدیں نہیں ہیں باوجود یکہ آنحضرت ﷺ کی زیارت کا قصد آپ کی مسجد شریف کے قصد کو مستلزم ہے۔ اور آپ کی قربت کی وجہ سے ہے۔ اور اس مقام کی برکت سے مقصد وہاں کے موجودین کی تعظیم ہے۔ جس طرح سے آپ کی حالتِ حیات میں آپ کے شرف صحبت حاصل کرنے کی غرض سے سفر کرتے تھے نہ کہ محض مقام کی۔ بعضوں نے کہا ہے کہ تین مسجدوں کے علاوہ جو سفر کرنے کی ممانعت کی گئی ہے وہ باعتبار تعظیم و فضیلت اور ثواب دو چند ہونے کی غرض سے ہے جیسا کہ ان مساجد کی حاضری میں ہے۔ ورنہ اس اعتقاد کے بغیر کوئی ممانعت اور کراہت نہیں ہے۔ لیکن جو مساجد جبر کہ شہروں سے قریب ہوں ان کی سوار یا پیادہ پا زیارت کرنا جائز ہے جس طرح سے کہ مسجد قبا کی۔ بعض علماء نے کہا ہے اور جمہور علما کہتے ہیں کہ ان تین مسجدوں کے

علاوہ زیارت کی نذر ماننا جائز نہیں ہے اور بعضوں نے مطلقاً جائز رکھا ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اگر سفر بے شد رحال (بغیر کجاوا کسے) ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے متعلق پوچھا جس نے مسجد قبا تک پیدل جانے کی مدینہ میں نذر مانی تھی۔ فرمایا کہ اس پر اس کا پورا کرنا لازم ہے۔ ظاہراً آپ نے یہ حکم اس کے فضائل کی وجہ سے دیا ہے۔ چنانچہ وارد ہوا ہے کہ اس میں نماز پڑھنا عمرہ کے برابر ہے۔ اور اس میں دو رکعت پڑھ لینا مسجد اقصےٰ میں ہزار رکعت پڑھنے سے افضل ہے۔ آنحضرت ﷺ کا اس مسجد کی طرف سوار و پیادہ سفر کرنا اور عمر رضی اللہ عنہ کا فرمانا کہ اگر یہ مسجد کسی سمت سے اطراف زمین کے ہوتی تو افسوس ہے ان اونٹوں پر جو اس کی طلب میں ہلاک نہ ہوتے۔ ان فضائل کا خیال کرتے ہوئے حضرت عبداللہ نے یہ سمجھا کہ گویا یہ مسجد بھی مقصود برکت کے اعتبار سے مساجد ثلاثہ کے حکم میں ہے۔ اور سفر و شد رحال کے اختیار کرنے کے سلسلے میں مساجد ثلاثہ کے مذکورہ حکم میں اس مسجد کا ذکر نہ کرنا اکتفا کرنے کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ مدینہ منورہ سے قریب ہونے کی وجہ سے دوسری جگہ اس کی فضیلت کا ذکر کیا جا چکا تھا۔ واللہ اعلم۔

جب کوئی آدمی حضرت سید المرسلین کی زیارت کی نذر مان لے تو اس کے پورا کرنے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے لیکن غیر نبی کی زیارت کی نذر میں اختلاف ہے۔ سلف صالحین کا سید کائنات کی زیارت کی غرض سے سفر کرنا کثرت سے ثابت ہے۔ منجملہ اس کے۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے خلافت کے زمانہ میں بلال رضی اللہ عنہ مؤذن کا شام سے مدینہ آنے کا قصہ مشہور ہے۔ ابن عساکر رضی اللہ عنہ ابی درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بلال رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ فرماتے ہیں کہ اے بلال (رضی اللہ عنہ) یہ کیا ظلم ہے کہ کبھی ہماری زیارت کو نہیں آتے۔ اسی وقت بلال رضی اللہ عنہ اپنی سواری کے ذریعہ مدینہ کے قصد سے روانہ ہو گئے۔ جب قبر شریف پر پہنچے تو اشکبار ہو کر عاجزی کے ساتھ روئے نیاز خاک پر رکھا۔ حسن اور حسین رضی اللہ عنہم حجرہ سے باہر نکلے ان کو گود میں لے کر سر و چشم کو چوما۔ تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا بھی دار بقا کو تشریف لے جا چکی تھیں۔ لوگوں نے بلال رضی اللہ عنہ سے اذان سننے کی خواہش کی۔ سب نے مشورہ کیا کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہم فرمائیں تو بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کہنے سے گریز نہ ہوگا ورنہ بلال رضی اللہ عنہ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے اذان نہیں کہی ہے حتیٰ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بلال رضی اللہ عنہ سے چاہا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے اذان پکارا کریں تو بلال رضی اللہ عنہ نے کہہ دیا تھا کہ اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) تم نے مال دے کر مجھے خریدا اور راہِ خدا میں آزاد کر دیا۔ یہ سب آپ نے اپنے لیے کیا تھا یا خدا کے لئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے خدا کے لیے کیا تھا۔ بلال رضی اللہ عنہ نے کہا مجھ کو اب بھی خدا ہی کے لیے چھوڑ دو تا کہ میں خود مختار رہوں۔ مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے کے لیے اذان کہوں اس کے بعد شام کو چلے گئے تھے اور وہاں سے زیارت کرنے کو مدینہ منورہ تشریف لائے۔ کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ جب امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما نے اُن سے فرمایا کہ اذان کہیے تو بلال رضی اللہ عنہ مسجد کی چھت پر جس جگہ کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں کھڑے ہوتے تھے چڑھے۔ جب اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تو لوگوں میں شور مچ گیا گویا تمام شہر مدینہ حرکت میں آ گیا۔ جب اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ کہا تو تزلزل بہت زائد ہو گیا۔ ساکنانِ مدینہ میں گریہ وزاری اور شور بہت زیادہ پیدا ہو گیا جب اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ فرمایا ایک دوسری قیامت قائم ہو گئی۔ کوئی عورت و مرد خورد و کلاں مدینہ میں ایسا نہ تھا جو گھر سے باہر نہ نکل آیا ہو اور نہ رو یا ہو۔ گویا کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت کا دن تازہ ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ انتہائی بے چینی اور غم کی وجہ سے اذان کو پورا نہ کر سکے اور اُتر آئے۔ رضی اللہ عنہ۔

کہتے ہیں کہ جب امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ملک شام فتح کیا اور بیت المقدس کے باشندوں سے صلح کی اور کعب احبار آ کر مشرف با سلام ہوئے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ان کے اسلام سے بے انتہا مسرت ہوئی۔ واپسی کے وقت اُن سے فرمایا کہ اے

کعب اگر چاہو تو ہمارے ساتھ مدینہ چلو اور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر لو۔
کعب احبار نے کہا بہت خوب اے امیر المومنین میں ایسا ہی کروں گا۔ مدینہ منورہ میں آنے کے بعد سب سے پہلا کام جو امیر المومنین نے کیا وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام تھا۔

عبد الرزاق نے صحیح سندوں سے روایت کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ جب سفر سے واپس آتے تھے تو پہلے قبر شریف پر پہنچتے اور کہتے:

السلام علیك یا رسول الله السلام علیك یا ابا بکر السلام علیك یا ابتاہ

امام مالک ؒ کی مؤطا میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ ایک شخص نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے غلام نافع سے دریافت کیا کہ کیا تم نے یہ دیکھا تھا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما قبر شریف پر سلام کرتے تھے انہوں نے کہا کہ ہاں میں نے دیکھا اور سو بار سے زائد دیکھا کہ قبر شریف کے پاس کھڑے ہو کر کہتے تھے

السلام علی النبی السلام علی ابابکر السلام علی ابی

مسند امام اعظم ابو حنیفہ ؒ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہا سنت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر قبلہ کی جانب سے آوے اور قبلہ کی طرف پشت کر کے کہے

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ۔

بیان کرتے ہیں کہ مروان بن الحکم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنا روئے نیاز قبر شریف نبوی ﷺ پر رکھے ہوئے تھا۔ مروان نے اس کی گردن پکڑ کر کہا تو جانتا ہے جس فعل کا تو مرتکب ہو رہا ہے یہ کیسا ہے؟ اس نے کہا خبردار مجھے چھوڑ دے میں نے اپنا چہرہ پتھر پر نہیں رکھا ہے بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت پر رکھا ہے۔ اور کہنے لگا کہ میں نے پیغمبر ﷺ خدا سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ دین پر اس وقت رونا چاہیے جس وقت ولایت نااہل کو پہنچے۔ اللہ اس کہنے والے سے راضی ہو۔

عمر بن عبد العزیز ؒ ملک شام سے مدینہ منورہ کو قاصد بھیجا کرتے تھے تاکہ ان کا

سلام رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں عرض کرے۔ ان کا یہ فعل تابعین کے وسط زمانہ میں تھا۔ اس خبر کی روایت مشہور ہے۔ اور حسن ابن حسن رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک قوم کو قبر شریف کے گرد کھڑے ہوئے دیکھ کر حسن نے ان کو منع کیا اور کہا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری قبر کو عید مت بناؤ اور اپنے مکانوں کو قبرستان نہ کرو۔ جہاں کہیں تم ہو مجھ پر درود بھیجو۔ یقیناً تمہارا درود میرے پاس پہنچتا ہے۔

زین العابدین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا وہ اس کھڑکی سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف سے نزدیک تھی آتا تھا اور دعا کرتا تھا آپ نے اس کو منع کیا۔ اسی حدیث کے مضمون کو اس کے اوپر پڑھا۔ ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ سہل بن سہیل کہتے ہیں میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کو آیا اُس وقت حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے گھر میں شام کا کھانا نوش جان فرما رہے تھے مجھ کو اپنے پاس بلایا چونکہ مجھے کھانے کی خواہش کم تھی اس لیے کھانے میں شامل نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ قبر پر کیوں کھڑے ہو سلام کرو اور چلے جاؤ۔ پھر کہا

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تتخذ و اقبری عید الحدیث

ترجمہ: (فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری قبر کو عید مت بناؤ۔ الآخر)

اور فرمایا کہ تم اور باشندگان اندلس نزدیکی میں برابر ہو۔ اسی طرح کہ روایت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے بھی آئی ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ شخص جن کو ان امامانِ دین نے منع کیا ہے حد اعتدال سے گزر گئے ہوں گے یا تکلف اور بناوٹ کی علامات اُن میں مشاہدہ فرمائی ہوں گی یا ان حضرات کا مقصد تنبیہ اور تعلیم اس بات کی رہی ہوگی کہ حضور باطنی میں قرب و بعد دونوں برابر ہیں۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

بیت

در راہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست

می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ قبر شریف کے نزدیک دیر تک کھڑا ہونا مکروہ

ہے خاص کر اہل مدینہ کے لیے ورنہ اصل زیارت اور قبر شریف کی حاضری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں ٹھہرنے کے مترادف ہے جس سے انکار کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ ائمہ اہل بیت سلام اللہ علیہم اجمعین سے روایات صحیح آئی ہیں کہ جب یہ حضرات آنحضرت ﷺ کے سلام کو حاضر ہوتے تھے تو اس ستون کے قریب جو روضہ شریف کے متصل ہے کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے اور فرماتے تھے کہ رسول خدا ﷺ کے سر کی جگہ ہے۔

مطری کہتے ہیں کہ حجرہ شریف کو مسجد میں داخل کیے جانے سے پیشتر بزرگوں کا یہی طریقہ تھا اور اب کھڑے ہونے کی جگہ چاندی کی میخ کے مقابل میں ہے جو آنحضرت ﷺ کے روئے انور کے مقابل دیوار سے لگی ہے۔ چنانچہ آداب زیارت کے بیان میں انشاء اللہ اس کا ذکر آئے گا۔ آنحضرت ﷺ کے فرمان لا تجعلوا قبری عیدا ٭ کی بابت حافظ منذری کہتے ہیں۔ احتمال ہے کہ آپ کی مراد قبر شریف کی کثرت زیارت پر برانگیختہ کرنا ہو اور اس بات کی جانب اشارہ ہو کہ حضور اکرم ﷺ کی زیارت عید کی طرح مت بناؤ کہ ہر سال میں ایک دو مرتبہ سے زائد نہ آؤ اور لا تجعلوا بیوتکم قبورًا سے مراد مکانوں میں نماز ترک کرنا ہے اور مکانوں کو مثل قبور کے بنا دینا ہے۔ یعنی مثل مُردوں کے پڑے رہیں اور کوئی طاعت وعبادت نہ کریں لہٰذا اس حدیث کو ان معنے پر محمول کرنا مناسب ہے۔ اور سبکی کہتے ہیں کہ اس حدیث سے مراد زیارت کے لیے تعین وقت کی ممانعت ہے جیسا کہ عید کے لیے وقت مقرر ہے بلکہ تمام سال اور پوری زندگی زیارت کا وقت ہے۔ یا عید سے تشبیہ دینے کا یہ مقصد رہا ہو گا کہ اس میں زینت وآرائش اور اجتماع سے پرہیز کیا جائے۔ جیسا کہ عید میں رسم ہے بلکہ چاہیے کہ زیارت سلام اور دعا ہی پر بس کریں۔ انتہی۔ اس بات سے یہ لازم نہیں آتا کہ مرقد شریف پر بصفت سکون ووقار، شوق ومحبت اور ادب وانکسار کے ساتھ حاضر ہونے اور دعا مانگنے اور کثرت زاری اور التجا کرنے میں کوئی کراہت ہو واللہ اعلم۔

فصل۔

آنحضرت ﷺ کی جناب میں توسل واستغاثہ اور استمداد انبیاء ومرسلین ومتقدمین اور متاخرین بزرگوں کا فعل ہے خواہ یہ آپ کے عالم وجود میں آنے سے پہلے ہو یا اُس کے بعد۔ حیات دنیویہ ہو یا عالم برزخ۔ خواہ میدانِ قیامت ہو کہ جس دن انبیائے مرسلین کو جائے دم زدن نہ ہوگی۔ اس وقت آنحضرت ﷺ ہی بابِ شفاعت کو کھلوا کر اولین وآخرین کو نعمت کے دریاؤں اور رحمت کے انوار سے مستفیض فرمائیں گے اور آنحضرت ﷺ سے استمداد حاصل کرنے میں ان چاروں مقامات کے لیے بہت سی خبریں اور آثار وارد ہوئے ہیں۔ اوّل توسل جو آپ کے عالمِ وجود میں آنے سے پیشتر ہے۔ منجملہ اُن احادیث اور اخبار کے جو اس کے متعلق آئی ہیں ایک حدیث عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہے علمائے حدیث نے اس کو صحیح کہا ہے کہ جب آدم صفی اللہ سے خطا سر زد ہوئی تو توبہ کے لیے کہا:

یارب اسألك بحق محمد ان تغفرلی

ترجمہ: (اے میرے رب میں تجھ سے سوال کرتا ہوں بطفیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ مجھ کو بخش دے)

مجیب الدعوات کے دربار سے فرمان آیا کہ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح پہچانا حالانکہ میں نے ابھی اُن کے جوہر روح کو صدفِ جسمانیت میں نہیں رکھا ہے آدم نے کہا کہ اے خدا تو جانتا ہے۔ جس روز مجھ کو اپنے دستِ قدرت سے تو نے پیدا کیا اور میرے قالب بشری میں روح علوی پھونکی تو میں نے سر اُٹھایا عرش کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا۔ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس دن سے میں نے پہچان لیا کہ وہ تیرے ایک بندے ہیں اور تیرے نزدیک کل مخلوقات میں محبوب ترین اور تیرے دربار کے مقرب ترین ہیں۔ حکم آیا کہ جب تم نے ان کو میرے دربار میں وسیلہ مغفرت ٹھہرایا ہے تو میں نے تمہارے گناہ معاف کر دیے۔ اے آدم اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو تم کو بھی نہ پیدا کرتا۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ جو کلمات آدم صفی اللہ نے دربارِ خداوندی سے سیکھے تھے اور ان کی توبہ و مغفرت کا ذریعہ ہوئے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ

ترجمہ: (بس سیکھ لیں آدم نے اپنے رب سے چند باتیں۔ پس رجوع کیا اس پر)

وہ کلمات یہ تھے الٰھی بحرمت محمد والہ غفرلی۔ سبکی کہتے ہیں کہ جب اعمالِ صالحہ سے توسل جائز ہے باوجودیکہ یہ فعل انسانی ہے جو کوتاہی اور قصور کے ساتھ موصوف ہے اور دربارِ خداوندی میں مقبول ہے۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سفارش میں لانا جو اللہ کے محبوب اور محبّ ہیں بطریق اولیٰ جائز ہے۔

دوسری قسم

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل حیات دنیوی میں اتنا زیادہ ہے کہ شمار میں نہیں آ سکتا۔ حدیث میں ہے کہ ایک نابینا آدمی نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمائیے کہ خداوند تعالیٰ مجھ کو عافیت میسر کرے آپ نے فرمایا اگر تو بینائی چاہتا ہے تو میں خداوند کریم سے دعا کروں کہ تو بینا ہو جائے اور آخرت کا اجر چاہتا ہے تو صبر کر اور یہ تیرے لیے بہتر ہے۔ نابینا نے کہا آپ دعا کیجیے۔ آپ نے فرمایا اچھا وضو کر لے اور یہ دعا پڑھ:

اللھم انی اسالك واتوجه الیك بنبیك محمد نبی الرحمة یامحمد انی توجهت بك الی ربی فی حاجتی هذالتقضی لی اللھم شفعه فی

ترجمہ: (اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری جانب توجہ کرتا ہوں بطفیل تیرے محمد ﷺ کے جو رحمت کے نبی ہیں۔ اے محمد ﷺ میں متوجہ ہوا بطفیل آپ کے اپنے رب کی طرف اپنی حاجت میں جو یہ ہے تاکہ پوری ہو جائے حاجت میری اے اللہ شفیع بنا تو ان کو میرے متعلق)

ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے اور بیہقی نے بھی اس کی تصحیح کی

ہے۔اس حدیث کے آخر میں اتنی عبارت کا اضافہ کیا ہے۔

فقام وقد ابصر وفی روایۃ ففعل الرجل فبراء

ترجمہ: (بس وہ شخص کھڑا ہوا اور بینا ہو گیا۔ایک روایت میں ہے کہ اُس شخص نے ایسا کیا اور اچھا ہو گیا)

حاجت مندوں کا آنحضرت ﷺ کے توسل اور استمداد سے کشادگی رزق۔ حصول اولاد اور نزول بارش چاہنا اور اس میں کامران وشادکام ہونا، بکثرت احادیث سے ثابت ہے۔

تیسری قسم

توجہ اور استمداد و توسل آپ کی وفات کے بعد۔ اس میں بھی حدیثیں وارد ہیں۔ طبرانی نے معجم کبیر میں عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص کا کوئی کام عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے تھا اور وہ پورا نہ ہوتا تھا۔ عثمان بن عفان قطعاً اُس کی طرف توجہ نہیں فرماتے تھے اس شخص نے اپنا قصہ عثمان بن حنیف سے بیان کیا اور اس کی تدبیر دریافت کی۔ آپ نے کہا وضو کر اور مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ۔ پھر اس دعا کو پڑھ مترجم (دعا کو مع ترجمہ کے نابینا کے قصہ میں لکھ چکا ہوں) اس کے بعد اپنا مقصد عرض کر وہ شخص گیا اور ان کے کہنے پر عمل کیا۔ اُس کے بعد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر آیا۔ آپ کا دربان آیا اور اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔ آپ نے اس شخص کو اپنے مخصوص بستر پر بٹھالیا اور حاجت دریافت کی۔ جو کچھ اس کی حاجت تھی آپ نے پوری کر دی۔ پھر فرمایا کہ اس کے بعد جو کام تمہارا ہوا کرے مجھ سے کہا کرو تاکہ میں پورا کر دیا کروں۔ وہ شخص عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے خوش ہو کر نکلا اور عثمان بن حنیف کے پاس آکر کہنے لگا کہ آپ کو اللہ جزائے خیر دے۔ شاید تم نے عثمان رضی اللہ عنہ سے میرے کام کے متعلق کچھ کہا ہے جب ہی تو وہ اس طرح پیش آئے۔ اس سے پیشتر تو کبھی میری طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے ان سے کچھ نہیں کہا سوائے اس کے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ

وسلم کو دیکھا تھا کہ ایک نابینا آپ کے پاس آیا اور بینا ہونے کی درخواست کی۔ (پوری حدیث پہلے والی بیان کر دی) اس سے میں نے سمجھ لیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کا توسل مقاصد کے پورا ہونے کا ذریعہ ہے۔ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ کتاب شفا میں بیان کرتے ہیں کہ ابوجعفر خلیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں مناظرہ ہو گیا۔ ابوجعفر نے دوران کلام میں آواز بلند کی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اے امیر المومنین رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آواز بلند کرتے ہو حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب میں ایک قوم کو ادب سکھاتے ہیں اور فرماتے ہیں:

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ الایۃ

ترجمہ (مت بلند کرو تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر آخر آیت تک)

اور ایک قوم کی مدح فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى

ترجمہ (جو لوگ کہ پست کرتے ہیں اپنی آوازوں کو رسول ﷺ کے نزدیک وہی وہ لوگ ہیں کہ آزمائش کی اللہ نے اُن کے دلوں کے واسطے تقوے کے)

خوب سمجھ رکھو کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمتِ وفات کے بعد بھی مثل اس حرمت کے ہے جیسی آپ کی حیات میں تھی۔ خلیفہ پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے سے رقت کی حالت طاری ہو گئی اور بہت زائد انکساری استعمال کی کہنے لگا کہ اے ابوعبد اللہ دعا کے وقت قبلہ کی طرف منہ کروں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) کی طرف تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ کس واسطے پیغمبر سے منہ پھیرتا ہے حالانکہ وہ وسیلہ تیرے اور تیرے باپ آدم صفی اللہ کے ہیں۔ خداوند تعالیٰ کے نزدیک استقبال پیغمبر کی طرف کرو اور ان سے شفاعت طلب کرو تا کہ وہ تمہارے شفیع ہو جائیں۔

آدابِ زیارت کے باب میں آنحضرت ﷺ کی طرف استقبال کرنے کا استحباب

اور آپ سے توسل اور آپ کے دربار میں دعا۔ انتہائی ادب کا لحاظ رکھنا انشاء اللہ مذکور ہو گا۔ فاطمہ بنت اسد ام علی بن ابی طالب کی قبر کے تذکرہ میں ذکر ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ ان کی قبر پر آئے اور فرمایا:

بحق نبیك والانبیاء اللذین من قبلی

ترجمہ: (بطفیل تیرے نبی اور ان نبیوں کے جو مجھ سے پہلے تھے)

اس حدیث میں دونوں حالت میں توسل کی دلیل موجود ہے۔ باعتبار آنحضرت ﷺ حالتِ حیات میں اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے اعتبار سے وفات کے بعد جب دیگر انبیاء علیہم السلام سے وفات کے بعد توسل جائز ہے تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق اولےٰ جائز ہو گا اگر اس حدیث سے اولیاء اللہ سے توسل بعد وفات کے قیاس کریں تو کچھ بعید نہیں ہے۔ جب تک کہ کوئی دلیل حضرت انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت پر قائم نہ ہو اور خصوصیت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن ابی شیبہ صحیح سند سے بیان کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک مرتبہ قحط پڑا۔ ایک مرتبہ قبر شریف نبوی پر آیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)

استسق لامتك فانهم قد هلكوا۔

ترجمہ: (آپ اپنی امت کے لیے اللہ سے پانی طلب کیجیے بے شک لوگ ہلاک ہو گئے)

آنحضرت ﷺ اس شخص کے پاس خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ جاؤ عمر کو خوش خبری دو کہ بارش ہو گی یہ طریقہ طلب دعا کا ہے۔ آنحضرت کا اپنے پروردگار سے دعا کرنا تاکہ یہ حاجت پوری ہو جائے۔ جس طرح حالتِ حیات میں تھا جیسا کہ مضمون دعائے مذکورہ بالا سے ظاہر ہے۔ ابن جوزی نے روایت کی ہے کہ ایک زمانہ میں اہل مدینہ سخت قحط زدہ ہوئے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس چلو اور اس میں ایک کھڑکی آسمان کی طرف

کو کھولو تا کہ آپ کی قبر اور آسمان میں کوئی پردہ نہ رہے۔ ان لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حکم سے ایسا ہی کیا۔ بہت بارش ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کھڑکی کھولنے کے متعلق حکم کرنے میں ایک رمز واضح ہے۔ مطلوب کے لیے کھڑکی کھولنا اور آنحضرت ﷺ کا دربار رب العالمین میں دعا وسوال کرنا اور اسی قبیل سے سائل کا سوال آنحضرت ﷺ کے دربار سے ہے۔ اسالك مرافقتك فى الجنة ۔یعنی میں سوال کرتا ہوں آپ کے دربار سے کہ آپ اپنے پروردگار سے درخواست کریں تاکہ مجھے آپ کی معیت کی سعادت سے جنت میں مشرف کرے۔

چوتھی قسم

میدان قیامت میں شفاعت کے لیے سرور انبیاء کا توسل پکڑنا۔ اس مسئلہ کے متعلق متواتر حدیثیں ہیں اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ان نیک لوگوں کا توسل بھی پکڑا جاسکتا ہے جن کا آنحضرت ﷺ کے دربار سے کسی قسم کا تعلق ہے اس کے متعلق بھی بہت سی احادیث ہیں۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے استسقا کرنے کا قصہ اس کی تائید کرتا ہے۔ صحیح حدیث میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قحط سالی ہوتی تھی تو عمر رضی اللہ عنہ استسقا میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا توسل پکڑتے تھے اور کہتے تھے کہ اے خدا اس سے پہلے جب قحط سالی ہوتی تھی تو ہم تیرے پیغمبر کا توسل پکڑتے تھے اور تو پانی برساتا تھا۔ اب تیرے پیغمبر کے چچا کا توسل پکڑتے ہیں لہٰذا ہمارے اُوپر پانی برسا ایک اور روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیا ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کہتے اے خدا ہم تیرے پیغمبر کے چچا کے ذریعہ استسقا کررہے ہیں اور ہم ان کے بڑھاپے کو شفیع بناتے ہیں۔ پھر عباس رضی اللہ عنہ اپنی دعا میں کہتے کہ خداوندا! یہ قوم میری طرف متوجہ ہوئی ہے۔ بہ سبب اُس تعلق کے جو مجھ کو تیرے پیغمبر سے ہے۔ اے خدا! مجھ کو ان کے سامنے شرمندہ مت کر۔ اسی مضمون کو عباس بن عتبہ بن ابی لہب نے کہا ہے کہ اللہ نے میرے چچا کے ذریعہ سے حجاز اور اس کے باشندوں کو سیراب کیا اور یہ ان ایام میں ہوا جب کہ انہوں نے اپنے بڑھاپے کے ذریعہ استسقا کیا تھا۔

سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد منور کے نزدیک استغاثہ اور استمداد طلب کرنے کے بعد مقصد کا پورا ہو جانا۔ اس کے متعلق بھی بہت سے آثار آئے ہیں۔ محمد بن المنکدر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے میرے والد کے پاس اسی ۸۰ دینار امانت رکھے اور اجازت دی کہ اگر تم کو ضرورت پڑے تو اس میں سے خرچ بھی کر لینا۔ یہ کہہ کر جہاد کو چلا گیا۔ میرے والد ضرورت کے وقت اس میں سے خرچ کرتے تھے۔ جب وہ شخص واپس آیا اپنی رقم کو طلب کیا میرے والد ادا کرنے سے قاصر رہے اور اس سے کہا کہ کل آنا تب جواب دوں گا۔ اب میرے والد نے مسجد نبوی ﷺ میں رات گزاری۔ تھوڑی دیر حضور میں اور تھوڑی دیر منبر کے سامنے فریاد کی یکایک رات کی تاریکی میں ایک شخص ظاہر ہوا اور اسی دینار کی ایک تھیلی والد کے ہاتھ میں تھما دی۔ صبح کے وقت والد نے جس کی امانت اپنے پاس رکھی تھی اس کو ادا کر دے دی اور مطالبہ کی زحمت سے نجات پائی۔

امام ابوبکر بن مقری کہتے ہیں کہ میں اور طبرانی اور ابوالشیخ تینوں حرم مصطفوی ﷺ میں تھے کہ بھوک نے غلبہ کیا اور دو روز اسی حالت میں گزر گئے۔ جب عشاء کا وقت آیا میں قبر شریف کے سامنے گیا اور عرض کیا یا رسول الجوع''۔ یہ کلمہ کہہ کر میں واپس آ گیا۔ میں اور ابوالشیخ سو گئے۔ طبرانی بیٹھے ہوئے کسی چیز کا انتظار کر رہے تھے کہ اچانک ایک شخص علوی آیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس کے ساتھ دو غلام تھے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں زنبیل اور اس میں مع کھجور بہت سے کھانے تھے۔ انہوں نے ہم سب کے ساتھ بیٹھ کر کھایا اور جتنا باقی بچا اس کو بھی ہمارے پاس چھوڑ گیا۔ اور کہا اے لوگو شاید تم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی ہے۔ میں نے اسی وقت آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ مجھ سے فرماتے ہیں۔ تم ان لوگوں کے لیے کھانا حاضر کرو۔ ابن الجلا کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں آیا۔ ابھی مجھ پر ایک دو فاقے گزرے تھے کہ میں نے قبر شریف کے پاس کھڑے ہو کر عرض کیا کہ

انا ضیفک یا رسول اللہ۔ ترجمہ: (یا رسول اللہ میں آپ کا مہمان ہوں)

پھر میں سو گیا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ مجھ کو روٹی دی۔ آدھی

میں نے خواب میں ہی کھالی۔ جب بیدار ہوا تو بقیہ نصف روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔

ابوبکر اقطع کہتے ہیں کہ میں مدینہ میں آیا اور مجھے پانچ دن گزر گئے کہ غذا نہیں چکھی تھی۔ چھٹے روز قبر شریف پر جا کر عرض کیا (یا رسول اللہ میں آپ کا مہمان ہوں) اس کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے حضرت ابوبکر داہنی جانب اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بائیں طرف علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آگے تھے مجھ سے کہتے ہیں کہ اٹھو پیغمبر خدا ﷺ تشریف لے آئے۔ میں آگے بڑھا اور آپ کے دونوں ابروؤں کے درمیان میں نے بوسہ دیا۔ آپ نے مجھ کو ایک روٹی دی۔ میں نے کھالی۔ جب بیدار ہوا تو ایک ٹکڑا روٹی کا میرے ہاتھ میں بچا ہوا تھا۔

احمد بن محمد صوفی کہتے ہیں کہ میں تین مہینے تک جنگل میں پھرتا رہا میرے بدن کی کھال پھٹ گئی تھی۔ میں مدینہ آیا۔ حضور اکرم ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں پر سلام عرض کر کے سو گیا۔ آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں اے احمد تو آ گیا کیا حال ہے۔ میں نے عرض کیا (یا رسول اللہ ﷺ میں بھوکا ہوں اور آپ کا مہمان ہوں) فرمایا کہ ہاتھ کھول۔ میں نے ہاتھ پھیلا دیا۔ آپ نے چند درہم میرے ہاتھ میں دے دیے۔ جب میں بیدار ہوا تو وہ درہم میرے ہاتھ میں تھے۔ میں بازار گیا۔ گرم روٹی اور فالودہ خریدا پھر جنگل کو چلا گیا۔

اسی طرح کی اور بہت سی حکایتیں ہیں۔ اکثر حکایتیں مشائخ صوفیا سے منقول ہیں جو محرم اسرار اور مقرب دربار رسالت ہیں۔ اور اکثر حکایتیں جو مہمانی یا کھلانے سے تعلق رکھتی ہیں ان میں خود حضور ﷺ بہ نفس نفیس اُس کے متکفل ہوئے ہیں یا کسی اہل بیت کرام کو حکم فرمایا ہے لیکن کسی بیگانے کے گھر نہیں بھیجا اور یہی کرم کا مقتضے ہے۔

بیت

اگر خیریت دنیا و عقبےٰ آرزو داری
بدر گاہش بیا وہرچہ میخواہی تمنا کن

تتمہ

یہ چار مقام جو توسل اور استمداد حضرت سید العباد صلی اللہ علیہ وسلم سے واقع ہیں۔
مقام اول یعنی آپ کی روح مقدس کا توسل جو عالم جسمانیت میں آنے سے پہلے آپ ہی کی جناب کے ساتھ مخصوص ہے۔ کسی نبی یا ولی کو اس منقبت عظمیٰ میں کوئی مشارکت نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کے علاوہ نص کا نہ آنا خصوصیت کے لیے کافی ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ سے توسل حیات دینوی میں ظاہر ہے۔ یہ صرف آنحضرت ﷺ ہی کی خصوصیات میں سے نہیں ہے بلکہ آپ کے بعض متبعین کے لیے بھی ثابت ہے۔ ان حضرات کو شرف متابعت اور قربت حاصل ہے۔ جیسے کہ آپ کے آل واصحاب اور اولیائے اُمت رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ان حضرات کی کرامت اور تصرف کا اس عالم میں ظاہر ہو جانا جو اُن افراد کا ایک فرد ہے۔ ہمارے مدعا کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا استسقا کے واقعہ میں عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما سے توسل پکڑنا ثابت ہے۔ جمیع علما میں سے کسی کو بھی اس میں اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح سے انبیاء واولیاء اور صالحین امت سے آخرت کے دن کے لیے توسل اور استمداد بوسیلہ شفاعت جائز ہے۔ جس طرح سے عقائد کی کتب میں مذکور ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے ساتھ عالم برزخ کی برکت اور توسل کے مخصوص ہونے میں تردد ہے۔ اور بظاہر تو یہ غیروں کے ساتھ یعنی اولیاء اللہ اور صلحائے اُمت سے بھی جائز معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ بوجہ عموم جواز توسل انہیں یہ مرتبہ اس لیے ملا ہے کہ وہ حالت حیات میں مع بقائے روح میت اور شعور وادراک اور قرب کی وجہ سے اللہ کے نزدیک بلند مرتبہ پر فائز ہیں۔ اور یہ بلند مرتبہ ایمان۔ عمل صالح اور بشرف اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں حاصل ہوا ہے۔ توسل اور استمداد کی بس اتنی سی حقیقت ہے کہ جناب باری سے اس محبت اور کرم کے واسطے میں جو اللہ تعالیٰ اس بندہ خاص سے رکھتے ہیں۔ سوال اور دعا کی جائے۔ اور اس روحانیت کی وجہ سے جو اس بندہ خاص کو حضرت رب العزت کے دربار میں قربت اور کرامت حاصل ہے ہم توسل اور استمداد طلب کرتے ہیں۔ اور اس میں صریح نص کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بہ سبب

بقائے ذات متوسل کے بخلاف مقام اول کہ وہاں پر نص کا نہ ہونا امتناع کے لیے کافی ہے۔ ہاں اگر آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس کی خصوصیت پر دلیل قطعی مل جائے تو خصوصیت کا منع کرنا ٹھیک ہوگا۔ ظاہرا تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ کسی غیر معصوم شخص کے لیے ایمان پر مرنا اور قرب الٰہی کا حاصل ہونا یقینی نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ ان حضرات کی بقا ان لوگوں میں خصوصا وعموما یقینی ہے جو ان باتوں کی خوش خبری دے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سی نقلیں اور بکثرت خبریں ان بڑے بڑے مشائخ سے آئی ہیں جو صاحب کشف اور عالم مثال کے محرم راز ہیں۔ اور یہ نقول اور اخبار شبہات کی قاطع نہیں۔ لیکن بعض فقہا کو اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

ولکن الحق حق ان یتبع و اللہ اعلم۔

باب سولھواں

آدابِ زیارت مدینہ منورہ کی اقامت اور اپنے وطن کی طرف واپسی کا بیان

جب کہ زیارت کا قصد ایک مخصوص اور متبرک سفر ہے تو یقیناً جو آداب اس سے تعلق رکھتے ہیں ان میں سے بعض مطلق سفر ہی سے وابستہ ہیں جیسے استخارہ وتجدید توبہ ورد مظالم اور اصحاب حقوق کو خوش کرنا۔ اہل وعیال کا نفقہ۔ سامان سفر وطلب رفیق اور دوستوں کو رخصت کرنا۔ اُن دعاؤں کا پڑھنا جو وقت سفر اور سواری پر ہوتے۔ اور اُترتے وقت مسنون ہیں اور تمام وہ آداب جو ابتدائے سفر اور وسط راستے میں مقصد کے پہنچنے تک اور وطن کی واپسی تک مستحب ومسنون ہیں ان سب کو کتاب آداب الصالحین میں جو امام غزالی کی احیاء العلوم کے ایک چوتھائی کا ترجمہ ہے ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ باتیں جو اس سفر مبارک سے مخصوص ہیں ذکر کی جائیں گی۔ منجملہ اُن آداب کے کہ جن کی رعایت بہت ہی اہم واقدم ہے۔ وہ اخلاص نیت ہے کہ تمام افعال واعمال کا اسی پر دار ومدار ہے۔

حدیث:

فمن کانت ھجرۃ الی اللّٰہ ورسولہ فھجرتہ الی اللّٰہ ورسولہ۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زیارت کی نیت تقرب الی اللہ ہے اور کون سا تقرب وتوسل حبیب رب العالمین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچنے سے بڑھ کر ہو گا۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ -وَاِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ۔

ترجمہ: (جس شخص نے کہ رسول کی اطاعت کی بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی) بے شک جولوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں)

سرور کائنات کی زیارت کے ساتھ مسجد شریف کا قصد بھی ملحوظ رکھیں کیونکہ یہ بھی مستحب ہے جیسا کہ ابن صلاح اور نووی رحمۃ اللہ علیہما نے اس کی تصریح کی ہے اس لیے کہ اس مسجد شریف کی طرف قصداً سفر کرنے اور نماز پڑھنے کے متعلق احادیث کثیرہ آئی ہیں۔ شیخ الحنفیہ کمال الدین الہمام نے بھی اپنے مشائخ سے ایسا ہی نقل کیا ہے لیکن اس کے بعد لکھتے ہیں کہ زیارت ہی کی نیت کرنا اولیٰ ہے۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد جب زیارت حاصل ہو جائے تو زیارت مسجد کی نیت علیحدہ کرے یا کسی دوسرے سفر میں دونوں نیتیں بجا لائے اس لیے کہ اس صورت میں زیارت کی تعظیم بہت زیادہ ہے اور ان کا قول جناب رسول خدا ﷺ کے قول کے موافق ہے۔ آپ نے فرمایا ہے لا تعملہ حاجۃ الا زیارتی ۔ترجمہ: (کہ نہ لائی ہو اس کو کوئی حاجت سوائے میری زیارت کے) حق یہ ہے کہ مسجد کے تبرک کی نیت کے ساتھ ہی زیارت کی نیت کر لینا منافی نہیں ہے۔ کیونکہ مسجد کی نیت کرنا اور اس سے برکت حاصل کرنا اُس میں آنحضرت ﷺ کے حکم کی فرمانبرداری کی وجہ سے نماز ادا کرنا عین ملاحظہ اور مشاہدہ آپ کی نسبت کا ہونے کے علاوہ منجملہ اُن حاجتوں کے ہے جو سعادت اور شفاعت کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ یہ نیت بھی انہیں میں سے ہے بلکہ زیارت کے متمات سے ہے جس قدر جلد ممکن ہو۔ مسجد شریف کے اعتکاف کی نیت کرے اگرچہ ایک ہی ساعت کی ہو اور نیک باتوں کی تعلیم و تعلم و ذکر الٰہی نیز آنحضرت ﷺ پر کثرت سے صلوٰۃ وسلام اور ختم قرآن میں مشغول رہے اگر مدینہ منورہ پہنچنے سے اس کی نیت کرے تو بلاشبہ نیت کی جزا اور اس کا ثواب پائے گا۔ منجملہ مستحبات کے یہ ہے کہ اس راستہ کے چلنے میں ہمیشہ شوق اور آنحضرت ﷺ کی زیارت کا

کثرت سے اشتیاق اور اُس دربار عالی میں پہنچنے کی تمنا سعادت کے حاصل کرنے کا مشاہدہ اور آنحضرت ﷺ کے دیدار و دریائے محبت کے استغراق میں خوش رہے۔ بغیر رنج کے اور بغیر سستی کے چست اور ہشاش بشاش رہے۔ دائم الحضور ہر وقت اچھے اخلاق میں مستغرق رہے۔ کثرت سے نیک کام کرے ادب کا لحاظ رکھے۔ اطاعت زیادہ کرے۔ روحانیت غالب ہو۔ نورانیت ظاہر ہو۔ شوق و ذوق خوشی و سرور اور ذکر حضور چمک و نور انوار محمدی کے انعکاس کے لیے آمادہ رہے۔ اور اسرار احدی کے قبول کے لیے تیار رہے اور منجملہ مستحباب کے یہ ہے کہ راستہ میں اکثر اوقات بلکہ ہر وقت سوائے ادائے فرائض اور فراغت ضروریات کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کے ساتھ بصفت شوق اور حضور و طہارت و نظافت کے مشغول رہے مع رعایت شرائط آداب جو خاتمہ کتاب میں مذکور ہوں گے اس لیے کہ سب سے قریب راستہ اور قوی ذریعہ اس مسئلہ کے متعلق یہی ہے۔ یقیناً قریب ہی یا کچھ دنوں کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے جمال دیدار سے فیض یاب ہوگا۔ خاص کر وہ اوقات کہ جن میں اُمید کی گئی ہے اور وہ حالات جو متبرکہ ہیں۔ مثل صبح نماز کے بعد خصوصاً مدینہ منورہ کے قریب اور مقامات مقدسہ کے نزدیک حدیث میں ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ایک جماعت فرشتوں کی پیدا کی ہے جو قاصدین زیارت کے تحفہ درود کو دربار نبوی ﷺ میں پہنچاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ فلاں بن فلاں زیارت کو آتا ہے اور یہ تحفہ پہلے بھیجا ہے۔ اس سے بڑھ کر کون سی سعادت ہوگی کہ اس کا اور اس کے باپ کا نام حضور پُر نور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں لیا جائے۔ منجملہ ان مستحباب کے یہ ہے کہ تمام مساجد نبویہ ﷺ کی زیارت اور آثار محمدیہ ﷺ کی تلاش جو راستہ میں واقع ہیں اور مساجد ماثورہ کے بیان میں گزر چکے غنیمت سمجھے۔ جب حرم شریف طیبہ مطیبہ کے قریب پہنچے اور وہاں کے مکانات ونشانات وٹیلوں کو دیکھے تو وظیفہ وخضوع وخشوع وآداب گریہ وزاری کی تجدید کرے۔ وہاں کے پہنچنے سے خوش ہو حدیث میں آیا ہے کہ جب مدینہ طیبہ کا زائر قریب پہنچتا ہے تو رحمت کے فرشتے تحفے لے کر اس کے استقبال کو آتے ہیں اور طرح طرح کے بشارات سے شامل حال

ہوتے ہیں۔ نورانی طبق اس کے اوپر نثار کرتے ہیں۔ منزل مقصود کے قریب ہونے پر ایسا تصور کرے کہ گویا سلطان عالم کے دربار میں حاضر ہوا ہوں۔ اور نشانات و پہاڑوں کے دیکھنے سے ایک عظمت اور شوق، باطن میں پیدا کرے۔ اس باب میں سب سے عمدہ حفاظت قلب اور خشوع باطنی ہے۔ اور تمام اعضاء کو گناہوں سے روکے رہے۔ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کا ورد رکھے۔ دل سے آپ کی عظمتِ مقام کا لحاظ اور فکر رکھے نہ کہ محض زبانی تعلق۔ بیجا حرکتِ اعضاء اور شور وغل جیسا کہ عوام کا دستور ہے اس سے باز رہے۔ اگر کمال مراقبہ حاصل نہ ہو تو خشوع ظاہری اور تکلف سے اچھوں کی مشابہت کو نہ چھوڑے کہ یہ حالت بھی تھوڑے سے استقلال اور استقامت کے بعد اسی حالت کو پیدا کر دیتی ہے یا اس کے قریب پہنچا دیتی ہے۔ منجملہ مستحاب کے یہ ہے کہ جبل مفرح پر پہنچے تو اگر یہ خوف ہو کہ اس پر چڑھنے سے لوگ اس کے سنت ہونے کا یا اس فعل کے وجوب کا خیال کریں گے یا اپنے ہی نفس کو تکلیف ہوگی۔ یا دوسروں کو ایذا ہوگی تو نہ چڑھے اور اگر دل ان باتوں سے خالی ہے اور جانتا ہے کہ یہ ذریعہ شوق کے زیادتی کا ہے تو منع نہیں ہے بلکہ قاعدے کے موافق اور دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ یہ فعل مستحسن ہے یا مستحب۔ یہ کہنا کہ مدینہ منورہ کو دیکھنے کی غرض سے اس پہاڑ پر چڑھنا بدعت غیر حسنہ ہے۔ نہایت بُری بات ہے اور تحقیق سے کوسوں دور ہے۔ حبیب کے ٹیلوں کا دیکھنا ازدیاد شوق کا ایک ذریعہ اور امر محبوب ہے۔ بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ جو مشتاق حبیب کی ملاقات کے شوق میں منزلوں کو قطع اور میدانوں کو طے کرتا ہوا سرحد مقصود کے قریب پہنچا ہو اور دیدار سے پہلے مکانات اور ٹیلوں کے دیکھنے سے صبر کر سکے۔ اپنی عمر پر کس کو بھروسہ ہے۔ شاید حرم شریف کے میدان میں پہنچنے سے پہلے ہی قاصدِ اجل پہنچ جائے اور یہ شخص اس کے مشاہدہ سے محروم رہے۔ جب مسجد ذوالحلیفہ میں پہنچے تو ابیار علی کے قریب اترے اور دو رکعت نماز پڑھے۔ بشرطیکہ جان ومال کا خطرہ نہ ہو۔ یہ علی جس کی طرف ابیار منسوب ہے ایک شخص کا نام ہے جو پہلے زمانہ میں تھا۔ اس سے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ مراد نہیں ہیں اور اسی طرح وادیٔ فاطمہ سے جو مکہ کے قریب ہے فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا مراد نہیں ہیں۔

جب مدینہ منورہ اور اس کے قبہ و منارے نظر آ گئیں تو اس تعظیم کی وجہ سے جو باطن میں موجزن ہے سواری سے اتر پڑے۔ اگر ہو سکے تو مسجد شریف تک پاپیادہ جائے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب عبدالقیس کے وفد کی نظر آنحضرت ﷺ کے جمال پر پڑی تو اونٹ بٹھانے سے پیشتر ہی اپنے کو زمین پر گرا دیا۔

بیت

کو طاقت آنم کہ بپائیں جاذبہ شوق

رخسار ترا بینم و بے تاب نگردم

آنحضرت ﷺ نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا۔ جب حرم مدینہ میں پہنچے تو حضور اکرم ﷺ پر سلام کے بعد یہ دعا پڑھے:

اللهم هذا حرم رسولك فاجعله لي وقاية من النار واماناً من العذاب وسوء الحساب اللهم افتح لي ابواب رحمتك وارزقني في زيارة نبيك ما رزقته اولیائك واهل طاعتك واغفرلي وارحمني يا خير مسئول۔

اس باب میں آنحضرت ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے میں سب سے عمدہ استغراق ظاہری و باطنی ہے۔ اس مقام سے عظمت و جلال کا بھی تصور رہے۔ خوشی اور سرور اس وقت کے لوازمات سے ہے۔ اللہ کا فضل شامل کرکے اس مقام اور قبوں کی زیارت کی وجہ سے شکرگزاری میں بہ باطن مشغول رہے اور مستحب ہے کہ مدینہ میں داخلے کے لیے اچھی طرح سے غسل کرے، مسواک کرے، عمدہ کپڑے پہنے اگر یہ سفید ہوں تو بہتر ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے نزدیک سفید کپڑا سب کپڑوں میں پسندیدہ تھا۔ اپنی حالت کو احرام باندھنے کے مقابلے میں بردباری اور زیور وقار سے سنوارے۔ جیسا کہ بعض عوام جاہل کرتے ہیں پرہیز کرے اس لیے کہ یہ خصوصیات مکہ مکرمہ اور لوازمات حج وغیرہ میں سے ہے۔ اپنے دل میں آنحضرت ﷺ کے شان کی عظمت و بڑائی کا تصور اس شہر میں کرے کیونکہ یہی ظاہری و باطنی خشوع و خضوع کا ذریعہ ہے۔ اپنے دل میں یہ سمجھ لے کہ یہ ایسا

جب مدینہ منورہ اور اس کے قبہ و منارے نظر آئیں تو اس تعظیم کی وجہ سے جو باطن میں موجزن ہے سواری سے اتر پڑے۔ اگر ہو سکے تو مسجد شریف تک پاپیادہ جائے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب عبدالقیس کے وفد کی نظر آنحضرت ﷺ کے جمال پر پڑی تو اونٹ بٹھانے سے پیشتر ہی اپنے کو زمین پر گرا دیا۔

بیت

کو طاقت آنم کہ بپایں جاذبہ شوق
رخسار ترا بینم و بے تاب نگردم

آنحضرت ﷺ نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا۔ جب حرم مدینہ میں پہنچے تو حضور اکرم ﷺ پر سلام کے بعد یہ دعا پڑھے:

اللهم هذا حرم رسولك فاجعله لي وقاية من النار وامانا من العذاب وسوء الحساب اللهم افتح لي ابواب رحمتك وارزقني في زيارة نبيك ما رزقته اولياءك واهل طاعتك واغفرلي وارحمني يا خير مسئول۔

اس باب میں آنحضرت ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے میں سب سے عمدہ استغراق ظاہری و باطنی ہے۔ اس مقام سے عظمت و جلال کا بھی تصور رہے۔ خوشی اور سرور اس وقت کے لوازمات سے ہے۔ اللہ کا فضل شامل کر کے اس مقام اور قبوں کی زیارت کی وجہ سے شکر گزاری میں یہ باطن مشغول رہے اور مستحب ہے کہ مدینہ میں داخلے کے لیے اچھی طرح سے غسل کرے، مسواک کرے، عمدہ کپڑے پہنے اگر یہ سفید ہوں تو بہتر ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے نزدیک سفید کپڑا سب کپڑوں میں پسندیدہ تھا۔ اپنی حالت کو احرام باندھنے کے مقابلے میں بردباری اور زیور وقار سے سنوارے۔ جیسا کہ بعض عوام جاہل کرتے ہیں پرہیز کرے اس لیے کہ یہ خصوصیات مکہ مکرمہ اور لوازمات حج وغیرہ میں سے ہے۔ اپنے دل میں آنحضرت ﷺ کے شان کی عظمت و بڑائی کا تصور اس شہر میں کرے کیونکہ یہی ظاہری و باطنی خشوع و خضوع کا ذریعہ ہے۔ اپنے دل میں یہ سمجھ لے کہ یہ ایسا

مقام ہے جس کو پروردگار نے اپنے حبیب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پسند فرمایا ہے۔ وہ بڑے بڑے فتوحات و برکات جو تمام عالم میں پھیلے ہوئے ہیں ان سب کا سرچشمہ یہی شہر ہے۔ اس خیال سے کہ یہ سرزمین جناب رسول ﷺ خدا کے قدموں سے سرفراز کی ہوئی ہے۔ غافل نہ ہو قدم رکھنے اور اٹھانے میں وہ ہیبت اور سکون جو آنحضرت ﷺ کو لازم رہا کرتی تھی۔ اُن سے موصوف رہے اور یہ تصور کرے کہ آپ کا دربار وہ عالی دربار ہے کہ ادنیٰ سی گستاخی اور بے ادبی (مثل شور و غل وغیرہ) بربادی اعمال کا سبب ہو جاتی ہے۔ شہر کے دروازے میں داخل ہوتے وقت کہے:

بسم اللہ طماء اللہ لا قوۃ الا باللہ رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا حسبی اللہ امنت باللہ تو کلت علی اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ اللھم انی اسالك بحق السائلین علیك بحق ممشای ھذا الیك فانی لم اخرج بطر اولا اشرا ولا ریاء ولا سمعة اخرجت اتقا سخطك واتبغاء مرضاتك اسألك ان تعیذنی من النار وان تغفرلی ذنوبی انه لا یغفر الذنوب الا انت۔

اور یہ دعا مسجد میں جاتے وقت اور ہر وقت مستحب ہے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے کہ جو کوئی مسجد کے راستے میں اس دعا کو پڑھے تو اس کے اُوپر ستر ہزار فرشتے مؤکل کیے جاتے ہیں جو خاص اسی کے لیے استغفار کرتے ہیں اور رب العزت جل جلالہٗ اس کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ مسجد شریف میں داخل ہونے سے پہلے صدقہ کرے۔ ابتدائے اسلام میں یہ قاعدہ تھا کہ جو شخص آنحضرت ﷺ سے باتیں کرنا چاہتا تھا اس پر واجب تھا کہ کچھ صدقہ کرے اس کے بعد آنحضرت ﷺ سے کلام کرے۔ چنانچہ آیت کریمہ سے ثابت ہے۔

اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً۔

ترجمہ: (جب کہ تم رسول سے باتیں کرو تو اپنی باتوں سے پہلے صدقہ کرو۔)

کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جس شخص نے اس پر عمل کیا وہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ تھے۔ اس کے بعد اس کا وجوب منسوخ ہو گیا لیکن استحباب جو صدقہ کی مطلق صفت لازمہ سے ہے رہا۔ آنحضرت ﷺ کی زیارت وفات کے بعد آپ کی حیات کا حکم رکھتی ہے۔ مسجد میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کے قصد سے آنا تمام چیزوں اور سب کاموں سے مقدم سمجھے کسی دوسرے کام میں مصروف نہ ہو۔ ہاں اگر کوئی ایسی ضرورت ہو کہ اس کے ترک سے دل جمعی حاصل نہ ہو گی تو کوئی نقصان نہیں ہے جب مسجد میں آئے تو اس مکان کی عظمت وشرف اور عزت کے تصرف سے غافل نہ رہے۔ اس کا بھی خیال رہے کہ یہ مقام وحی کے اترنے کی جگہ اور جائے عزت ورحمت ہے۔ یہ مسجد خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور مقام سید المرسلین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ مسجد شریف میں داخل ہوتے وقت تھوڑی دیر ٹھہرے گویا کہ داخلے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ اس کی کچھ اصلیت نہیں ہے واللہ اعلم۔

مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے داہنا قدم رکھے اور یہ دعا پڑھے جو ہر مسجد میں داخل ہوتے وقت مستحب ہے:

اعوذ باللّٰہ العظیم وبوجھہ الکریم وبنورہ القدیم من شیطان الرجیم بسم اللّٰہ ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ ماشاء اللّٰہ لا قوۃ الا باللّٰہ اللھم صلی علی سیدنا محمد عبدک ورسولک وعلی الہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیراً اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک اللھم وفقنی واعنی کل ما یرضیک ومن علی بحسن الادب السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللّٰہ الصالحین ۔

یہ دعا مسجد میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت ترک نہ کرے لیکن نکلتے وقت کہے:

وافتح لی ابواب فضلک لجای رحمتک وافل

کم سے کم اس مسئلہ میں یہ الفاظ کفایت کرتے ہیں:

اعوذ باللّٰہ بسم اللہ الحمدللہ السلام علی رسول اللہ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اور حدیث میں آیا ہے:

اذا دخل احدکم المسجد فلیسکم علی النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔

ترجمہ: (جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے)

جب مسجد میں داخل ہو تو اس مقام شریف میں نہایت ہی خشوع وخضوع اور سکون ووقار وہیبت اور تعظیم کے ساتھ داخل ہو۔ مسجد کی زینت وغیرہ سے چشم پوشی کرے اور اعضاء کو بیکار کاموں سے روکے رہے۔ جو خیالات اپنی طرف متوجہ کریں ان کو روکے۔ نہایت ہی ادب کے ساتھ اپنی طاقت کے موافق قیام کرے۔ عظمت محمدی ﷺ اور مشاہدہ دبدبہ احمدی ﷺ کا لحاظ رکھے۔ آنحضرت ﷺ کی حیات وموجودگی پر اعتقاد رکھے کہ آپ زائر کی حالتوں کو دیکھ اور اس کی آواز کو سن رہے ہیں۔ اگر کوئی شخص آ جائے کہ جس کی تعظیم اور سلام بجالانا چاہیے تو حتی الامکان اس سے پرہیز کرے۔ اگر سخت ہی ضرورت ہو تو ضرورت کی حد سے تجاوز نہ کرے اس کی جانب باطن سے مصروف نہ ہو۔ جب مسجد شریف میں داخل ہو تو نیت اعتکاف کی کرے۔ اگرچہ قیام کی مدت قلیل ہی ہو۔ اس لیے کہ بعض علماء کے مذہب میں اسی طرح درست ہے جو ثواب اور فضیلت حاصل کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس ادب کا لحاظ تمام مساجد کے داخلے میں ملحوظ رہے۔ سستی کو بھی دخل نہ دے کیونکہ اگرچہ یہ امر تھوڑا ہے لیکن اس کا اثر بڑا ہے۔ اس کے بعد روضہ اقدس میں آئے اور آنحضرت ﷺ کے مصلے پر کہ اب اس جگہ محراب بنی ہوئی ہے تھوڑی دور ہٹ کر اس کے داہنی جانب تحیۃ المسجد کی نیت سے دو رکعت نماز ادا کرے۔ اس کی قرأت میں طول نہ کرے۔ فاتحہ کے بعد قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور سورۂ اخلاص پر اکتفا کرے۔ اگر مصلے شریف میں جگہ نہ پائے تو حتی الامکان اس مقام کے قریب پڑھ لے۔

اگر فرض نماز کی تکبیر ہو گئی ہو یا فرضوں کے فوت کا خوف ہو۔ تو تحیۃ المسجد ادا نہ کرے اس لیے کہ فرض نماز سے بھی مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ بعد نماز تحیۃ المسجد باری تعالیٰ کا شکر وحمد ادا کرے کہ جس نے اس نعمت سے شرف بخشا۔ اور رضا کے حصول ونعمت ومقصود دارین کے حصول کی دعا کرے۔ یقین رکھے کہ یہ ایسا دربار ہے کہ کوئی طالب صادق اور فقیر سائل اس دروازے سے محروم نہیں ہوتا۔ تحیۃ المسجد کو زیارت پر مقدم کرنے استحباب میں علماء کا اختلاف ہے۔

بعض علمائے مالکیہ نے تحیۃ المسجد پر زیارت کی تقدیم کو جائز رکھا ہے اور بعض کہتے ہیں اگر زائر کا گزر روئے انور کے مقابلے میں ہو تو زیارت کا مقدم کرنا مستحب ہے اور اکثر علماء کے نزدیک تحیۃ المسجد کو مقدم کرنا ہر صورت میں مستحب ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سفر سے واپس آیا۔ جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ نے دریافت فرمایا مسجد میں جا کر نماز ادا کر لی۔ میں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فرمایا کہ مسجد میں جاؤ اور نماز پڑھ کر میرے پاس آؤ پھر سلام کرو۔ یہ اس سلام کے برخلاف اور علاوہ ہے جو مسجد میں داخلے کے آداب سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے وہ سلام بالا تفاق تحیۃ المسجد کی دو رکعتوں سے پہلے یا اس کے بعد ہے۔ سجدہ شکر کے جواز میں بھی اختلاف ہے۔ شافعیہ کے نزدیک اگر کوئی نعمت سوائے دائمہ کے حاصل ہو جائے تو سجدۂ شکر جائز ہے اور علمائے حنفیہ سے بھی چند روایتیں اُس کے جواز کی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے فعل سے بھی منقول ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل۔ تحیۃ المسجد ادا کرنے کے بعد زیارت کی طرف متوجہ ہو اور قبر شریف کی طرف اپنا منہ کرے۔ پھر پروردگار عالم کے دربار سے مدد واستعانت طلب کرے۔ اس مقام کے آداب کی رعایت رکھے کہ بغیر اعانت اور امداد الٰہی کے اس مقام عالی پر کھڑا ہونا بھی ممکن نہیں ہے اور جس قدر امکان وطاقت ہو ظاہری وباطنی خشوع ووقار ذلت وانکسار کو نہ چھوڑے۔ سجدہ کرنا اور چہرہ کو خاک آلودہ کرنا زور سے سلام کرنا جالی شریف کا چومنا وغیرہ۔ نیز اور باتیں جن کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے اور ظاہر بین کی نظر میں

وہ ادب معلوم ہوتی ہیں ان سب سے پرہیز کرے۔ بلکہ یقین کرے کہ حقیقی ادب، اتباع کی رعایت اور حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی فرماں برداری میں ہے جو باتیں اس قسم کی نہیں ہیں وہ محض وہم باطل ہیں۔ اگر کوئی بات غلبہ حال یا ازدیادِ شوق سے ظاہر ہو جائے اور لوگوں کی موجودگی میں نہ ہو تو بہتر ہے۔ لیکن علماء کو اس میں بھی کلام ہے۔ تاہم متفق علیہ اور مختار وہی بات ہے جو ہم نے کہی۔ آنحضرت ﷺ پر سلام کرتے وقت اور آپ کے دربار میں حاضری کے وقت دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھے۔ جیسا کہ نماز میں کرتے ہیں۔ کرمانی نے جو علمائے حنفیہ میں سے ہیں اس بات کی تشریح کی ہے۔ پشت کو قبلہ کی طرف کرکے اس چاندی کی میخ کے روبرو جو حجرہ شریف کی دیوار میں چہرۂ انور کے مقابلہ پر لگا رکھی ہے جھاڑ کے نیچے کھڑا ہو۔ جس مقام پر اب تانبے کی جالی لگی ہوئی ہے۔ پہلے بزرگوں کے کھڑے ہونے کی جگہ (حجراہ کو مسجد میں داخل کرنے سے پیشتر) یہی مقام تھا۔ قبر شریف کے مقابلہ سے اس کا فاصلہ تین چار گز کا ہوگا۔ صالحین سلف کا وقوف اسی حد پر منقول ہے۔

قبر شریف سے اتنے ہی فاصلے پر کھڑا ہونا چاہیے جتنے فاصلے پر آپ کی حالت حیات میں بطریق ادب کھڑا ہونا مناسب تھا۔ اب چونکہ زائرین کا قیام تانبے کی جالی کے باہر ہوتا ہے۔ لہٰذا جالی کے متصل یا اس سے فاصلے پر کھڑا ہو تو دونوں طرح جائز ہے۔ دل میں یہ خیال کرے کہ آنحضرت ﷺ اس کی حاضری سے مطلع ہیں۔ آواز حد اعتدال میں رہے۔ یعنی نہ بہت بلند ہو نہ بالکل پست۔ شرم وحیا سے موصوف ہو کر سلام عرض کرے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

تین بار کہے:

السلام علیک یا رسول اللّٰہ السلام علیک یا نبی اللّٰہ السلام علیک یا سید المرسلین السلام علیک یا خاتم النبیین۔

زیارت کی کتابوں میں جو عبارت لکھی ہوئی ہے یا زیارت کے معلم جو تعلیم کرتے ہیں اخیر تک پڑھے۔ بعض بزرگان سلف مثل ابن عمر وغیرہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک اختصار

پسندیدہ ہے۔ اختصار کی مقدار السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی زیارت کے لیے آتے تھے تو کہتے:

السلام علیک یارسول اللہ السلام علیک یا ابا بکر السلام علیک اباہ۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کہے۔

اس مقدار کا اختصار تو غالباً روزانہ کی زیارت کرنے والے کو یا کسی ضرورت یا بوجہ تنگی وقت مثل نماز وغیرہ کے ہو سکتا ہے۔ ورنہ وہ مشتاق کہ جس کا قلب شوق سے اور سینہ عمر بھر کی جدائی سے پُر ہے۔ اور بہت ہی مسافتوں کو طے کر کے حبیب ﷺ کے دربار میں پہنچا ہو کیسے اختصار کر سکتا ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک صلوٰۃ وسلام میں دیر کرنا پسندیدہ ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم کے دربار میں کھڑا ہونا اور آنحضرت ﷺ سے خطاب کرنا کتنی بڑی سعادت ہے اگر دوستوں میں سے کسی نے آنحضرت پر صلوٰۃ وسلام کی وصیت کی ہو تو کہے

السلام علیک یا رسول اللہ من فلاں بن فلاں یا فلاں بن فلاں یسلم علیک یا رسول اللہ

جب آنحضرت ﷺ کے سلام سے فارغ ہو تو ایک ہاتھ کی حد تک داہنی جانب ہٹے اور کہے:

السلام علیک یا ابا بکر الصدیق یا صفی رسول اللہ وثانیہ فی الغار جزاک اللہ عن امۃ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم خیرا ۔

السلام علیک یا عمر الفاروق الذی اعز اللہ بہ السلام جزاک اللہ عن امۃ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم خیرًا

اور اگر کسی نے سلام کہلا بھیجا ہے تو کہے اَلسّلام علیکم من فلاں بن فلاں ۔ پھر اسی پہلی جگہ یعنی چاندی کی میخ کے روبرو آ جائے اور پہلی طرح سے سلام عرض کرے آپ کے توسل وشفاعت اور استعانت میں نہایت ذلت وانکساری اور خشوع وخضوع بجالائے۔

بزرگان سلف سے منقول ہے کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کی قبر شریف کے نزدیک یہ آیت پڑھے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اس کے بعد ستر مرتبہ صلی اللہ علیہ وسلم علیک یا محمد ﷺ پڑھے تو ایک فرشتہ آسمان سے آواز دیتا ہے، صلی اللہ علیک یا فلاں، آج کے دن تیری کوئی ایسی حاجت باقی نہیں رہے گی جو پوری نہ ہو۔ بعض علماء فرماتے ہیں چونکہ آنحضرت ﷺ کو نام لے کر پکارنا منع ہے۔ اس لیے اگر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ کہے تو اچھا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یا نبی اللہ کہے تو بہت ہی مناسب ہے۔ بحکم قرآنی اس کے بعد پھر اوپر کی جانب آوے اور قبر شریف واستوانہ کے درمیان رو بقبلہ اس طرح سے کھڑا ہو کہ آنحضرت ﷺ کے سر کی جانب پیٹھ نہ ہو۔ حمد وثنا ودعا اور آنحضرت ﷺ پر صلوٰۃ وسلام میں مشغول ہو روضہ شریف میں بہ نیت تبرک منبر کے پاس آئے چونکہ منبر آپ کی جائے نشست پر تعمیر کیا گیا ہے لہٰذا دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے کیونکہ اس مقام پر دعا مقبول ہوتی ہے۔

فصل۔ مدینہ منورہ میں قیام اور اس کے آداب کا بیان۔ اس شہر محترم میں قیام کی غنیمت سمجھے اور ساری کوشش مسجد کے اعتکاف اور اس کی صحبت میں صرف کرے۔ وہاں کی حاضری میں ہر طرح کے کار خیر ونیکیاں اور صدقات نیز اپنے اوقات کو صوم وصلوٰۃ اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود میں مصروف رکھنا لازم سمجھے۔ عبادت کا مسجد کے اس حصے میں مخصوص رکھنا جو زمانہ نبوت میں تھی بلاشبہ افضل ہے۔ اگر مسجد میں رہے تو حجرہ شریف سے نظر نہ ہٹائے۔ اگر مسجد کے باہر ہو تو قبہ شریف پر نہایت خشوع وخضوع سے نظر رکھے کہ اس کا حکم متحکم ہونے میں مثل خانہ کعبہ دیکھنے کے ہے۔ جو نورانیت وذوق قبہ شریف کی طرف شہر سے باہر دیکھنے میں عاشقان مشتاق پاتے ہیں اس کا ادراک انہیں پر موقوف ہے۔ تحریر میں نہیں آسکتا حتی الامکان اگرچہ ایک ہی رات ہو مسجد شریف میں شب بیداری کرے اس لیے کہ اس رات کی قدر شب قدر سے کم نہیں ہے بلکہ زیادہ ہے۔ اگر

اس کے حاصل کرنے میں خدام یا حکام سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت ہو تو انکساری اور کوشش بلیغ کو اپنا شرف سمجھے۔ اس کے عوض میں اس دربار کے خدام سے کوئی سرکشی سرزد نہ ہو تو اس کو اپنی سعادت سمجھے۔ بجملہ آداب قیام شہر سے یہ ایک دوسرا ادب ہے کہ وہاں کے باشندے ادنےٰ ہوں خواہ اعلیٰ سب کو نظر عزت سے دیکھے۔ کیونکہ یہ لوگ ہر صورت میں اس دربار عالی سے نسبت رکھتے ہیں۔ اس رات میں (جو تمام عمر میں ایک رات ہے) سب سے بڑا کام یہ ہے کہ آنجناب عرش مآب پر درود بھیجنے میں مشغول رہے۔ اگر نیند غلبہ کرے تو اس مقام کے جمال و عزت کا خیال کر کے دفع کر دے۔ مصرع

ذوق ایں می نشناسی بخدا تا نچشی

حاشا وکلا خواب وخیال مشتاقان جمال کے دیدہ و دل پر غلبہ نہیں پا سکتے۔ اور جس کسی کو یہ رات مل جائے تو مجھ حیران مشتاق کو نہ بھولے اگر اپنی خبر رہے تو اس دیوانے کو بھی دعا میں یاد رکھے۔

یہ بھی اس مقام شریف کے ادب میں سے ہے کہ مسجد میں داخل ہو جانے کے بعد سے نکلنے کے وقت تک اپنے دل و زبان اور اعضا کو ان چیزوں سے محفوظ رکھے جو مکروہ اور خلاف ادب ہیں۔ ہمیشہ اس بات کا لحاظ و خیال رکھے کہ وہ کس دربار میں حاضر ہے۔ اس کو اپنا مقصود ظاہری و باطنی ٹھہرائے۔ اگر کوئی شخص مزاحمت کرتا ہے اور اس کے ساتھ بیٹھنا وکلام کرنا حضور کے تعلق میں تھوڑا سا ہے تو اپنے کو بلا تکلف اس سے علیحدہ کر لے۔

کلام مختصر کہ جس سے ضرورت رفع ہو جائے اسی کو واجب سمجھے۔ بعض عوام الناس مسجد میں کھجوریں کھاتے ہیں اور گٹھلیاں بھی وہیں ڈالتے ہیں۔ ایسا نہ کرے اس لیے کہ یہ فعل مسجد کے آداب سے بعید ہے۔ ثابت ہوا کہ مسجد میں تھوڑی چیز ڈالنے سے بھی مسجد کو تکلیف ہوتی ہے۔ جیسے کہ آدمی کی آنکھ میں کوڑا کرکٹ پڑ جانے سے ایذا ہوتی ہے اس ادب کا تذکرہ آداب زیارت کی تصنیفات میں زمانہ قدیم کی عادت کے موافق تھا۔ اب تو اس کا وجود نہیں ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ممکن ہے مسجد میں کھجوروں کا ڈالنا اور اصحاب صفہ کا کھانا جو رسالت پناہی کے دربار میں مقیم تھے اس کو اس فعل کی سند خیال کیا گیا ہو۔

واللہ اعلم۔

مسجد میں آنے سے پہلے کسی خاص مقام پر روضہ شریف میں مصلے بچھا ہوا نہ چھوڑے۔ لوگوں پر جگہ تنگ نہ کرے۔ بلکہ اگر کسی مکان کی فضیلت حاصل کرنے کا شوق ہو تو سب سے پہلے آئے۔ اور بعض علما اس فعل کے مکروہ ہونے اور منع کرنے میں اختلاف رکھتے ہیں۔ کراہیت ہی پر فتویٰ بھی ہے۔ اسی حکم میں یہ صورت ہے کہ صبح سے پہلے جب خدام حسب معمول مسجد شریف کا دروازہ کھولتے ہیں تو طالبین کی وہ جماعت جو وقت سے پہلے ہی دروازہ کھلنے کے انتظار میں دروازہ پر بیٹھی رہتی ہے دروازے کے کھلتے ہی دوڑ کر صف اول میں جگہ حاصل کر کے جانماز بچھا کر زیارت کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور مسجد میں داخلے کے آداب اور خاص کر اس مسجد شریف کے آداب جو مؤکد ترین مستحاب سے ہیں چھوڑ دیتی ہے بلکہ بعض سادہ لوح مقام کو متعین کرنے کی حرص میں زیارت بھی ترک کر دیتے ہیں اور اگر کرتے ہیں تو نہایت ہی عجلت سے نعوذ باللہ۔

مسجد میں نہ تھوکیں اس لیے کہ اس کے حرام ہونے کا فتویٰ ہے۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ تھوک کو دفن کر دینا اس کا کفارہ ہے اس کے متعلق شیخ جو اکابر علمائے شافعیہ سے ہیں کہتے ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ تھوک کا دفن کر دینا گناہ کے استمرار کو روک دیتا ہے (ابتدا سے اس وقت تک) نہ یہ کہ گناہ کو دور کر دیتا ہے۔ جو قصہ کہ رسالہ قشریہ میں سلطان بایزید بسطامی قدس سرہٗ کا بیان کیا گیا ہے۔ وہ بہت مشہور ہے کہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ ایک آدمی کی ملاقات کو گئے ہوئے تھے۔ ناگاہ اس شخص نے مسجد میں تھوکا۔ آپ واپس ہو گئے اور اس سے ملاقات نہیں کی۔ یہ حکم تمام مساجد کے لیے ہے۔ چہ جائے کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد جو تمام مساجد سے معظم ہے اور ہر حالت میں تھوکنے کے آداب میں سے ہے کہ بائیں پاؤں کی طرف تھوکے قبلہ کی طرف یا داہنی جانب سے پرہیز کرے۔

ختم قرآن میں، اگرچہ ایک ہی مرتبہ ہو کوتاہی نہ کرے۔ اگر ہو سکے تو ان کتابوں کا مطالعہ کرے کہ جن میں فضائل و سیرت حضرت سید کائنات ﷺ کے بیان ہوئے ہوں۔ تلاوت کے ساتھ شامل کرے یا جو شخص پڑھ رہا ہے اس کو سنے تاکہ آنجناب

ﷺ کے اوصاف اور آپ کے فضائل شوق کو ابھاریں حضور اقدس ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کی خواہش قوی تر اور تازہ ہو جائے۔ اس شہر مبارک کے قیام کی مدت کے دوران جس قدر ہو سکے عبادت کرے۔ روزہ بھی رکھے خصوصاً اُس حالت میں جب کہ مدت اقامت تھوڑی ہو سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بعد بقیع کی زیارت کرے جو آل واصحاب وامہات المومنین وتابعین اور تبع تابعین وعلماء وصلحائے اُمت کی خوابگاہ ہے اور زیارت سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم اجمعین اور زیارت مسجد قبا نیز دیگر مساجد وکنویں اور تمام مقامات ونشانات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کو غنیمت سمجھے ان مقامات کے احوال وبیان پہلے گزر چکے ہیں لیکن اس جگہ کا کلام تو اس میں ہے کہ بقیع کی زیارت کو ہر دن بعد زیارت خاتم الانبیاء کے جائے یا فقط جمعہ کو جیسا کہ فی زمانہ لوگ کرتے ہیں۔ امام نووی اور ان کے متبعین تو کہتے ہیں کہ ہر روز زیارت کرے اور بعض علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ شیخ ابوالحسن بکری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ زیارت قبور سنت موکدہ ہے اور یہ حکم ہر روز کے لیے شامل ہے۔ انتہائی درجہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن موکدترین اور افضل ہے۔ جتنی مرتبہ قبر شریف کے نزدیک سے گزر ہو اگرچہ مسجد سے باہر ہو کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام بھیجے۔ یہاں تک کہ اگر ایک دن میں چند مرتبہ گزر ہو تب بھی ایسا ہی کرے۔

بیان کرتے ہیں کہ بزرگان سلف میں سے ایک شخص اس ادب کے ترک کرنے کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے خواب میں عتاب کیے گئے۔ جو شخص مسجد کے اندر ہو جتنی مرتبہ آئے آنحضرت ﷺ پر سلام پڑھے اس کے بعد بیٹھے اور اگر اُس جگہ بیٹھا ہے کہ روئے انور سامنے ہے تو تینوں مذاہب کے اعتبار سے زیارت کا قاعدہ ادا کرے لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کثرت زیارت کو مستحب نہیں کہتے۔ جیسا کہ پہلے اشارہ کر دیا گیا ہے اور جمیع آداب کا خلاصہ یہ ہے کہ تعظیم کا لحاظ وہیبت اور استغراق وحضور وشوق ومحبت وطاعت وعبادت اور تمام بھلائیاں مع حفاظت قلب واعضا ظاہراً وباطناً مدت قیام کو غنیمت سمجھنا مع اس بات کے اعتقاد کے کہ میری تمام عمر کا خلاصہ یہی وقت ہے ان تمام

چیزوں کو کامل طور پر بجالائے۔ لمحہ بھر کے لیے بھی آپ کی نسبت توجہ سے غافل نہ رہے۔ اور طلب کی تشنگی سے فارغ نہ ہو۔ اہل مدینہ کو اگر کسی معاصی یا بدعت میں دیکھے تو ان کی عیب جوئی نہ کرے نہ اُن کو حقیر سمجھے اس لیے کہ وہ دیار محبوب کے رہنے والے ہیں اور اس دربار سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثنوی میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی نے مجنوں سے کہا تو کتنا بے وقوف ہے کہ کتے کا منہ چوم رہا ہے کہ یہ کتا پلید کہلاتا ہے جو گندگی کو چاٹتا ہے تو اس نے کہا کہ اِدھر آ کتے کو میری آنکھ سے دیکھ کہ یہ تو کوچہ لیلیٰ کی پاسبانی کرتا ہے اس کے عیب پر تو میری نظر ہی نہیں پڑتی۔ اور حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہم کے اوپر نیک گمان رکھے۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے سوائے درگزر و پہلوتہی کے کوئی اور بات جائز نہ سمجھے تم کو نیک گمان رکھنا چاہیے۔ حق کو اہل حق کے سپرد کردو۔ اور شفاعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اہل بیت نبوت کی جناب میں کارگر نہ ہوگی جن کی طہارت کا خود دربار خداوندی میں لحاظ رکھا گیا ہے۔ یہ اور کس موقع پر کام آئے گی۔ بعض مشائخ نے تو اس آیت سے یہ سمجھا ہے کہ کوئی اہل بیت نبوت میں سے اس وقت تک دنیا سے نہیں جاتا جب تک کہ وہ نجاستِ باطنی سے پاک نہ ہو جائے یہ بعض علمائے مکہ کے اس مضمون کا ترجمہ ہے جو آداب زیارت میں کتب تصنیف کی گئی ہیں اور سید سمہودی وغیرہ کا کلام بھی اس کے موافق ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بڑے بڑے مشاہد و مساجد کی زیارت سے فارغ ہو کر وطن کی واپسی کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رخصتی کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلے پر یا اس کے قریب ہی نماز و دعا میں مشغول ہو۔ اس کے بعد روضہ مقدس کی زیارت آداب زیارت کے موافق ادا کرے۔ اپنے اور اپنے دوستوں کے لیے دونوں جہان کی سعادت طلب کرے اور پروردگار سے قبولی زیارت نیز اپنے اہل وعیال میں سلامتی سے پہنچنے کی دعا کرے۔ پھر اس دعا کو پڑھے:

اللهم انا نسئلك فى سفرنا هذا البر والتقوى ومن العمل ما تحب وترضى اللهم لا تجعل هذا اخر العهد بنبيك ومسجده وحرمه

ویسر العود الیه والعکوف لدیه وارزقنی العفو ر العافیۃ فی الدنیا والاخرۃ وردنا الی اھلنا سالمین غانمین امین

ایسے وقت میں گریہ وزاری کا غلبہ ہو تو یہ علامت قبولیت کی ہے۔ بلکہ ہر حالت میں گریہ وزاری ذریعہ شوق وعلامت اُمید داری سے ہے۔ اگر رونا نہ آئے تو تکلف سے رو دے جو مضامین رقت پیدا کریں ان کا تصور کرے تاکہ رونا آ جائے کیونکہ اس مقام پر رو دینا وہ کسی طرح سے بھی ہو قبولیت کی علامت ہے۔ اگر محبت اور دوستی کا کچھ بھی علاقہ ہے تو تکلف کرنے کی ضرورت نہ ہو گی بلکہ خود بخود رونا آ جائے گا اس کے بعد اس دربار شریف اور مقامات متبرکہ کے چھوٹنے پر روئے اور حسرت کرے۔ مغموم روز مرہ کی رفتار سے رخصت ہو کیونکہ الٹے پاؤں چلنا رخصتی کے آداب زیارت سے نہیں ہے۔ بخلاف خانہ کعبہ کی رخصتی کے کہ وہاں پر رخصتی کے وقت جب تک مسجد کے باہر نہ ہو اُلٹے پاؤں چلنا سنت ہے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے جب خانہ کعبہ کو رخصت کیا تو آپ سے اسی طرح منقول ہے لیکن کسی جگہ یہ ثابت نہیں ہے کہ اصحاب آنحضرت ﷺ کی محفل سے رخصت ہوتے وقت ایسا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

لازم ہے کہ رخصت ہوتے وقت جس قدر ہو سکے صدقہ کرنے میں کوتاہی نہ کرے۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ مدینہ اور مکہ کی خاک۔ اینٹ ٹھیکری و پتھر نہ اٹھائے۔ علمائے حنفیہ اور بعض شافعیہ جائز بھی کہتے ہیں۔ بہر صورت اگر تحفہ (مثل پھل و پانی وغیرہ کے) جس سے اہل وطن کو خوشی ہو بے تکلف ہمراہ لے تو بہتر ہے۔ سفر سے اہل وعیال کے لیے تحفہ لانا صحیح خبروں سے ثابت ہے۔ لوٹتے وقت سفر سے لوٹنے کے جو آداب ہیں اُن کا لحاظ رکھے۔ جب اپنا شہر پر نظر پڑے تو یہ دعا پڑھے:

اللھم انی اسئالک خیرھا وخیر اھلھا وخیر ما فیھا واعوذبک من شرھا وشر اھلھا وشر ما فیھا اللھم اجعل لنا بھا قرار اور زقا حسناہ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ایبون تایبون عابدون ساجدون لربنا حامدون لا اله الا اللّٰه وحده صدق وعده ونصر عبده وهزم الا حزاب وحده واعز جنده فلا شیء بعده۔

چاہیے کہ مکان میں داخل ہونے سے پہلے اپنی خیریت اور پہنچنے کی خبر گھر والوں کو پہنچا دے۔ مکان میں اچانک یا رات میں داخل نہ ہو۔ بہترین وقت چاشت کا ہے۔ یا رات سے پہلے دن کے آخری حصہ تک۔ اگر مکروہ وقت نہ ہو تو گھر میں جانے سے پہلے محلّہ کی مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرے اور سلامتی سے پہنچنے کا شکریہ ادا کرے پھر کہے الحمد للّٰہ الذی بنعمتہ وجلالہ تتم الصالحات۔ جو شخص ملے اس سے مصافحہ کرے۔ اگر معانقہ کرے تو یوں بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ ملنے والا امرد نہ ہو۔

نقل ہے کہ سفیان ابن عینہ جو امام شافعی کے شیخ ہیں امام امالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے مصافحہ کیا اور کہا کہ اگر بدعت نہ ہوتا تو میں معانقہ بھی کرتا۔ سفیان نے کہا کہ معانقہ اس ذات نے کیا ہے جو ہم سے اور تم سے بہتر تھے۔ جعفر رضی اللہ عنہ جب ملک حبشہ سے آئے تھے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے معانقہ کیا تھا اور بوسے دیے تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ جعفر کے لیے مخصوص تھا۔ سفیان نے کہا کہ نہیں بلکہ عام ہے۔ ہمارا اور جعفر کا ایک حکم ہے۔ بشرطیکہ نیک لوگ ہوں۔ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ ہم آپ کی مجلس میں حدیث بیان کریں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں اجازت ہے۔ سفیان نے مع سند کے حدیث بیان کی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سکوت اختیار فرمایا اس مقام پر قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا سکوت فرمانا سفیان کے قول کے صحیح ہونے کی دلیل ہے جب تک جعفر کے مخصوص ہونے کی دلیل نہ پائی جائے۔ قاضی عیاض کا کلام ختم ہو گیا اور معانقہ کا جعفر کے ساتھ مخصوص ہونے کی دلیل ایک حدیث ترمذی نے روایت کی ہے کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سفر سے آئے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی حالت میں اُٹھے کہ چادر مبارک گھسٹتی تھی آپ نے اُن سے معانقہ کیا اور اُن کی پیشانی پر بوسہ دیا اسی طرح سے بعض مالکیہ نے کہا ہے۔

اگر کوئی عالم یا نیک یا شریف آدمی ملے تو ہاتھ کا بھی بوسہ دینا جائز ہے اور سنت ہے۔
چھوٹے بچے کا منہ چومنا لڑکا ہو یا لڑکی اگرچہ غیر کا بچہ ہو جائز ہے۔

گھر میں آئے تو دو رکعت نماز ادا کرے۔ خداوند کریم کا شکر اور حمد و ثنا ادا کرے اور دعا کرے۔ اہل و عیال کی حالت دریافت کرنے کے بعد باہر نکل آئے گھر کے قریب کسی جگہ یا مسجد وغیرہ میں بیٹھے تاکہ لوگ اس سے ملنے کو آئیں اور جو شخص ملے اُس سے نہایت خندہ پیشانی لطف و مہربانی اور تعظیم سے پیش آئے اس کے لیے دعا کرے خصوصا شہر میں داخل ہونے سے پیشتر اس لیے کہ مسافر کی دعا خاص کر حاجی کی دعا شہر میں داخلے سے پہلے مقبول ہوتی ہے اگر کوئی ناجائز بات ہو جیسے دف یا مزامیر بجانا جو اہلِ زمانہ مسافر کے آنے پر کرتے ہیں تو اس کو منع کر دے۔

جمیع آداب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سفر مبارک کے واپسی کے بعد تجدید توبہ اور تقویٰ لازم سمجھے۔ ظاہر و باطن کی خوبی کی تحصیل میں کوشش کرے اس لیے کہ کہتے ہیں حج مقبول کی علامت یہ ہے کہ حج کرنے کے بعد کی حالت حج کے پیشتر سے بہتر ہو اس کی علامت یہ ہے کہ سنت کی پیروی کی خواہش زیادہ ہو اور دنیا کی محبت کم ہو۔ آخرت اور اہلِ آخرت کی محبت زیادہ ہو۔ افسوس ہے اس پر کہ واپس ہو کر پھر گناہوں میں مبتلا ہو اور اگر کسی کار خیر میں خدا سے وعدہ کر لیا ہے تو اس کی رعایت لازمی جانے۔

سترھواں باب

جناب سیدِ کائنات ﷺ پر دُرود بھیجنے اور اُس کے فضائل کا بیان

فصل۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے فضائل بے شمار ہیں جو قلم وزبان سے ادا نہیں کیے جاسکتے تاہم بعض علماء اور حفاظ حدیث نے اُن سب کو جو احادیث صحیح سے ثابت ہوئے ہیں اور ان حضرات کو سند پہنچی ہے تحریر کر دیا ہے۔ بعض تو اصل صلوٰۃ کے نتیجہ ہیں اور بعض کسی عدد خاص پر مترتب ہوتے ہیں۔ بعض کسی کیفیتِ خاص کے ثمرات ہیں اور بعض وقتِ معین سے مخصوص ہیں۔ بعض کسی مخصوص حالت سے تعلق رکھتے ہیں ان میں سے کچھ اس کتاب میں لکھے جاتے ہیں واللہ الموفق۔

سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ پر درود بھیجنے کے فوائد میں سے اول حکم الٰہی کی فرمانبرداری ہے۔ صلوٰۃ وسلام بھیجنے میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی موافقت ہے بہ مضمون آیۂ کریمہ:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

دس رحمتوں کا حاصل ہونا دربار خداوندی سے اور دس درجات کا بلند ہونا۔ دس نیکیاں نامہ اعمال میں لکھی جانا اور دس گناہوں کا محو ہونا۔ بعض احادیث میں دس غلام آزاد کرنا اور بیس غزوات میں شریک ہونے کے برابر بھی آیا ہے۔ مقبول ہونا دعا کا۔ سید الانبیاء صلی اللہ

علیہ وسلم کی شفاعت کا واجب ہونا۔ آنحضرت ﷺ کا شہادت دینا اور قرب نبوی ﷺ کا حاصل ہونا۔ دوسرے لوگوں سے پہلے قیامت کے دن آنحضرت ﷺ سے ملنا۔ آنحضرت ﷺ کا اس شخص کے تمام کاموں کا قیامت کے دن متولی ہونا اور مقاصد کے لیے کافی ہونا۔ تمام ضروریات کا پورا ہونا۔ تمام گناہوں کا بخشا جانا اور تمام برائیوں کا کفارہ ہونا ایک قول میں فرائض قضا شدہ کی جانب سے بھی کفارہ ہوگا۔ صدقہ کے قائم مقام ہونا بلکہ ایک قول میں صدقہ سے افضل اور سختیوں کا کھلنا۔ مرضوں کی شفا۔ خوف وگھبراہٹ کا قریب نہ آنا۔ جہنم کی برات کا اظہار۔ دشمنوں پر فتح۔ آپ کی محبت اور رضائے الٰہی کا حاصل ہونا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرشتوں کا رحمت بھیجنا۔ صفائی اور زیادتی عمل ومال کی طہارت ذات صفائی قلب۔ تمام کاموں میں فارغ البال ہونا۔ برکات حاصل ہونا ہے کہ اسباب واولاد اور اولاد الاولاد چار پشتوں تک۔ قیامت کے خوفناک مناظر سے نجات۔ سکرات موت کی آسانی۔ دنیا کی ہلاکتوں اور زمانہ کی تنگیوں سے چھٹکارا۔ بھولی ہوئی چیزوں کی یاد دلانے والی۔ محتاجگی دور کرنے والی۔ حاجتوں کو نیست کرنے والی۔ بخل اور ظلم کی قسموں سے سلامت رکھنے والا۔ آپ کی بددعا سے بچنے والا اس لیے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس شخص کے نزدیک آنحضرت ﷺ کا ذکر کیا جائے اور وہ درود نہ بھیجے تو بخیل ہے۔ گویا آنحضرت ﷺ پر ظلم کیا اس پر بددعا کی جاتی ہے۔ مجلس کو خوش کرنا رحمت کا جوش میں لانا ہم نشینوں کے لئے۔ پل صراط پر گزرتے وقت نور کی زیادتی اور اس مقام پر ثابت قدمی۔ پل صراط سے طرفۃ العین میں نجات پانا بخلاف اُس شخص کے جو سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کا تارک ہے اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ درود پڑھنے والے کا نام آنحضرت ﷺ کے دربار میں پیش ہوتا ہے۔ محبت کا زیادہ ہونا جس کا خاصہ شوق کو اُبھارنا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیوں کا قلب میں جمع ہونا اور آپ کا نقشہ آنکھ میں کھنچ جانا خاصہ کثرت صلوٰۃ کا ہے۔ محبت کرنا آنحضرت ﷺ اور مومنین کا درود پڑھنے والے سے محبت کرنا۔ قیامت کے دن درود پڑھنے والے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مصافحہ کرنا۔ آنحضرت ﷺ کے دیدار سے خواب میں مشرف ہونا۔ ملائکہ کا

محبت کرنا اور مرحبا کہنا درود پڑھنے والے کے لیے درود شریف کا سونے کی قلموں سے چاندی کے کاغذوں پر لکھا جانا درود پڑھنے والے کے لیے فرشتوں کا بھلائی کے لیے دعا کرنا۔ جو ملائکہ گشت میں رہتے ہیں ان کا کام دربار رسالت میں درود پہنچانا ہے۔ اس طریقہ پر کہ فلاں بن فلاں نے درود بھیجا ہے۔ مثلاً جیسے کمترین بندگان عبدالحق بن سیف الدین سلام کرتا ہے۔ یا رسول اللہ یا جیسے ادنیٰ خادم عرفان علی بن امجد علی بریلی کا رہنے والا آپ کو سلام بھیجتا ہے یا رسول اللہ ﷺ۔

اور سب سے بڑا فائدہ آپ کے جواب سے مشرف ہونا ہے جو طریقہ دائمی آنحضرت ﷺ کا ہے اس سے بڑھ کر کون سی سعادت ہوگی کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے خیر اُس شخص کے شامل ہو اگر یہ تمام عمر میں ایک ہی بار حاصل ہو جائے تو لاکھوں کرامات کا ذریعہ اور خیر و سلامتی کا نتیجہ ہے۔ اس سعادت کا حاصل ہونا یقینی ہے۔ شبہ کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے اس لیے کہ جب آنحضرت ﷺ کی حیات حقیقتاً ثابت ہو گئی اور سلام کا جواب دینا سنت بلکہ قریب فرض کے ثبوت کو پہنچتا ہے مع کمال تاکید آنحضرت ﷺ کی اس سنت کے ادا کرنے پر جس طرح پر کہ آپ کی عادت کریمہ تھی۔ نقل ہے کہ آپ سلام کرنے میں سبقت فرمایا کرتے تھے تو سلام کے جواب میں آپ سابق تر ہوں گے اس بات سے ایک دوسرا باریک تر نکتہ معلوم ہوا کہ زیارت کرنے والا آنحضرت ﷺ کی زیارت کے وقت آپ پر سلام عرض کرنے سے پیشتر آپ کی جانب سے سلام سے مشرف ہو چکا ہے تو سلام کرنے کے بعد سلام کے جواب سے بھی مشرف ہوتا ہے اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ تین روز تک فرشتے صلوٰۃ وسلام بھیجنے والے کے گناہ لکھنے سے باز رہتے ہیں اور لوگوں کو اس کی غیبت کرنے سے منع کر دیتے ہیں۔ قیامت کے دن عرش کا سایہ ملے گا اور ترازوئے عمل میں اس کا تمام عمل وزنی ہوگا۔ پیاس سے بے خوف ہوگا۔ جنت میں کثرت سے بی بیاں ملیں گی۔ مصالح دنیا و آخرت میں دانائی اور ہدایت حاصل ہو گی۔ آنحضرت ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنا ذکر الٰہی اور شکر باری کو بھی شامل ہے۔ اللہ کی نعمتوں کا حق

پہچاننا اس کا اقرار کرنا اُن نعمتوں کے حقوق ادا کرنے کا عجز ظاہر کرنا اپنے مقصد اور سوال کے لیے ذریعہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے دربار میں اور اللہ کے حبیب کی تعریف کرنا۔ آپ کی عظمت وشان ظاہر کرنا۔ کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سوال وطلب کو بندہ سے پسند کرتے ہیں۔ جب بندہ نے اپنا سوال اور رغبت خدا ورسول ﷺ کے ذریعہ سے کیا ہے اور اس کو اپنے نفس پر فضیلت دی ہے تو یقیناً جزائے کامل کا مستحق ہوگا۔ یہ عجیب وغریب نکتہ اور فائدہ ہے۔ باللہ التوفیق۔

صلوٰۃ کے ضمن میں ذکر الٰہی کا حاصل ہونا ظاہر ہے اس لیے کہ اس کلام میں اکثر الفاظ درود شامل ہونے کے ساتھ خطاب کا رُخ دربار الٰہی سے ہے اللّٰھم سے جو آئینہ ہے جمیع اسماء اور صفات باری کے تذکرہ کا۔ حسن بصری رضی اللہ عنہ اور علاوہ ان کے دوسرے بزرگوں سے روایت ہے کہ جس شخص نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو اللّٰھم کے لفظ سے یاد کیا گویا تمام اسمائے حسنہ کے ساتھ یاد کرلیا۔ اب مومن صادق اور مشتاق محب پر لازم آتا ہے کہ اس عبادت کی کثرت اور دوسرے اعمال پر فضیلت دینے میں کوتاہی نہ کرے جتنا بھی ہو ایک تعداد مخصوص میں (جس پر آسانی سے ہمیشگی ہوسکے) ہر روز کا وظیفہ کرلے بہتر تو یہ ہے کہ ہزار سے کم نہ ہو۔ اگر نہ ہوسکے تو پانچ سو پر اکتفا کرے یہ بھی نہ ہوسکے تو سو سے بھی کم نہ کرے۔ بعضوں نے تین سو کو پسند کیا ہے اور بعض حضرات نے دو سو بعد نماز صبح وشام مقرر کیا ہے۔ سوتے وقت بھی کچھ درود شریف کا وظیفہ مقرر کرلینا چاہیے۔ جب کوئی مومن کثرت سے درود شریف کی عادت کرتا ہے تو پھر اس پر آسان بھی ہوجاتا ہے۔ بعض درود ایسے ہیں کہ ایک ہزار کی تعداد پوری کرنی بہت آسان ہے جب درود شریف کی لذت وشیرینی طالب کی روح کو پہنچتی ہے تو اس کی روح کا قوام اور قوت قوی ہوجاتی ہے اس مومن پر تعجب ہے جو اپنے شب وروز میں سے ایک ساعت بھی اس عبادت میں صرف نہ کرے جو جملہ انوار وبرکات کا سرچشمہ ہے۔ ملاحظہ ہو آنحضرت ﷺ کا فرمان اس شخص کے لیے جس نے عرض کیا تھا

اجعل لك صلوتي كلها اذن يكفى همك

ترجمہ (کہ میں ہر وقت آپ پر درود پڑھا کروں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اب تیرے غموں کے لیے کافی ہے)

علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر مجھ کو خلاصی ملے ذکر الٰہی سے تو میں درود بھیجنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی کل عبادت کرلوں)۔ حضور ﷺ کا فرمانِ بالا اور علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کا قول فضائل درود کے سلسلے میں کافی ہیں۔ اہل سلوک کے لیے درود شریف فتوح عظیمہ اور عطایائے شریفہ کا ذریعہ ہے۔ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ جب شیخ کامل تربیت کرنے والا نہ ملے تو طالب کا درود شریف کو اپنے لیے لازمی اور قطعی قرار دے لینا اس کی رہبری اور رہنمائی کو کافی ہوگا جو اس کی توجہ بارگاہِ ایزدی کی طرف تعلیم وآداب نبویہ ﷺ اور تہذیب واخلاق محمدیہ ﷺ سے کرے گا۔ اس کی ترقی کمال اعلیٰ درجہ پر ہوگی۔ فضیلت کے مقام کی حصولیابی دربار الٰہی کی بازیابی اور بارگاہِ رسالت کی قربت سے بھی مشرف ہوگا۔ بعض مشائخ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کے ورد اور درود شریف کی کثرت پر تاکید فرماتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ قل ہو اللہ کے پڑھنے سے ہم نے خدائے واحد کو پہچانا اور کثرت درود سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میسر ہوئی۔ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو شخص آنحضرت ﷺ پر کثرت سے درود شریف پڑھے وہ آپ کو خواب یا بیداری میں ضرور دیکھے گا۔ اسی طرح شیخ کامل امام علی متقی نے حکم الکبیر میں شیخ احمد بن موسےٰ متشرع صوفی سے نقل کیا ہے اور بعض مشائخ متاخرین شاذلیہ نے بھی فرمایا ہے کہ جس زمانہ میں اولیائے مرشد نہ ملیں تو طریق سلوک ومعرفت قرب الٰہی حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ اتباع شریعت کرتے ہوئے مداومت ذکر وکثرت درود شریف کی کرے۔ درود شریف سے باطن میں ایک عظیم نور پیدا ہوگا۔ جس کے ذریعہ سے راستہ معلوم ہوگا اور آنحضرت ﷺ سے بلا واسطہ فیض حاصل ہوگا۔ طریقہ شاذلیہ جو طریقہ قادریہ کا ایک شعبہ ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دربار نبویہ ﷺ سے بے واسطہ بذریعہ متابعت شریعت مع مداومت حضور آنحضرت ﷺ فیض حاصل کیا جائے۔

فصل۔ سخاوی اور دوسرے محدثین بیان کرتے ہیں کہ محمد بن سعد بن مطرف سونے

سے پہلے درود شریف کا ایک تعداد معینہ میں وظیفہ کیا کرتے تھے۔ ایک رات آنحضرت ﷺ کو دیکھتے ہیں کہ ان کے گھر میں تشریف لائے ان کے مکان کو نور جمال سے منور فرمایا اور کہا کہ اپنا منہ سامنے لاتا کہ اس کو بوسہ دوں۔ اس لیے کہ تو درود بہت پڑھتا ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے شرم آئی کہ میں حضور ﷺ کے سامنے اپنے منہ کو لے جاؤں۔ لیکن میں نے اپنے رخسارہ کو حضور اکرم ﷺ کے دہن مبارک کے سامنے کردیا آپ نے میرے رُخسار پر بوسہ دیا۔ جب میں بیدار ہوا میرا تمام مکان مُشک کی خوشبو سے بھرا ہوا تھا۔ آٹھ روز تک میرے رخسار سے مشک کی خوشبو آتی رہی۔ شیخ احمد بن ابی بکر بن رداد صوفی محدث اپنی کتاب میں اور شیخ مجد الدین فیروز آبادی ان کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ قلنسی نے بیان کیا ہے کہ ایک دن شبلی ابوبکر کے پاس آئے۔ ابوبکر ان کی تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور معانقہ کیا۔ پیشانی پر بوسہ دیا۔ میں نے عرض کیا کہ اے میرے آقا آپ شبلی سے ایسا معاملہ کرتے ہیں حالانکہ آپ اور باشندگانِ بغداد ان کو مجنوں کہتے ہیں کہا کہ یہ میں نے از خود نہیں کیا مگر جس طرح سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا میں نے تو اس طرح کیا۔ میں نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ شبلی آپ کے پاس حاضر ہوئے آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو گود میں لے لیا پھر شبلی کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ نے شبلی کے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بعد نماز کے یہ آیت پڑھتا ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

اس کے بعد مجھ پر درود بھیجتا ہے۔ پھر وہ اپنی کتاب مذکور میں شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ شبلی نے بیان کیا میرے پڑوس میں ایک شخص انتقال کر گیا تھا۔ میں نے اس کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خداوند تعالیٰ نے تجھ سے کیا معاملہ کیا کہنے لگا کیا پوچھتے ہو بڑے بڑے خوفناک منظر میرے سامنے آئے۔ منکر نکیر کے سوال و جواب کا وقت تو مجھ پر نہایت دشوار ہوا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ میرا خاتمہ شاید ایمان پر نہیں ہوا ہے۔

آواز آئی کہ دنیا میں تو نے زبان کو بے کار رکھا یہ سختی اس وجہ سے ہے۔ جب عذاب کے فرشتوں نے میری طرف قصد کیا تو ایک حسین شخص خوشبو میں معطر میرے اور فرشتوں کے درمیان حائل ہو گیا۔ مجھ کو ایمان کی حجت یاد دلائی۔ میں نے کہا اللہ تجھ پر رحم کرے تو کون ہے۔ اس نے کہا کہ میں وہ شخص ہوں جو تو نے کثرت سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا ہے۔ میں اسی سے پیدا کیا گیا ہوں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ہر سختی اور بے چینی میں تیرا مدد گار رہوں۔ کتاب مصباح الظلام میں بھی شبلی اور ان کے پڑوسی کے بغیر اجمالاً ذکر کی گئی ہے اور کتاب مذکور میں انہوں نے کعب احبار رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے موسیٰ اگر دنیا میں میرے تعریف کرنے والے نہ رہیں تو ایک قطرہ بارش کا آسمان سے نہ بھیجوں اور ایک دانہ سبزی کا زمین سے نہ اُگاؤں۔ اسی طرح سے بہت سی چیزیں ذکر کیں۔ یہاں تک کہ فرمایا اے موسیٰ کیا تم چاہتے ہو تم سے قریب تر ہو جاؤں۔ جیسا کہ تمہارا کلام تمہاری زبان سے قریب ہے یا جس طرح کہ وسوسہ تمہارے قلب کا تمہارے دل سے اور تمہاری روح تمہارے بدن سے اور تمہاری روشنی چشم تمہاری آنکھ سے۔

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں یہی چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود پڑھا کرو تب تمہیں یہی نسبت حاصل ہو جائے گی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ اے موسیٰ کیا تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن کی تشنگی سے تم کو تکلیف نہ پہنچے۔ موسےٰ علیہ السلام نے کہا اے الٰہی! ایسا ہی چاہتا ہوں حکم باری ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حافظ ابو نعیم نے حلیہ میں اس کو روایت کیا ہے اور اُسی کتاب میں ہے کہ علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ درود شریف گناہوں کو ایسا مٹانے والا ہے جیسا کہ آتش سوزاں کی حرارت کو پانی ٹھنڈا کر دیتا ہے اور سلام بھیجنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غلام آزاد کرنے سے افضل ہے۔ اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جہاد سے افضل ہے اس کو ابو القاسم

اصبہانی نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو مسلمان ملاقات کے وقت ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں اور مجھ پر درود بھیجتے ہیں تو ایک دوسرے سے جدا ہونے سے پہلے اُن کے اگلے اور پچھلے سب گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ اس کو حافظ بن علی بشکوال نے روایت کیا ہے۔ علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص فریضہ حج ادا کرے اور اس کے بعد جہاد کرے تو یہ چار سو حج کے برابر ہے۔ اب وہ لوگ جو حج کی استطاعت اور جہاد کی قوت نہیں رکھتے تھے شکستہ دل ہوئے۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی بھیجی کہ جو شخص آپ پر درود شریف بھیجے اس کا ثواب چار سو جہاد کے برابر ہوگا اور جہاد چار سو حج کے برابر ہے۔ اس کو ابو حفص بن عبدالمجید میانشی نے مجالس المکیہ میں روایت کیا ہے اور اسی کتاب کی فصل احادیث میں خضر والیاس علیہم السلام کا قصہ لکھا ہے جس کو شیخ مجد الدین فیروز آبادی صحیح سند سے نقل کرتے ہیں کہ ابوالمظفر محمد بن عبداللہ خیام سمرقندی نے کہا کہ میں ایک دن مغارہ کعب میں راستہ بھول گیا تھا اتفاقاً ایک آدمی کو دیکھا کہ مجھ سے کہتا ہے میرے ساتھ آؤ۔ لہٰذا میں اس کے ہمراہ ہو گیا اور مجھے گمان ہوا کہ شاید یہ خضر ہیں۔ میں نے دریافت کیا آپ کا کیا نام ہے۔ جواب دیا کہ خضر بن اشیا ابوالعباس۔ ان کے ساتھ ایک دوسرے شخص کو بھی میں نے دیکھا ان کا نام دریافت کیا تو کہا کہ الیاس بن شام ہیں۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اُوپر رحمت نازل فرمائیں کیا تم دونوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے وہ باتیں سنایئے جو آپ نے حضور ﷺ سے سنی ہوں تا کہ میں آپ کی سند سے دوسرے لوگوں پر روایت کروں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے جو کوئی کہے صلی اللہ علی محمد ﷺ۔ اس کا دل نفاق سے پاک کیا جائے گا۔ جس طرح پانی کپڑے کو پاک کر دیتا ہے اور اسی سند سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو کوئی کہے صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ اس کے لیے رحمت کے ستر ۷۰ دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اور اس سند سے

کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے اور کہے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ تو حق تعالیٰ ایک فرشتہ کو اس بات پر موکل کرتا ہے کہ وہ تم کو غیبت سے باز رکھے اور جب وہ شخص مجلس سے اُٹھے تو کہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ :

تو حق تعالیٰ لوگوں کو اس کی غیبت سے منع کر دیتے ہیں اور اسی سند سے ہے خضر والیاس علیہم السلام نے کہا کہ ایک آدمی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ملک شام سے آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا باپ بہت بوڑھا ہے اور ضعیف ہو کر نابینا بھی ہو گیا ہے چلنے کی قوت نہیں جو یہاں آئے اور اس کی دلی خواہش ہے کہ وہ آپ کے دیدار سے مشرف ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس سے کہہ دینا شب کو ایک ہفتہ تک صل اللہ علیٰ محمد ﷺ کہا کرے ہمیں خواب میں دیکھ لے گا اور کہا کہ مجھ سے اس حدیث کو روایت کرے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا اور اس کو روایت کیا۔ اسی کتاب میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر صلوٰۃ بھیجا کرو اور انبیاء پر بھی اس لیے کہ جس طرح حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اُن کو بھیجا ہے اسی طرح مجھے بھی مبعوث فرمایا ہے۔ اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کیا ہے۔ اور کتاب دعوات الکبیر میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اذا سلمتم علیَّ فسلموا علی المرسلین۔

اس کو ابن ابی عاصم نے بیان کیا۔ کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے ان کی مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جاری ہوا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو ستر ہزار فرشتے قبر مطہر آنحضرت ﷺ کے گرداگرد آ جاتے ہیں اور صلوٰۃ بھیجتے رہتے ہیں اور جب شام ہوتی ہے تو چلے جاتے ہیں اور دوسرا گروہ فرشتوں کا اسی تعداد میں آتا ہے اور جو انہوں نے کیا

تھا یہ بھی کرتے ہیں۔ جس وقت تک کہ آپ قبر شریف سے نکلیں گے اس وقت تک یہی سلسلہ جاری رہے گے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس کو دارمی نے روایت کیا ہے۔ حکایت ہے کہ ایک آدمی طواف وسعی اور مناسک حج میں سوائے درود شریف کے کوئی دعا نہ پڑھتا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ دعا ماثورہ کیوں نہیں پڑھتے۔ کہنے لگا کہ میں نے عہد کر لیا ہے کہ درود شریف کے ساتھ کوئی دعا شریک نہ کروں گا اور یہ اس وجہ سے ہے کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا تو میں نے دیکھا کہ ان کی شکل گدھے کی ہوگئی ہے۔ مجھے بہت صدمہ ہوا۔ جب میں سویا تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا اور آپ کا دامن پکڑ کر اپنے والد کی شفاعت کے لیے عرض کیا۔ اور یہ بھی دریافت کیا کہ میرے باپ کی ایسی صورت کیوں ہوگئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ شخص سُود خوار تھا اور جو سود لینے والا ہے اس کا بدلہ دنیا و آخرت میں یہی ہوگا۔ لیکن چونکہ تیرا باپ روزانہ رات کو سوتے وقت سو مرتبہ ہمارے اُوپر درود بھیجتا تھا۔ اس وجہ سے اس کی شفاعت کیے لیتے ہیں۔ جب میں بیدار ہوا میں نے اپنے باپ کا منہ دیکھا وہ مثل چودھویں رات کے چاند کے ہوگیا تھا۔ دفن کرتے وقت میں نے ایک غیبی آواز سنی کہ تیرے باپ پر اللہ رب العزت کی یہ عنایت آنحضرت ﷺ پر درود شریف اور سلام بھیجنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ بعضے حدیث کے پڑھنے والوں کو خواب میں دیکھا کہ خدا رب العزت جل جلالہ نے ہم کو اور تمام اہل مجلس کو جو درود شریف اور سلام سنتے تھے بخش دیا اور یہ اس وجہ سے بیان ہوا ہے کہ اس علم شریف کے پڑھنے والے آگاہ ہو جائیں کہ درود شریف کا قرأت سے پڑھنا لوازم برکت ہے۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کتاب جمع الجوامع کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حفص بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ ابوزرعہ کو موت کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان دنیا پر ملائکہ کے ساتھ نماز میں امامت کرتے ہیں۔ میں نے کہا آپ نے یہ رُتبہ کس وجہ سے پایا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنے ہاتھ سے کئی ہزار احادیث نبوی ﷺ کو لکھا ہے۔ اور ہر حدیث پر کہا ہے:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے من صلی علی صلوٰۃ صلی اللہ علیہ عشرا فرمایا ہے اور یہی بیان کیا ہے کہ بعض صلحاء میں سے کسی پر تین ہزار دینار قرض تھے۔ قرض خواہ نے قاضی کے یہاں نالش کر دی۔ قاضی نے مرد صالح کو ایک مہینے کی مہلت دے دی۔ وہ مرد صالح قاضی کے پاس سے آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ کر دربار الٰہی میں گریہ وزاری کرتے ہوئے محراب میں بیٹھ گیا۔ اسی مہینے کی ستائیسویں شب میں خواب دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ حق تعالیٰ تیرے قرض کو ادا کرتے ہیں تو علی بن عیسےٰ وزیر کے پاس جا اور کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرا قرض ادا کرنے کے لیے تین ہزار دینار دے دے۔ مرد صالح کہتے ہیں جب میں بیدار ہوا تو میں نے اپنے اندر خوشحالی کے آثار پائے۔ لیکن اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر وزیر نے دریافت کیا کہ اس واقعہ کی علامت کیا ہے تو میں کیا کہوں گا۔ میں یہ سوچ کر اس دن وزیر کے پاس نہیں گیا۔ اور دوسری رات پھر آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھتا ہوں۔ آپ نے جو کچھ شب اول میں ارشاد کیا تھا وہی دوبارہ فرماتے ہیں میں نہایت خوشی میں بیدار ہوا لیکن بہ مقتضائے بشریت آج بھی علی بن عیسےٰ کے پاس نہیں گیا۔ تیسری رات پھر دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نہ جانے کا سبب مجھ سے دریافت فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) میں اس واقعہ کی سچائی میں کوئی علامت چاہتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے میری اس بات پر تحسین فرمائی اور ارشاد کیا کہ اگر تم سے علامت دریافت کریں تو کہہ دینا کہ تم ہر روز نماز فجر سے طلوع آفتاب تک کسی سے کلام کرنے سے پہلے پانچ ہزار بار تحفہ درود شریف ہمارے پاس بھیجتے ہو جس کو خداوند تعالیٰ اور کراماً کاتبین کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔ میں وزیر کے پاس گیا اور ان کے سامنے خواب کا قصہ بیان کیا نیز جو علامت حضور ﷺ نے فرمائی تھی وہ بھی کہہ دی۔ اس پر وہ بہت خوش ہوا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو مرحبا ہو۔ تین ہزار دینار میرے پاس لائے اور کہنے لگے کہ یہ اپنے قرض کی ادائگی میں دینا اور تین ہزار اور دیے کہ یہ اپنے عیال میں خرچ کرنا اس کے علاوہ تین ہزار پھر دیے کہ اس کو

تجارت میں لگاؤ۔ اس کے بعد مجھے قسم دی کی یہ محبت کا تعلق مجھ سے ہرگز قطع نہ کرنا۔ تمہیں جو ضرورت ہوا کرے مجھ سے لے جایا کرو۔ میں تین ہزار دینار لے کر قاضی کے پاس گیا۔ تا کہ اس کے سامنے ادا کروں۔ میں نے قرض خواہ کو دیکھا وہ مبہوت ہو کر قاضی کے پاس آیا۔ میں نے دینار شمار کئے اور سارا قصہ ان لوگوں کے سامنے بیان کر دیا۔ قاضی نے کہا کہ یہ کرامت وزیر کو کیوں دی جائے۔ اس قرضہ کو تیری طرف سے میں ادا کروں گا۔ قرض خواہ نے کہا کہ یہ بزرگی آپ کو کیوں دی جائے۔ میں زیادہ مستحق ہوں کہ تیری ذات کو اپنے قرضہ سے بری کردوں۔ لہٰذا میں نے خدا و رسول کے لیے معاف کیا تو قاضی نے کہا کہ میں نے جو کچھ اللہ اور اُس کے رسول کے لیے نکالا ہے اُسے واپس نہ لوں گا۔ میں وہ تمام مال لے کر مکان کو واپس آیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی مزید نعمت کا شکریہ ادا کیا۔

واللہ المنۃ وعلی رسولہ الصلوٰۃ والتحیۃ۔

فصل۔ ہر وقت درود شریف کا پڑھنا افضل و مستحب ہے لیکن شبِ جمعہ اور جمعہ کے دن افضل و اَولیٰ ہے۔ کیونکہ افضل و مستحب ہے لیکن شبِ جمعہ اور جمعہ کے دن افضل و اَولیٰ ہے۔ کیونکہ شبِ جمعہ اور روز جمعہ بڑی فضیلت رکھتے ہیں اور ان دونوں اوقات کی فضیلت میں کثرت سے اخبار و آثار موجود ہیں۔ امام احمد حنبل رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ شبِ جمعہ شبِ قدر سے افضل ہے۔ اس لیے کہ نطفہ طاہرہ جو کل بھلائیوں کی اصل اور جملہ برکات کا مادہ ہے اسی رات کو بطنِ آمنہ میں قرار پایا تھا۔ اور بعض دوسری خصوصیات بھی ہیں جو اس کی شان میں آئی ہیں۔ واللہ اعلم۔

حدیث میں آیا ہے:

افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق ادم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ واکثروا علی من الصلوۃ فیہ فان صلوتکم تعرض علی فادعو لکم واستغفر رواہ ابوداؤد وصححہ النودی

ترجمہ (دنوں میں افضل دن جمعہ کا ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اسی دن انہوں نے انتقال فرمایا اور اسی دن میں صُور پھونکا جائے گا۔ اسی

دن بے ہوشی ہو گی۔ پس مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ جمعہ کے دن تمہاری درود مجھ پر پیش کی جاتی ہے اور میں تمہارے لیے دعاء و استغفار کرتا ہوں۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے)

آپ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو کہ یہ دن خاص فضیلت رکھتا ہے۔ جو شخص اس دن مجھ پر درود بھیجتا ہے۔ میرے سامنے پیش کر دی جاتی ہے اور میں اس کے لیے دعائے خیر کے ساتھ اُس کے گناہوں کی بھی مغفرت چاہتا ہوں۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ فانہ یوم مشہود تشھدہ الملائکۃ یعنی روز جمعہ وہ دن ہے کہ اس دن وہ فرشتے جو دربار خداوندی میں مقرب ہیں یہاں موجود رہتے ہیں۔ اور درود پڑھنے والے کا درود سن کر میرے پاس پہنچاتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر صلوٰۃ بھیجتا ہے وہ عرش سے نیچے ٹھہرتی اور کوئی فرشتہ ایسا نہیں ہے جو اس درود پڑھنے والے پر صلوٰۃ نہ بھیجے دوسری حدیث میں آیا ہے

اکثروا علی من الصلوۃ فی اللیلۃ الغل و الیوم الا غرو فی روایۃ فی اللیلۃ الزھرا و الیوم الازھر۔

یعنی بہ نسبت دوسرے دنوں کے مجھ پر درود کثرت سے پڑھا کرو۔ شب روشن اور روز روشن میں۔ یہ کنایہ شب جمعہ اور جمعہ کے دن سے ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ شب جمعہ کی خصوصیات سے ہے کہ آنحضرت ﷺ خود بہ نفس نفیس صلوٰۃ وسلام کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ جو شخص آپ پر اس رات میں صلوٰۃ وسلام عرض کرتا ہے مفاخر الاسلام میں ایک حدیث بیان کرتے ہیں

من صلی علی فی لیلۃ الجمعۃ مائۃ صلواۃ قضی اللہ لہ ماحاجۃ سبعین حاجۃ من امور الدنیا و ثلثین من الامور الاخرۃ۔

ترجمہ (آپ ارشاد فرماتے ہیں جو شخص مجھ پر شب جمعہ میں سو مرتبہ درود پڑھے۔ اُس کی سو حاجتیں پوری ہوں منجملہ اُن کے ستر ۷۰ حاجتیں دنیوی اور تیس حاجتیں آخرت کی) دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن ایک ہزار مرتبہ اس درود کو پڑھے

جب تک اپنی جائے نشست بہشت میں نہ دیکھ لے گا دنیا سے خالی نہیں اٹھایا جائے گا درود یہ ہے اللھم صل علی محمد واله الف الف مرة۔ سخاوی نے نقل کیا ہے کہ حدیث میں آیا ہے جو شخص دو ہفتہ ہر روز سات مرتبہ اس درود شریف کو پڑھے۔ میری شفاعت اس کے لیے واجب ہے

اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد صلوٰة تکون لك رضا ولحقه اداء واته الوسيلة والمقام المحمود الذی وعدته واجزه عنا ماھو اھله واجزه عنا افضل ماجزيت نبياً عن امته وصل علی جميع اخوانه من النبين والصديقين والشهداء والصالحين يا ارحم الراحمين۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے زید بن وہب سے کہا کہ جمعہ کے دن ہزار مرتبہ درود شریف کا پڑھنا ترک مت کرو اور یہ درود پڑھو

اللھم صل علی محمد النبی الامی۔

کتاب مفاخر الاسلام میں سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

من صلی علی يوم الجمعة ثمانين مرة غفرت ذنوبه الثمانين سنة

یعنی جو شخص مجھ پر جمعہ کے دن اسی ۸۰ مرتبہ درود شریف پڑھے اس کے ۸۰ برس کے گناہ معاف کیے جائیں اور دمیری نے شرح منہاج میں نقل کیا ہے کہ حسن حدیث میں آیا ہے جو شخص جمعہ کے دن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ درود پڑھے گا

اللھم صلی علی محمد عبدك ورسولك النبی الامی وعلی اله واصحابه وسلم تسليما۔

تو اُس کے اسی ۸۰ برس کے گناہ بخشے جائیں گے۔

مفاخر الاسلام میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد اپنے مصلے سے اُٹھنے سے پہلے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی مرتبہ درود پڑھے گا تو اس کے اسی ۸۰ برس کے گناہ

معاف کیے جائیں گے اور حدیث میں ہے کہ خالد بن کثیر کے تکیے کے نیچے سے ان کی روح نکلنے سے پہلے ایک پھٹا ہوا کاغذ ملا جس میں لکھا تھا براءۃ من النار لخالدین کثیر۔ یعنی خالد بن کثیر کی نجات جہنم سے ہوگئی ان کے گھر والوں سے دریافت کیا کہ یہ کون سا عمل کرتے تھے جو یہ کرامت حاصل ہوئی لوگوں نے کہا ان کا یہ عمل تھا کہ ہر جمعہ کو ہزار مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے تھے۔

فصل۔ جس طرح سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر شب جمعہ میں کثرت درود شریف افضل ہے۔ اسی حکم میں شب دوشنبہ بھی جمعہ کے ساتھ شریک ہے اس لیے کہ دوشنبہ بھی متبرک دنوں میں سے ہے کیونکہ اس دن بندوں کے اعمال درگاہ رب العزت میں پیش کیے جاتے ہیں اسی وجہ سے اُس دن ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس دن بندوں کے اعمال دربار خداوندی میں پیش ہوتے ہیں تو میں محبوب رکھتا ہوں کہ میرے اعمال ایسی حالت میں پیش کیے جائیں کہ میں روزہ سے ہوں۔ احیاء العلوم میں بیان کرتے ہیں کہ جو شخص دوشنبہ کی رات میں چار رکعت نماز پڑھے۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص گیارہ مرتبہ اور دوسری رکعت میں اکیس مرتبہ تیسری رکعت میں تیس مرتبہ چوتھی رکعت میں چالیس مرتبہ اور سلام پھیرنے کے بعد پچھتر مرتبہ استغفار کرے اپنے اور اپنے والدین کے لیے پچھتر بار پھر درود پڑھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر پچیس بار۔ جو حاجت اللہ تبارک وتعالیٰ سے طلب کرے گا پائیگا۔ پنجشنبہ کے دن درود شریف پڑھنے کے متعلق بھی ایک حدیث آئی ہے۔ مفاخر الاسلام میں بیان کرتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے۔

من صل علی یوم الخمس مائۃ مرۃ لم یفتقر ابدا۔

ترجمہ (جو شخص مجھ پر سو مرتبہ جمعرات کے دن درود شریف پڑھے وہ کبھی محتاج نہ ہوگا)۔

فصل: کوئی شک نہیں ہے کہ درود نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مقام خیر وبرکت میں مستحسن اور مستحب ہے۔ لیکن علماء نے چند ایسے مقامات شمار کیے ہیں جہاں اس فضیلت کی استحباب

بہت مؤکد ہے وہ سب میری نظر میں آ چکے ہیں یہ چند مقامات ہیں جن کا ذکر کیا جاتا ہے۔
طہارت کے بعد خواہ تیمم ہو۔ نماز میں، تشہد کے بعد۔ شافعیہ کے نزدیک قنوت کے بعد بھی، نماز کے بعد۔ اذان واقامت کے بعد۔ نیند سے اُٹھنے کے بعد تہجد کے لیے وضو کے بعد۔ حمد کے بعد۔ تہجد کے بعد۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت مسجد سے نکلتے وقت۔ جمعہ کے بعد۔ شب جمعہ میں خاص کر بعد نماز جمعہ۔ جمعرات۔ ہفتہ۔ اتوار۔ مسجد کے پاس سے گزرتے وقت۔ اور ہر دن کے متعلق حدیثیں آئی ہیں۔ خطبوں میں۔ صبح وشام۔ سحری کے وقت۔ خطوط میں بسم اللہ کے بعد۔ عید کی تکبیرات میں (شافعیہ کے نزدیک) نماز جنازہ میں۔ احرام میں تلبیہ کے بعد۔ صفا ومروہ پر۔ تہلیل وتکبیر کے بعد۔ خانہ کعبہ دیکھنے کے وقت۔ حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت۔ طواف کعبہ میں۔ التزام میں۔ حج کے مواقف میں۔ قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کہ مخصوص اور اقرب ومستحب انوار وبرکات کی ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) آثار نبویہ ﷺ ودیگر مقامات دیکھنے کے وقت مثلِ قبا۔ سبز گنبد۔ وادیٔ بدر اور جبلِ اُحد۔ خرید وفروخت کے وقت۔ وصیت نامہ کی تحریر کے وقت۔ ارادۂ سفر میں۔ سواری پر سوار ہوتے وقت اور اُترتے وقت۔ بازار جاتے اور آتے وقت۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ جس بازار میں لوگوں کا اژدہام اور غفلت زائد دیکھتے تھے تو آپ حمد وصلوٰۃ کہتے ہوئے داخل ہوتے تھے۔ دعوت میں حاضری کے وقت اور لوٹتے وقت۔ گھر میں داخل ہوتے وقت جب کوئی حاجت پیش آئے۔ محتاجگی کے خوف پر۔ جب غلام یا باندی بھاگ جائے۔ جب رنج وسختی اور طاعون ہو یا ڈوبنے کا خوف ہو جب کان میں آواز آنے کا مرض ہو۔

ذکر اللہ من ذکرنی بخیر

جب پاؤں سو جائے۔ چھینک کے وقت۔ جب بھولی ہوئی چیز یاد آ جائے یا بھولنے کا خوف ہو۔ مولی کھاتے وقت چونکہ اس کے متعلق حدیث آئی ہے۔ برتن سے پانی پیتے وقت۔ گدھے کی آواز کے وقت۔ گناہ کے بعد تاکہ اس کا کفارہ ہو جائے۔ دعا کے اول وآخر میں۔ مسلمان اور دوست عزیز کی ملاقات کے وقت۔ کسی محفل کے اجتماع کے وقت

منتشر ہونے سے پہلے۔ مجلس سے اُٹھتے وقت تاکہ غیبت سے امن رہے۔ اور ہر محفل جو خدا اور شعائر اسلام کے لیے ہو۔ ختمِ قرآن کے وقت۔ حفظِ قرآن کی دعا میں۔ ہر کلام غیر ممنوع کی ابتداء میں۔ تعلیم علم اور وعظ وحدیث پڑھنے کے اوّل وآخر میں۔ جب کوئی چیز اچھی معلوم ہو۔ بعض علمائے مالکیہ نے مقام تعجب میں مکروہ رکھا ہے۔ جس طرح تسبیح وتہلیل امرحرام کے وقت میں۔ لیکن جب ذکر کیا جائے تو یہ درود شریف کے لیے مستحب ترین اوقات شمار کیے جائیں گے۔

حدیث میں آیا ہے:

من صلی علیّ فی کتاب لم تنزل الملائکۃ تستغفر لہ مادام اسمی فی الکتاب

اس حدیث کو بہت سے علمائے حدیث نے روایت کیا ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ ابن جوزی نے تو اس کو موضوع کہا ہے۔ واللہ اعلم۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص بخل کی وجہ سے صلوٰۃ کا لفظ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں لکھتا تھا اس کے ہاتھ میں مرض آکلہ ہو گیا۔ یعنی ہاتھ سڑنا شروع ہو گیا اور ایک دوسرا شخص صلی اللہ علیہ لکھتا تھا وسلم نہیں لکھا کرتا تھا۔ حضرت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے خواب میں جھڑکا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو چالیس نیکیوں سے کس واسطے اپنے آپ کو محروم رکھتا ہے یعنی لفظ وسلم میں چار حرف ہیں اور ہر حرف کے عوض میں دس نیکیاں ہیں۔ تو اس حساب سے اس لفظ کے ثواب میں چالیس نیکیاں ہوئیں اور اسی قبیل میں یہ بھی داخل ہے کہ بعض لوگ رمز واشارہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ جیسے بعض لکھنے والے صلی اللہ علیہ وسلم کی علامت ص دم یا صلعم بنا دیتے ہیں۔ اور علیہ السلام کی طرف اشارہ عین ومیم سے کرتے ہیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کو خواب میں دیکھ کر دریافت کیا کہ حق تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا اور تمہیں کیسے بخش دیا۔ اس نے جواب دیا میں جب نام مبارک لکھتا تھا تو صلی اللہ علیہ وسلم بھی لکھ دیتا تھا اس لیے بخشش ہو گئی۔ کسی نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا دریافت کیا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔

آپ نے جواب دیا مجھ پر رحمت کی اور میری مغفرت فرمائی۔ پھر مجھے بہشت میں لے گئے جیسے کسی دلہن کو لے جاتے ہیں۔ مجھ پر موتی اور یاقوت نچھاور کیے جیسا کہ دلہن پر کرتے ہیں۔ یہ سب انعام اس وجہ سے ہوا کہ جب میں نے ایک رسالہ لکھا تو کہا تھا

صلی اللہ علی محمد عدد ماذکرہ الذاکرون وعدد ما غفل عن ذکرہ الغافلون۔

فصل۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے لیے درود شریف کی مداومت مع طہارت کے۔ درود کے لفظ یہ ہیں:

اللھم صل علیٰ محمد والہ وسلم کما تحب وترضی لہ

اور اس درود کی مداومت کے ذریعہ سے بھی یہ سعادت حاصل ہو سکتی ہے۔

اللھم صل علیٰ روح محمد فی الارواح اللھم صل علیٰ جسدہ فی الاجساد اللھم صل علیٰ قبرہ فی القبور۔

مفاخر اسلام میں بیان کرتے ہیں جو شخص جمعہ کے دن ہزار مرتبہ یہ درود شریف پڑھے

اللھم صل علیٰ محمد النبی الامی۔

تو سید انام صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے گا یا اپنا گھر جنت میں دیکھ لے گا۔ اگر کچھ نہ دیکھے تو پانچ جمعہ تک اس عمل کو کرے۔ انشاء اللہ خوش کرنے والا خواب دیکھے گا۔ جو شخص شب جمعہ میں دو رکعت نماز پڑھے ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ آیت الکرسی اور گیارہ مرتبہ سورۃ اخلاص اور نماز کے بعد اس درود شریف کو سو بار پڑھے۔

اللھم صل علیٰ محمد النبی الامی والہ وسلم

تو سید انام صلوٰت اللہ الملک العلام کو خواب میں دیکھے گا۔ اگر اس کے نصیب میں ہے تو انشاء اللہ تین جمعہ سے زائد نہ گزریں گے کہ دیدار سے مشرف ہوگا۔ یہ بعض فقرا کا مجرب ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جو شخص شب جمعہ میں دو دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد قل ھو اللہ احد پچیس بار اور بعد نماز کے ہزار مرتبہ درود شریف

پڑھے:

صلی اللّٰہ علی النبی الامی۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے گا۔ سعید بن عطا سے روایت ہے کہ جو شخص پاک بستر پر سوئے اور سوتے وقت اس دعا کو پڑھے اور اپنے داہنے ہاتھ کو تکیہ بنا کر سو جائے تو آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھے گا۔ دعا یہ ہے:

اللھم انی اسئلك بجلال وجھك الكريم ان ترينی فی منامی وجه نبيك محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم روية تقربھا عينی وتشرح بھا صدری وتجمع بھا شملی وتفرج بھا كربتی وتجمع بھا بينی وبينه يوم القيامة فی الدرجات العلی ثم لا تفرق بينی وبينه ابدايا الرحم الراحمين۔

اگرچہ اس طریق میں تحفہ صلوٰۃ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن اگر اس سعادت کا طالب اس دعا کو درود شریف کے بعد پڑھے تو یقیناً اتم واکمل ہوگا۔ اور بہت سے طریق بھی اس سعادت کے حاصل کرنے میں بیان کئے گئے ہیں اُن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں ظاہر و باطن سے متوجہ رہے۔ درود شریف کی کثرت کے ساتھ آپ کی دائمی توجہ رکھے واللہ الموفق۔

فصل۔ درود شریف کے وہ الفاظ جو احادیث میں آئے ہیں۔ کوئی شک نہیں ہے کہ ان کا پڑھنا اس اعتبار سے کہ وہ لفظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہیں افضل ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ تمام درودوں میں افضل وہ درود ہے جو التحیات کے بعد نماز میں پڑھی جاتی ہے اور وہ درود صحیح حدیثوں میں مخصوص کیفیتوں کے ساتھ آئی ہے جس کا ذکر کیا جائے گا۔ ہر ایک حصول مقصد کے لیے کافی ہے۔ سب میں مشہور یہ درود شریف ہے اللھم صل آخر تک اور اللھم بارك آخر تک۔

سبکی جو علمائے شافعیہ سے ہیں فرماتے ہیں کہ جو شخص التحیات کے بعد والی درود شریف پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھے بے شک اس نے اس طریقہ پر درود پڑھی جیسا

کہ حکم کیا گیا ہے اور یقیناً اس نے وہ ثواب حاصل کر لیا۔ جس کا اس درود شریف پر وعدہ کیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہترین درود پڑھوں گا تو وہ اس قسم سے نماز والی درود شریف پڑھ دینے سے بری ہو سکتا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درود پڑھنے والے کو چاہیے کہ احادیث صحیحہ میں کیفیات مخصوصہ جتنی آئی ہیں سب کو جمع کرے اور پڑھے تاکہ تمام الفاظ ماثورہ اور جملہ صیغہائے درود کا ثواب حاصل ہو اور وہ مجموعہ یہ ہے:

اللھم صل علی محمد عبدك ورسولك النبی الامی وعلی ال محمد وازواجه امهات المومنین وذریته واهل بیته کما صلیت علی ابراهیم وعلی ال ابراهیم فی العالمین انك حمید مجید اللھم بارك علی محمد عبدك ورسولك النبی الامی وعلی ال محمد وازواجه امهات المومنین وذریته واهل بیته کما بارکت علی ابراهیم فی العالمین انك حمید مجید وکما یلیق بعظم شرفه وکما له ورضاك عنه وکما تحب وترضی له عدد معلوماتك ومداد کلماتك ورضی نفسك وزنة عرشك افضل صلوٰة واکملها واتمها کلما ذکرك الذاکرون وغفل عن ذکرك الغافلون وسلم تسلیما کذالك وعلینا معهم۔

اور شیخ کمال الدین بن ہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام کیفیات جو حدیث میں وارد ہیں وہ اس درود میں موجود ہیں۔

اللھم صل ابدا افضل صلواتك علی سیدنا محمد عبدك ونبیك ورسولك محمد واله وسلم تسلیما وزاده تشریفا وتکریما وانزله المنزلة المقرب عندك یوم القیمة۔

ابن قیم جوزی حنبلی نیز بعض علمائے شافعیہ کہتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ جتنے لفظ آئے ہیں جدا جدا ہر ایک کو ایک خاص وقت میں پڑھے تاکہ جن لفظوں سے وہ حدیث آئی ہے

سب کا عامل ہو جائے اور سب کو یکجا کر لینا اپنی مجموعی صورت کے اعتبار سے ایک نئے درود کو ایجاد کرنے کو مستلزم ہے جو کسی حدیث میں وارد نہیں۔ اچھی بہر صورت بعض درود شریف جن کے الفاظ حدیث شریف میں آئے ہیں یہاں پر ذکر کی جاتی ہیں وباللہ التوفیق۔

پہلی

اللھم صل اور اللھم بارك آخر تک اس کو مسلم نے روایت کیا ہے لیکن بعض روایتوں میں زیادتی ہے۔

دوسری

اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم انك حمید مجید اللھم بارك علی محمد وعلی ال محمد کما بارکت علی ابراھیم انك حمید مجید ۔اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

تیسری

اللھم صل علی محمد النبی الامی وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انك حمید مجید۔

اس کو احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔

چوتھی

اللھم صل علی محمد وازواجه وذریته کما صلیت علی ابراھیم وبارك علی محمد وازواجه وذریته کما بارکت علی ابراھیم انك حمید مجید ۔اس کو ابن ماجہ، مسلم، بخاری اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

پانچویں

اللھم صل علی محمد عبدك ورسولك کما صلیت علی ابراھیم

وبارك على محمد وعلى ال محمد كما باركت على ابراهيم وعلى ال ابراهيم انك حميد مجيد۔ اس کو مسلم وبخاری اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

چھٹی

اللهم اجعل صلواتك وبركاتك على محمد وعلى ال محمد كما جعلتها على ابراهيم وال ابراهيم انك حميد مجيد وبارك على محمد وعلى ال محمد كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد اس کو قاسم نے روایت کیا ہے اور اسی طرح سے تلمانی نے اپنی مفاخر میں اس پر تنبیہ کی ہے۔

ساتویں

اللهم صل على محمد واهل بيته كماصليت على ابراهيم انك حميد مجيد اللهم صل علينا معهم اللهم بارك على محمد واهل بيته كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد اللهم بارك علينا معهم صلوٰة الله وصلوٰة المومنين على محمد النبى الامى السلام علينا ورحمة الله وبركاته۔

اس کو دار قطنی نے روایت کیا ہے۔

آٹھویں

اللهم صل على محمد وعلى ال محمد اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

نویں

اللهم صلى على محمد النبى الامى وازواجه امهات المومنين وذريته واهل بيته كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد۔

ابوداؤد نے اس کو ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص پسند کرتا ہے کہ اس کے لیے پورا پورا وزن کیا جائے لازم ہے کہ جب ہمارے اوپر درود پڑھے تو یہ لفظ کہے۔

دسویں

اللھم صل علی محمد وعلیٰ اٰل محمد وبارك علی محمد وعلی اٰل محمد کما صلیت وبارك علی ابراھیم وعلیٰ اٰل ابراھیم انك حمید مجید۔

اس کو نسائی نے روایت کیا ہے۔

گیارھویں

اللھم اجعل صلوتك ورحمتك وبرکاتك علی محمد واٰل محمد کما جعلتھا علی ابراھیم انك حمید مجید

اس کو احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

بارھویں

اللھم صل علیٰ محمد کما امرتنا ان نصلی علیه وصل علیه کما ینبغی ان یصلی علیه۔

اس کو شرف المصطفیٰ کے مصنف نے ذکر کیا ہے۔

تیرھویں

اللھم صل علیٰ محمد عبدك ورسولك النبی الامی الذی اٰمنَ بك وبکتابك واعطه افضل رحمتك واٰته الشرف علی خلقك یوم القیامة واجزه خیر الجزاء والسلام علیه ورحمة اللّٰه وبرکاته۔

تنبیہ:

جو درود کہ سلام کے ذکر سے خالی ہے اس میں یہ کلمہ ملالے السلام علیك ایھا النبی الکریم ورحمة اللّٰه وبرکاته ۔اس لیے کہ صلوٰۃ کا ذکر بغیر سلام کے اکثر علماء

کے نزدیک مکروہ ہے۔ یہ مسئلہ ماخوذ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا اگرچہ بعض علماء کو اس کی کراہت میں کلام ہے لیکن خلاف اولیٰ ہونا تو متفق علیہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے سلام کا تذکرہ جو بعض درودوں میں صلوٰۃ کے ساتھ نہیں فرمایا ہے وہ اس لیے ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس بات کے جاننے والے تھے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ سیکھ لیا اس سے مراد وہ سلام ہے جو تشہد میں پڑھتے ہیں اب آپ کے اوپر صلوٰۃ کس طرح بھیجیں تو آپ نے فرمایا کہ پڑھو۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ الحدیث۔ اور اسی طرح محض سلام پر بس کر دینا بھی مکروہ ہے یا خلاف اولیٰ ہوگا۔ اکثر عجمی مصنفوں کا قاعدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ذکر میں علیہ السلام پر اکتفا کرتے ہیں۔ لیکن اہل عرب کی کتب میں یہ بات بہت کم ہے۔ جو مصنفین متقدمین میں ہیں اور متاخرین کا اتفاق ہو گیا ہے کہ وہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے ہیں۔ یہ نہایت ہی مختصر اور مقصود کا ادا کر دینے والا ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اختصار سے مراد وعلیٰ آلہ کا ذکر کرنا ہے اور نہ اس کلمہ کو بولنے میں اور لکھنے میں زائد کر دینا بہت اچھا اور اولیٰ ہے۔ جیسا کہ بعض نسخوں میں لکھا ہوا دیکھا گیا ہے۔ اگرچہ آنحضرت ﷺ پر دعا کرنا تمام آل واصحاب اور جمیع مومنین کے لیے شامل ہے۔

فصل

افضل درود کے تعین میں علماء کے مختلف قول ہیں۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ اختلاف بوجہ وارد ہونے حدیث کے اس درود شریف کے متعلق ہے یا بوجہ شامل ہونے درود کی کیفیت وکمیت مخصوص کے ہے۔ بعض زیارت کے رسالوں میں دس قول دیکھے گئے ہیں۔

قول اوّل

بہترین درود وہ ہے جو ہم نماز میں پڑھا کرتے ہیں۔

قول دوسرا

اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل کلما ذکرہ الذاکرون وکلما سھی عنہ الغافلون۔

قول تیسرا

اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما ھو اھلہ۔

قول چوتھا

اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما انت اھلہ۔

قول پانچواں

اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد افضل الصلوٰتک عدد معلوماتک۔

قول چھٹا

اللھم صل علیٰ محمد النبی الامی وعلیٰ کل نبی وملک وولی عدد کلماتک التامات المبارکات۔

قول ساتواں

اللھم صل علیٰ محمد عبدک ونبیک ورسولک النبی الامی وعلیٰ ازواجہ وذریاتہ عدد خلقک ورضی نفسک وزنۃ عرشک ومداد کلماتک۔

قول آٹھواں

اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد صلوٰۃً دائمۃ بد وامک

قول نواں

اللھم بارک محمد وآل محمد صل علیٰ محمد وآل محمد واجز

محمد اما هو اهله۔

قول دسواں

اللهم صل علی محمد وازواجه امهات المؤمنين وذرية واهل بيته كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد۔

فصل

حدیث میں آیا ہے کہ اذا صليتم على فاحسنوا الصلوة۔

یعنی جب درود پڑھو مجھ پر تو عمدہ درود شریف پڑھو۔ بعض مفسرین نے وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ناس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور حسناً سے مراد درود شریف ہے۔ اور سدی جو علمائے تفسیر سے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کی ایک جماعت سے نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ قوتِ بیانیہ عطا فرمائیں اور وہ شخص اس قوت سے صلوٰۃ وسلام فصیح لفظوں سے ادا کرے تو وہ شخص اس حکم کا فرماں بردار سمجھا جائے گا۔ بعض درود کی افضلیت کا دارومدار یہی حدیث ہے اسی وجہ سے اکابرِ سلف وخلف نے درود کو اُن فصیح الفاظ میں جو منقول ہیں لکھا ہے ان میں سے کچھ یہاں ذکر کئے جاتے ہیں بعض ان میں سے

اللهم صل على سيدنا محمد السابق للخلق نوره الرحمة للعالمين ظهوره عدد ما مضى من خلقك وما بقى ومن سعد منهم ومن شقى صلوة تستغرق العد تحيط بالحدصلوة لا غاية لها ولا انتهاء ولا امدلها ولا انقضاء صلوة دائمة بدامك وعلى اله واصحابه كذالك والحمد لله على ذلك۔

سخاوی رحمتہ اللہ علیہ نے اس درود کا ثواب دس ہزار لکھا ہے اور اس کا قصہ عجیب وغریب ہے۔ بعض ان میں سے

اللهم صل على سيدنا محمد افضل ما صليت على احد من

خلقت صلوٰة دايمة بدوامك باقية ببقائك صلوٰة تكون لك رضاء ولحقه اداء صلوٰة مقبولة لديك معروضة عليه وعلىٰ اله وصحبه وبارك وسلم

اس درود شریف کے الفاظ مشہور ہیں اور مسبعات عشر میں جو اوراد کی متبرک اور مشہور کتاب ہے لکھا ہے اور تابعین کے زمانہ سے مشائخ کے معمولات میں داخل ہے۔ شیخ اجل اکرم علی متقی نے اپنے بعض رسالوں میں درود شریف کو انہیں لفظوں سے حکم فرمایا ہے۔ اور جو الفاظ کہ اس فقیر کو حضرت شیخ عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ سے رخصتی کے وقت اجازت فرمائے ہیں وہ یہی ہیں۔ اور بوجہ خصوصیت اجازت دیگر مشائخ کے ذات بابرکات کی وجہ سے جو کچھ اس بندہ کو ان لفظوں میں نور وحضور اور خشوع وخضوع حاصل ہوا دوسرے لفظوں میں مع قطع نظر مبالغہ کے کیفیت اور کمیت میں بہت ہی کم حاصل ہوا۔ اور پھر ان لفظوں سے دل برداشتہ نہیں ہوا۔ یہ بات مشائخ کی اجازت کے خواص واسرار سے ہے واللہ اعلم۔

بعض اُن میں سے

اللهم لك الحمد بعدد من حمدك ولك الحمد بعد دمن لم يحمدك ولك الحمد كما ان تحمد اللهم صل علىٰ محمد بعدد من صلى عليه وصل علىٰ محمد بعدد من لم يصل عليه وصل علىٰ محمد كما تحب ان نصلى عليه۔

اس درود شریف کے الفاظ طبرانی کے ہیں جو اکابر علمائے حدیث میں سے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس درود کو آنحضرت ﷺ کے سامنے خواب میں پڑھا۔ حضور ﷺ نے اس کے سننے کے وقت تبسم فرمایا اور آپ پر وجد کے آثار ظاہر ہوئے۔ نیز دندانِ مبارک میں سے نُور ظاہر ہوا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ بعض اُن میں سے

اللهم صل علىٰ محمد ملاء الدنيا وملاء الأخرة وبارك علىٰ محمد ملاء الدنيا وملاء الأخرة وسلم علىٰ محمد ملاء الدنيا

وملاء الأخرة ومنها اللهم صل على محمد واله واصحابه واولاده وازواجه وذريته واهل بيته واصهاره وانصاره واشياعه ومحبيه وامته وعلينا معهم اجمعين يا ارحم الراحمين ۔

اس کو سخاوی نے شفا سے ذکر کیا ہے جو حسن بصری سے نقل کیا گیا ہے۔ وہ فرماتے تھے جو شخص چاہے کہ آنحضرت ﷺ کے حوض سے بھرا ہوا پیالہ پئے تو چاہیے کہ اس درود کو پڑھے۔ اور بعض روایتوں میں ہے

اللهم صل على محمد في الاوّلين وصل على محمد في الاخرين وصل على محمد في النبيين وصل على محمد في المرسلين وصل على محمد في الملاء الاعلى الى يوم الدين اللهم اعط محمد الوسيلة والفضيلة والشرف والدرجة الرفيعة والبعثه مقاما محمودا اللهم امنت بمحمد ولم اره فلا تحرمني في الحيوة رويته وارزقني صحبته وتوفني على ملته واسقني من حوضه شرابا مريا سائغا هنيا لا اظما بعده ابدا انك على كل شيء قدير اللهم بلغ روح محمد واله مني تحية وسلام اللهم كما امنت به ولم اره فلا تحرمني في رويته۔

تلمسانی نے نیشاپوری سے نقل کیا ہے کہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص اس درود شریف کو صبح و شام تین بار پڑھے گا اس کے تمام گناہ بخشے جائیں گے اور لکھے ہوئے گناہ مٹا دیے جائیں گے۔ وہ ہمیشہ خوش رہے گا۔ اُس کی دعائیں قبول کی جائیں گی۔ اس کی اُمیدیں بر آئیں گی۔ دشمن پر فتح پائے گا۔ کار خیر کی توفیق ہو گی۔ بہشت بریں میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہو گا۔ بعض اُن میں سے

اللهم صل على محمد وبارك وسلم وعظم وكرم في الدنيا باعلاء دينه واظهار دعوته واعظام ذكره وابقاء شريعته وفي الاخرة بقبول شفاعته في امته وتضعيف ثوابه واظهار فضله على الاولين

والاخرین وتقدیمه علی کافة الا نبیاء والمرسلین فی شفاعة
واعلادرجته فی الجنة وعلیٰ اٰله واصحابه واتباعه اجمعین منها
صلی اللّٰہ علی محمد واٰله وسلم صلوٰة هو اهلها
اس درودشریف کے پڑھنے کا حکم صبح کے وقت آیا ہے۔ بعض اُن میں سے اللهم
صل علیٰ محمد وعلیٰ ال محمد صلواة انت لها اهل وهو لها اهل وبارك
وسلم ۔ یہ درودشریف حُسن قبول میں مخصوص ہے اور درجہ قبولیت کو پہنچ چکا ہے۔ بیان
کرتے ہیں کہ ایک شخص زائرین میں سے جو مقبول دربار تھا یہی درود ہمیشہ پڑھتا تھا جب
مدینہ منورہ سے سفر کرنے لگا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ چند دن اور ٹھہر جا ہم کو یہ تیرا درود
پسند آ گیا ہے۔ بعض اُن میں سے اللهم صل علیٰ محمد معدن الجود والکرم
ومنبع الحلم والحکم وعلیٰ اله واصحابه وسلم ۔ یہ درود سلسلہ قادریہ میں بہت
مشہور ہے۔ بعض ان میں سے اللهم صل وسلم علیٰ حبیبك وقریبك ولبیك
مظهر ربوبیتك ومثال حضرتك وتمثال قدرتك روح القدس معطی الحیوة
والفضیلة بامرك بکثیرا العوالم مفیض نواطق النفوس صاحب الظفرو
التعالیے شموس نورك ۔ یہ کلمات کہتے ہیں کہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
ہیں اسی طرح سے اس سلسلہ کے بعض مشائخ سے نقل کیا ہے اور حضرت سیدی وسندی وشیخی
قبلہ گاہی سی کلیم الٰہی قدس سرہٗ نے اپنے وظیفہ کے رسالہ میں ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض
ان میں سے اللهم صل وسلم علیٰ روح محمد فی الارواح وصل وسلم علی
جسده فی الاجساد وصل وسلم علیٰ قبره فی القبور ٭ سخاوی نے درمنتظم سے نقل
کیا ہے کہ اس طرح آیا ہے جو شخص اس درودشریف کو کثرت سے پڑھے تو
آنحضرت ﷺ کے شرف دیدار سے مشرف ہو اور آنحضرت ﷺ کی شفاعت سے
ممتاز ہو اور آپ کے حوض سے پانی پئے۔ اور اس پر آگ حرام ہو۔ یہ درودشریف اہل
حرمین شریفین میں بہت مستعمل ہے۔ لیکن اس درود میں اس لفظ کا اضافہ کرتے ہیں۔
وعلی اسم محمد فی الاسماء ۔ اور کاتب حروف بعض اوقات میں بوجہ غلبہ شوق ہر

عضو شریف کو قدم سے سر تک جدا جدا ذکر کرتا ہے۔ اور درود بھیجتا ہے جیسے کہ اللھم صل علی راس محمد فی الروس وصل علی شعر محمد فی الشعور ۔ اسی طرح سے قدم شریف تک۔ اور بھی کہتا ہے۔ وعلی بلد محمد فی البلاد وعلی دار محمد فی الدور وعلی مسجد محمد فی المساجد وغیرہ وغیرہ بعض اُن میں سے اللھم لبیك اللھم سعدیك صل وسلم علیه ان الله وملائکته یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما۔ بعض ان میں سے صلوٰۃ الله البر الرحیم والملائکة المقربین والنبیین والصدقین والشهداء والصالحین وما سبح لك من شیء فی الارض والسماء یارب العالمین علی محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب خاتم النبیین وسید المرسلین وامام المتقین الشاهد البشیر الداعی الیك باذنك السراج المنیر وسلامه علیه وعلی اله واصحابه اجمعین۔ یہ درود شریف علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ اس کو شفا میں ذکر کیا ہے اور اُس نماز میں جو آنحضرت ﷺ پر آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے امیر المومنین کے ساتھ پڑھی ہے وہ بھی درود تھا۔ بعض ان میں سے اللھم اجعل صلوٰتك وبرکاتك ورحمتك علی سید المرسلین وامام المتقین وخاتم النبیین محمد عبدك ورسولك امام الخیر ورسول الرحمة اللھم ابعثه مقام محمود ایغبطه فیه الاولون والاخرون اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراهیم وعلی ال ابراهیم انك حمید مجید ۔ یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ بعض ان میں سے اللھم تقبل شفاعة محمد الکبری وارفع درجة العلیا واته سؤله فی الاخرة والاولی کما اتیت ابراهیم وموسٰی ۔ اس کو طاؤس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ بعض ان میں سے اللھم اعط محمد افضل ما سالك لنفسه واعط محمدا افضل ما سالك لاحد من خلقك واعط محمدا افضل ما انت مسئول الی یوم القیمة ۔ وہب ابن الورد سے مروی ہے۔ بعض ان میں سے اللھم صل علی سیدنا

محمد وعلیٰ ال سیدنا محمد النبی الامی الذی ارسله رحمة للعالمین واصطفیة علی الخلایق اجمعین عدد ما فی علملك وملاء ما فی علمك وزنة ما فی علمك وعدد خلقك وعدد كل ذرة اضعافا مضاعفة فی ذلك الف مرة فی الف مرة فی كل نفس ولمحة ولحظة وطرفة یطرف بها اهل السمٰوت والارض وعلیٰ اله وصحبه وسلم۔

(مترجم) حضرت محدث رحمۃ اللہ علیہ نے چند درود شریف انہیں میں سے اور بھی لکھے ہیں لیکن قریب قریب وہ سب دلائل الخیرات جو مطبوعہ کتاب ہے اس میں آ چکے ہیں۔ اس لیے ان کا لکھنا کچھ زیادہ ضروری نہیں ہے طالب کو چاہیے کہ اپنی صفائی قلب کے لیے دلائل الخیرات کو مطالعہ میں رکھے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

تمت بالخیر

ہماری چند دیگر مطبوعات

زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور Ph: 042 - 7352022